



1914

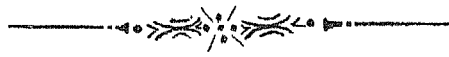
۶۷۳
۱۱
۲۱

سی۔پی میں کانگریس راج

صوبہ متوسط و برار کی کانگریسی وزارت کی مستند تاریخ

مُتَبَّہ

”
(حکیم) اسرار احمد کروی



کتاب ملنے کا پتہ :-

مرزا اسماعیل بیگ آفریدی جنرل سکریٹری شہر و ضلع مسلم لیگ ناگپور شہر (سی۔پی)

قیمت فی جلد دو روپیہ

2 2 9 10



M.A. LIBRARY, A.M.U.



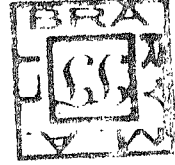
U42930

Handwritten signature or initials.

15

Handwritten signature or initials.

عرض حال ایک خط



۲۷ اپریل ۱۹۳۹ء

مکرمی جناب حکیم صاحب تسلیم!

جب سے آپ کے صوبہ میں کانگریسی وزیروں نے حکومت سنبھالی ہے، اُن کے انداز حکمرانی اور انتظامی طریق کار کے متعلق طرح طرح کے مختلف اور متضاد بیانات دیکھنے میں آتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کے اُردو اخبارات کی ہم پہنچائی ہوئی اطلاعات کو صحیح تسلیم کیا جائے تو ایک ہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ صوبہ متوسط و برار کی کانگریسی وزارت نہ صرف ہندو نواز ہو بلکہ مسلم آزار بھی ہے۔ دوسری جانب ہندو اخبارات سارا الزام مسلمانوں کے سرخود پتے ہیں۔ ایسی صورت میں کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا کس قدر مشکل ہے؛ حکیم صاحب! مجھ ایسے کتنے لوگ ہیں جو صحیح حالات جاننے کے لئے بے تاب ہیں۔ اس لئے کیا اچھا ہو کہ آپ بخیر طور پر ایک چھوٹی سی کمیٹی بنا کر اپنی شکایات اور تکالیف کو مرتب کریں اور ہم لوگوں کو کسی صحیح فیصلہ پر پہنچے میں مدد دیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ رپورٹ میں صرف وہی واقعات حالات درج کئے جائیں گے جو بالکل صحیح اور تصدیق شدہ ہوں گے۔ اگر آپ اس اصول پر سختی سے کاربند ہوئے تو دوست دشمن اور اپنے بیگانے سبھی آپ کی باتیں ماننے پر مجبور ہوں گے۔ اس کے خلاف اگر آپ نے ”زیب داستان“ کے لئے مبالغہ آرائی سے کام لیا، تو اوروں کا کیا ذکر میں خود بھی سمجھوں گا کہ آپ لوگوں کو صرف ”گھر کی رونق“ سے غرض ہے اور آپ کا کام ”ہنگامہ آرائی“ کے سوا کچھ نہیں، خواہ یہ ”نغمہ شادی“ سے میسر ہو یا ”نوحہ غم“ سے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ میری صاف گوئی کو بدگمانی پر محمول نہ کر بیٹھیں۔ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں

ب

کہ رپورٹ کی ترتیب میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا جائے اور جو کچھ لکھا جائے دنا قابل تردید شہادتوں اور صحیح اعداد و شمار پر مبنی ہو۔ جان بوجھ کر غلط بیانی بدترین اخلاقی مجرم ہے جو کسی حال میں معاف نہیں کیا جاسکتا۔ اب آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔

آپ کا

.....

میں اپنے ان بزرگ کا جن کے اسم گرامی کے اظہار کی خود بخود انہیں کے ارشاد کے مطابق مجھے اجازت نہیں جس قدر بھی ممنون ہوں کم ہے۔ اسی خط نے ”سی پی ٹی کی انگریز“ کی ترتیب کا راستہ دکھایا۔ اس کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ صرف صحیح اور مستند اعداد و شمار کی روشنی میں رپورٹ کی ترتیب عمل میں آئے۔ اگر اعداد و شمار میں کہیں تھوڑا بہت فرق بھی ہوا تو وہ ایسا نہ ہوگا کہ ان اعداد و شمار سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے، اس پر کوئی اثر پڑے۔

لوکل بالوینز کے اعداد و شمار کے حاصل کرنے میں بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا اس لئے بہت سے مقامات کے اعداد و شمار ہتھیانہ ہو سکے یا نامکمل ملے۔ بہر حال اس ذیل میں جو اعداد و شمار بھی پیش کئے گئے ہیں، مستند ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں۔

بعض مجبوریوں اور مصلحتوں کی بنا پر میں ان حضرات کا نام ظاہر کرنے سے معذوریوں جنہوں نے واقعات و اعداد و شمار کی فراہمی میں مدد کی اور جن کی غلصہ نواز مشن کی بدولت یہ رپورٹ معرض وجود میں آسکی۔

رپورٹ میں حکمہ اسن و قانون کے تحت میں جو واقعات درج کئے گئے ہیں۔ وہ کانگریسی دور حکومت کے ہیں۔ لوکل سیلف گورنمنٹ کے اعداد و شمار اس دور کے ہیں جبکہ ان اداروں پر کانگریسی اکثریت کا غلبہ ہو چکا تھا۔

چونکہ جون ۱۹۳۹ء سے دسمبر ۱۹۳۹ء تک اعداد و شمار فراہم کئے گئے۔ اس لئے اس دور

ج

میں جو معاملات تکمیل تک پہنچتے تھے یا جو مقدمات زیر سماعت تھے ان کے بارے میں ویسا ہی درج کیا گیا ہے۔

اس رپورٹ میں صرف صوبہ متوسط و برابر کے واقعات و حالات ہیں۔ اور یہی وہ صوبہ ہے جس کے ایک گاؤں سیواگرام کو گاندھی جی کی مستقل قیام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ بات کسے معلوم نہیں کہ گاندھی جی کانگریس کے کرتادھرتا اور بکچہ ہیں۔ مغربی طرز کی جمہوری حکومت کے ہندوستان کے مسلمانوں کو جو اندیشے ہیں کہاں تک حق بجانب ہیں؟ اس کا جواب یقیناً آپ کو اس رپورٹ سے لجا لیگا۔ اسی طرح اس سے گورنروں کے خصوصی اختیارات کا پردہ بھی چاک ہو جاتا ہے۔ جو ۱۹۲۵ء کے دستور ہند کا طرہ امتیاز سمجھا جاتا ہے۔

اسرار احمد کروی

۲۵ اپریل ۱۹۲۵ء



فہرست مضامین (سی پی میں کانگریس راج)

نمبر شمار	عنوان مضمون	صفحہ
۱	فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی کی چند موٹی موٹی مثالیں	۱
۳	مصر - ہٹا - شکلا - اور شریف -	۳
۱۲	سندھ - سرحد اور سی - پی	۱۲
۱۳	گاندھی جی کی تصویر اور ترنگے کے سایہ میں عبادت میں خلل اندازی	۱۳
۱۵	یک یام ددو ہوا	۱۵
۱۷	مسلمانوں کو کچلنے کی تدبیر	۱۷
۲۷	مسلم پریس کا قتل عام	۲۷
۳۰	کانگریسی تیغ جفا سے شہید ہونے والے اخبارات اور مطابع کی فہرست	۳۰
۳۲	سی - پی ٹانگز کے قابل اعتراض مضمون کا ترجمہ	۳۲
	محکمہ امن وقانون	
	(نربدا ڈویژن) ہوشنگ آباد، زہر خورانی کا مشہور واقعہ ۳۷ صفحہ	
	زرسنگہ پور ۳۹ - تیندور کھڑا، ایک دلگداز واقعہ ۴۷ - دھوئی تحصیل	
	زرسنگہ پور ۵۰ - تتی کرار (تحصیل زرسنگہ پور) ۵۲ - کوریا، ٹونگی	
	دامان وغیرہ ۵۲ - برسن (تحصیل زرسنگہ پور) ۵۳ - کرلی (تحصیل زرسنگہ پور)	
	۵۴ - آمگاؤں (تحصیل زرسنگہ پور) ۵۷ - گڈواڑہ (تحصیل زرسنگہ پور) ۵۸ -	
	سیونی (مالوہ) ۵۸ - گوٹے گاؤں (تحصیل زرسنگہ پور) ۵۹ - اٹاریسی ۶۰ -	
	ضلع نیماڑ، کھنڈوہ ۶۰ - بڑبان پور ۶۳ - زین آباد (تحصیل بڑبان پور) ۶۴ -	

نمبر شمار	عنوان مضمون	صفحہ
	ضلع ساگر ۷۰۔ بہلی ۷۲۔ پتھریا ۷۲۔ کیتھورا ۷۵۔ ضلع جیلپور	
	جیلپور، دہرہ کا بلوہ ۷۶۔ محرم میں اشتعال انگیزی ۷۷۔ انصاف کے قتل کی ایک خونی داستان، ہولی کے فسادات ۷۷۔ کٹنگی (تحصیل پاٹن۔ ضلع جیلپور) ۸۸۔ پناگہ (ضلع جیلپور) ۹۱۔ کٹنی ۹۲۔	
	ایک المناک داستان ۹۴۔ عزیز الحق ساکن کٹنی کی درخواست کا ترجمہ ۹۵۔ سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر کے خلاف سنگین الزامات ۹۶۔	
	چھتیس گڑھ ڈویژن، ضلع رائے پور ۱۰۰۔ دھمتری ۱۰۲۔ مراد پرائی ۱۰۵۔	
	ضلع بلاسپور، بلاسپور ۱۱۸۔ کنگھوڑا ۱۱۹۔ اکل تارا ۱۱۹۔ ناگپور ڈویژن، ضلع چھند واڑہ، سیونی ۱۲۰۔ چھپارا ۱۲۱۔ پانڈھنا ۱۲۲۔	
	بیٹول ۱۲۴۔ ضلع چاندہ، چاندہ ۱۲۵۔ نور گاؤں (تحصیل برہمپوری ضلع چاندہ) ۱۲۵۔ ضلع ناگپور، رام ٹیک ۱۲۷۔ کالول ۱۲۷۔ موڑاڑ ۱۲۸۔	
	پاٹن ساؤنگی ۱۲۹۔ ناگپور ۱۳۳۔ برار ڈویژن، ضلع اکولہ، ہیکر ۱۳۸۔ مرتضیٰ پور ۱۵۰۔ باسم ۱۵۱۔ اکولہ ۱۵۲۔ کارنجنہ ۱۵۲۔ کیوتھال (پرگنہ دھنی، تحصیل مرتضیٰ پور) ۱۵۴۔ ضلع بلڈانہ، ملکاپور ۱۵۴۔ کھام گاؤں ۱۵۵۔ بسوا چاندہ، کاتاریجنی، مقدمہ، انسانیت، سوز کینہ پروری اور بربریت کی ایک ہولناک داستان ۱۵۸۔ پچھلے واقعات ۱۵۹۔	
	اشتعال اور بے حرمتی ۱۶۰۔ مسلم آزار کا درجہ کانگریس میں ۱۶۰۔ مڈ جھڑ اور مار پیٹ ۱۶۰۔ حکام کی آمد ۱۶۱۔ مقدمہ بنانے کی ابتدا ۱۶۲۔ ایک بہت ہی اہم تار ۱۶۲۔ ابتدائی گرفتاریاں ۱۶۳۔ وزیر اعظم کا پاٹ ۱۶۴۔	

صفحہ	عنوان مضمون	نمبر شمار
	مسلمان افسروں کا بائیکاٹ ۱۶۵۔ مسٹر برج لال بیانی کی کارستانی ۱۶۶۔ وزیر اعظم کا زہر ملا اور جانبدارانہ بیان ۱۶۷۔ کینہ پروری اور بربریت کی نگین ۱۶۷۔ کانگریسی کالی کوٹھڑی ۱۶۸۔ سنگدی اور بیرجی کی انتہا ۱۶۹۔ بیٹے گناہوں کے بڑے حصہ کی رہائی ۱۷۰۔ ستم بالائے ستم ۱۷۰۔ سیشن کا فیصلہ ۱۷۱۔ ہائیکورٹ میں اپیل ۱۷۱۔ عارضی فیصلہ ۱۷۲۔ عدالت عالیہ کا فیصلہ ۱۷۳۔ چیف جسٹس کے ارشادات (بچوں کی دروغ بیانی) ۱۷۳۔ اسمبلی کا مباحثہ (وزیر اعظم کا اشارہ) ۱۷۳۔ ایڈووکیٹ جنرل کی انصاف پسندی ۱۷۴۔	
۱۷۷	حکومت اور مسلمانوں کی تعلیم	۳۴
۱۸۶	وردھا اسکیم اور اُس کا بنیادی نصاب تعلیم	
۱۸۹	مسلمانوں کی تعلیم کا خاص انتظام	
۱۹۰	تعلیمی اداروں کی امداد	
۱۹۰	خاندانی تعلیم	
۱۹۳	اعلیٰ تعلیم	
	حیدر آباد سے بندے ماترم طلبا کا سیلاب اور سی۔ پی کی حکومت اور	
۱۹۶	ناگپور یونیورسٹی کی آغوش رحمت	
۲۰۱	ایوان اسمبلی میں کانگریس کی گلکاریاں	۳۵
۲۰۶	الٹو اسٹے اجلاس کی تحریکیں اور اُن کا حشر	
۲۱۳	مجلس قانون ساز کے صدر کا انتخاب	

نمبر شمار	عنوان مضمون	صفحہ
	ضلع ناگپور میں ایک ہندو سپرنٹنڈنٹ پولس کے زمانہ میں صرف ایک	
۲۱۳	تحصیل میں تین مسلم ملازمین پولس کی سزایابی	۲۱۳
۲۱۴	قرضہ پنچائتی بورڈ مرواڑہ ضلع جیلپور اور مسلمانوں کی عدم نمائندگی	۲۱۴
۲۱۵	حکمہ زراعت اور مسلمان	۲۱۵
۲۱۵	سوالات کے جواب دینے میں حکومت کی بے توجہی	۲۱۵
۲۱۶	غلط بیانی کا شاہکار یا جھوٹ کا ہمالہ	۲۱۶
۲۱۷	اندھار یوٹیاں بانٹے اور ہر پھر کر اپنوں کو ڈے	۲۱۷
۲۱۷	بیوقوف کا مدرسہ	۲۱۷
	ایک مسلمان قیدی کی درخواست رحم قبول ہونے پر کانگریسی ممبروں کا خطرناک	
	فرقہ دارانہ فسادات کی روک تھام کیلئے کانگریسی وزارت کا یونٹی بورڈ کے	
۲۲۰	قیام سے صاف انکار	۲۲۰
۲۲۱	کھام گاؤں دریا پور اور آروی کے قرضہ پنچائتی بورڈوں میں مسلمانوں کی عدم نمائندگی	۲۲۱
۲۲۲	سی۔ پی کے سرکاری ملازم سرکاری خرچ پر گاندھی جی کے چربوں میں	۲۲۲
۲۲۳	حکومت کے انتظامی معاملات میں کانگریس کمیٹیوں کا اثر	۲۲۳
۲۲۳	قرضہ پنچائتی بورڈوں کے قیام کے سلسلے میں حکومت کی "مسلم نوازی"	۲۲۳
۲۲۴	تجاہل عارفانہ	۲۲۴
	مسٹر سادر صدر آل انڈیا ہندو ہما سبھا کی فرقہ دارانہ تقریروں پر حکومت	
۲۲۴	کی مجرمانہ خاموشی	۲۲۴
۲۲۵	کانگریس راج یا برہمن راج	۲۲۵

نمبر شمار	عنوان مضمون	صفحہ
۲۲۶	اشرفیوں کی لوٹ اور کوٹلوں پر مہر	۲۲۶
۲۲۸	عجیب منطق	۲۲۸
۲۲۹	پولس کے ملازمین کو بندے ماترم کے گانے کے وقت کھڑے ہونے کی ہدایت	۲۲۹
۲۲۹	معاملہ بینک زیر غور ہے	۲۲۹
۲۳۰	اضلاع امراتی، اکولہ، ایوت محل کے لوکل بورڈوں کے انتخابات میں مسلمانوں کی ناکامی اور عدم نمائندگی	۲۳۰
۲۳۰	صوبہ کے متعدد قرضہ پنچائتی بورڈوں میں مسلمانوں کی عدم نمائندگی	۲۳۰
۲۳۱	ہندوستانی کی تعریف میں اردو داخل نہیں	۲۳۱
۲۳۱	اردو نوازی کی ایک مثال	۲۳۱
۲۳۲	دو یا مندر ٹریننگ اسکول میں گوشت کا قحط	۲۳۲
۲۳۲	ایک معصوم مسلمان لڑکی کے قاتل کو معاف نہ کیا جاتا تو انصاف کا خون ہوتا	۲۳۲
۲۳۳	حکماء تعلیم میں مسلمانوں کی عدم نمائندگی	۲۳۳
۲۳۳	سادہ لوحی یا ڈھٹائی	۲۳۳
۲۳۴	اندھیر نگری چونٹ راج	۲۳۴
۲۳۴	بلا سپور تحقیقاتی کمیٹی	۲۳۴
۲۳۵	تین مسلمانوں کے عارضی نائب تحصیلدار مقرر کئے جانے پر کانگریسیوں کا غیض و غضب	۲۳۵
۲۳۵	ایک غریب اور قابل رحم ہندو لڑکی کو پناہ دینے پر کانگریسی اخباروں اور	۲۳۵
۲۳۶	ممبران اسمبلی کی چیخ و پکار	۲۳۶

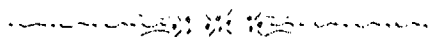
نمبر شمار	عنوان مضمون	صفحہ
	خوبصورت دھوکا	۲۳۷
۵	لوکل سیلف گورنمنٹ	۲۳۹
	ہوشنگ آباد میونسپل کمیٹی ۲۴۳ - ہوشنگ آباد ڈسٹرکٹ کونسل ۲۴۴ اٹاری میونسپل کمیٹی ۲۴۴ - شہناگ پور میونسپل کمیٹی ۲۴۹ - سپریا ٹوٹیفائڈ ایریا کمیٹی ۲۵۱ - گڈر داڑہ میونسپل کمیٹی ۲۵۲ - گوٹے گاؤں ۲۵۳ کرلی ٹوٹیفائڈ ایریا کمیٹی ۲۵۷ - سیونی مالوہ میونسپل کمیٹی ۲۶۱ - زرسنگہ پور میونسپل کمیٹی ۲۶۲ - ڈسٹرکٹ کونسل زرسنگہ پور ۲۶۴ - چھند داڑہ میونسپل کمیٹی ۲۶۹ - چھند داڑہ ڈسٹرکٹ کونسل ۲۷۰ - چھند داڑہ مانٹنگ پورڈ ۲۷۱ - امر داڑہ (ضلع چھند داڑہ) ۲۷۱ - سونہر (ضلع چھند داڑہ) میونسپل کمیٹی ۲۷۲ - پانڈھڑنا (ضلع چھند داڑہ) میونسپل کمیٹی ۲۷۳ - سیونی (ضلع چھند داڑہ) میونسپل کمیٹی ۲۷۵ - سیونی ڈسٹرکٹ کونسل ۲۷۵ - کھنڈ وہ میونسپل کمیٹی ۲۷۶ - برہان پور میونسپل کمیٹی ۲۷۹ - بیتول میونسپل کمیٹی ۲۸۳ - بیتول ڈسٹرکٹ کونسل ۲۸۷ ملتان (ضلع بیتول) ٹوٹیفائڈ ایریا کمیٹی ۲۸۸ - بالاگھاٹ میونسپل کمیٹی ۲۸۸ بالاگھاٹ ڈسٹرکٹ کونسل ۲۹۰ - ڈرگ میونسپل کمیٹی ۲۹۰ - رائے پور میونسپل کمیٹی ۲۹۱ - ڈسٹرکٹ کونسل رائے پور ۲۹۲ - دھمتری (ضلع رائے پور) ۲۹۳ - بھٹا پاڑہ (ضلع رائے پور) ٹوٹیفائڈ ایریا کمیٹی ۲۹۴ بلودا بازار (ضلع رائے پور) سینیٹیشن کمیٹی ۲۹۵ - بلاس پور میونسپل کمیٹی ۲۹۵ مونگیلی (ضلع بلاس پور) ٹوٹیفائڈ ایریا کمیٹی ۲۹۷ - چاندہ میونسپل کمیٹی ۲۹۷	

نمبر شمار	عنوان مضمون	صفحہ
	دورہ (ضلع چاندہ میونسپل کمیٹی) ۲۹۸- در دھا میونسپل کمیٹی ۲۹۹- سنگین گھاٹ (ضلع در دھا) میونسپل کمیٹی ۳۰۰- آروی (ضلع در دھا) میونسپل کمیٹی ۳۰۱- امر پٹ (ضلع ناگپور) میونسپل کمیٹی ۳۰۲- ساونیر (ضلع ناگپور) میونسپل کمیٹی ۳۰۳- کالڈل (ضلع ناگپور) میونسپل کمیٹی ۳۰۴- مرتضیٰ پور (ضلع اکولہ) ۳۰۵- باسم (ضلع اکولہ) ۳۰۶- اکوٹ (ضلع اکولہ) ۳۰۷- اکار سنجہ (ضلع اکولہ) ۳۰۸- بلڈانہ میونسپل کمیٹی ۳۱۲- بلڈانہ ڈسٹرکٹ کونسل ۳۱۳- اکھام گاؤں (ضلع بلڈانہ) میونسپل کمیٹی ۳۱۴- مکر (ضلع بلڈانہ) میونسپل کمیٹی ۳۱۵- چکلی (ضلع بلڈانہ) میونسپل کمیٹی ۳۱۶- چند اور مقامات کے متفرق واقعات ۳۱۷- ساگر (میونسپل کمیٹی) ۳۱۸- ساگر ڈسٹرکٹ کونسل ۳۲۰- کھڑی میونسپل کمیٹی ۳۲۰- دومہ میونسپل کمیٹی ۳۲۰- جلیپور (میونسپل کمیٹی) ۳۲۲- بھنڈارہ ۳۲۳- دام ٹک (ضلع ناگپور) میونسپل کمیٹی ۳۲۴- پل گاؤں (ضلع در دھا) میونسپل کمیٹی ۳۲۵- ورود (ضلع امر اوتی) میونسپل کمیٹی ۳۲۶- سیندور جنا گھاٹ (ضلع امر اوتی) نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی ۳۲۶- نیوری (ضلع امر اوتی) میونسپل کمیٹی ۳۲۶- دریا پور (ضلع امر اوتی) میونسپل کمیٹی ۳۲۷- چاندور ریلوے (ضلع امر اوتی) نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی ۳۲۸- سرکاری ملازمتیں	
۴	اعلیٰ ملازمتیں ۳۳۰- ماتحت ملازمتیں ۳۳۴	۳۲۹
۷	جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے	۳۳۵
۸	اپنوں کی زبانی	۳۳۶
	ضمیمہ جات	۳۴۱
	سٹی سپرنٹنڈنٹ جلیپور کے خفیہ نگری روزنامہ کا اردو ترجمہ	۳۴۴
	ترجمہ درخواست سدا شیوا سنگھ	۳۵۲
	ترجمہ حکم ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ برہان پور بابت مسجد لوہاری منڈی	۳۵۷

فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی

کی

چند موٹی موٹی مثالیں



چلتا ہی بس تو دیکھ رہے ہیں چلا کے زور
محسوس کر دیا ہی اُنہیں اختیار نے
(مولانا طارق ناگپوری)

مضرا۔ تما۔ شکلا اور شریف

شریف | یہ ایک مسئلہ اور ہر جگہ رواج پذیر قدیم معمول ہے کہ سزایافتہ مجرمین حکومت کے پاس سزا کی معافی یا تخفیف کے لئے رحم کی درخواست کرتے ہیں مگر حکومت زیر دفعات ۴۲ و ۴۳ ضابطہ فوجداری اپنے اختیار رحم کو استعمال کر کے ملزم کو معافی یا سزائیں تخفیف کا حکم دیتی ہے یا درخواست نامنظور کر دیتی ہے۔ ہر سال اسی طرح کے سینکڑوں واقعات ہوتے ہیں۔ کانگریسی کابینہ کے پہلے وزیر عدالت مسٹر شریف کے پاس جولائی ۱۹۳۷ء سے مارچ ۱۹۳۸ء تک دو سو تیسٹھ درخواستیں رحم کی آئیں۔ انہوں نے صرف بہتر درخواستوں کے سلسلہ میں اپنے اختیارات رحم کو استعمال کیا۔ ان بہتر فائدہ پانے والوں میں تترہ مسلمان ہیں (ملاحظہ ہو رورڈ اس کی اپنی اسمبلی بابت ۲۹ مارچ ۱۹۳۸ء۔ جلد ۲ صفحہ ۱۷۱) (۱۷۱) جن کے حق میں اختیارات رحم کو استعمال کیا گیا ان میں ہر طرح کے مجرم ہیں۔ قتل کے مجرمین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان درخواست کنندوں میں سے رنجو۔ گنگو اور عبد الزاق دو ہندو اور ایک مسلمان) بھی تھے جنہیں ایک چودہ سالہ لڑکی کے ساتھ زنا بالجبر کی افات میں دو۔ دو سال کی سزا ہوئی تھی۔ مسٹر شریف نے ان کی درخواست کے سلسلہ میں یہ رائے قائم کی کہ چونکہ عدالت نے یہ امر تسلیم کیا ہے کہ لڑکی اگرچہ قانوناً نابالغ تھی لیکن ادارہ مزاج تھی اور واقعہ متعلقہ کے پہلے سے مفاد بہت جنسی کی لذت سے پوری طرح آشنا ہو چکی تھی نیز مقدمہ کے سلسلہ میں ان ملزمین کو جینی پریشانی اور زیر باری کا سامنا ہوا وہ ایک مزید سزا ان کے لئے ہوئی ہے اس لئے انہیں کافی سبق مل چکا۔ اور ان کی سزا بجائے دو سال کے اگر ایک سال کر دی جائے تو چنداں ہرج نہیں۔ ان دو ہندو اور ایک مسلمان مجرمین کی سزائیں تخفیف کے

بعد اسی مقدمہ میں سزایافتہ ملزم ظفر حسین کی درخواست رحم بھی آئی جنہیں تین سال کی قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی تھی۔ مسٹر شریف نے اس درخواست پر انہیں واقعات کے پیش نظر جو اسی مقدمہ کے تین دیگر لمزموں کی سزائیں تخفیف کے محرک ہوئے تھے ظفر حسین کی سزا بھی تین سال سے گھٹا کر ایک سال کر دی مگر جرمانہ کی سزا بحال رہنے دی۔ ظفر حسین کی سزا میں تخفیف کیا ہوئی کہ نہ صرف سبھالی بلکہ بعض کانگریسی ہندو حلقہ میں بھی ایک تھکے چڑ گیا۔ یہ امر قابل غور ہو کہ ظفر حسین کے ساتھ رحم کئے جانے سے پہلے کسی مجرم کی رعایت پر کوئی اعتراض نہ کیا گیا بلکہ جب اسی مقدمہ اور اسی مجرم کے سزایافتہ دو ہندو مجرمین مسٹر شریف کے تخفیف سزا کے حکم کی بددلت رہا ہوئے تب بھی کوئی اعتراض یا شور مہنگامہ نہیں ہوا۔ لیکن جب ظفر حسین کی سزائیں تخفیف کی گئی تو ہندو حلقوں نے آسمان سر پہ اٹھالیا۔ کانگریسی ہائی کمان نے باوجود اس امر کے کہ صوبہ کی کانگریسی اسمبلی پارٹی مسٹر شریف کے فعل کو جائز قرار دیتے ہوئے ان پر اعتماد کا ریزولیشن پاس کر چکی تھی ہندوؤں کی ایک ٹولی کے شور کو ہر طرح قابل اعتنا سمجھا اور مسٹر شریف کے خلاف ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کر دیا۔ اس سلسلہ میں بھی دو باتیں قابل تذکرہ ہیں۔ حکم سرمنتھانا تھہ کرجی کو بنایا گیا جو کلکتہ ہائی کورٹ کے سابق جج اور غیر کانگریسی ہونے کے علاوہ ہندو مہاسبھاسے گہرے طور پر وابستہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ انہیں صرف اس امر پر تحقیقات کرنے کی ہدایت کی گئی کہ ظفر حسین کی سزائیں تخفیف کرنے میں مسٹر شریف نے بددیانتی جانب داری یا فرقہ پرستی، جدا حقارت و تجاؤز یا کسی اور قابل اعتراض اثرات سے کام لیا ہو یا انہیں دھوکا لگنے کے دہائی کے معاملہ کو قابل تحقیقات نہ سمجھا گیا بلکہ صرف ظفر حسین کے معاملہ کو بحال کمیشن نے تحقیقات شروع کی۔ ہندوؤں نے کمیشن کے پاس ہر طرح کے متعلق اور غیر متعلق کاغذات پیش کئے۔ ہندوؤں سے رکن کمیشن نے کہا کہ جو کچھ بھی ثبوت اس سلسلہ میں تم پیش کر سکتے ہو لاؤ۔ سرمنتھانے کسی شہادت یا ثبوت کو اس بنا پر کہ یہ غیر متعلق ہو پیش کئے جانے سے نہیں روکا۔ انھوں نے الزام لگانے والی جاکو اس کو لپکا موقوف دیا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہیں۔

مرد اپٹیل نے خود بھی ایک تحریر مسٹر شریف کے خلاف بھیجی، الزام لگانے والوں کی تہا منشا دلوں اور بیوتوں اور مسٹر شریف کی صفائی کو سننے اور ان پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد منمتھا اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسٹر شریف نے نہ تو حد اختیار سے تجاوز کیا ہے اور نہ فرقہ پرستی کا کوئی ثبوت موجود ہے اور نہ بددیانتی ثابت ہے اور نہ کسی اور قابل اعتراض امر کو کام میں لانے کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ البتہ واقعات مقدمہ کے پیش نظریہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مقدمہ میں تحفیف سزا کی رائے قائم کرنے میں ان کی ”قوت فیصلہ نے غلطی کی“ واضح رہے کہ کمیشن کو اس امر کا مجاز نہیں بنایا گیا تھا کہ وہ اس بات کی بھی تحقیقات کرے کہ واقعات مقدمہ کے پیش نظر کیا رائے قائم کی جانی چاہیے تھی بلکہ صرف اس امر کی تحقیقات کا مجاز بنایا تھا کہ مسٹر شریف کا طرز عمل نفس مقدمہ سے قطع نظر کسی خارجی قابل اعتراض اثرات کے تحت تو نہیں تھا۔ باوجود اس کے کہ جن حیوانات کے تحت تحقیقات کرنے کا مجاز ہائی کمان نے کمیشن کو بنایا تھا ان حیوانات کے سلسلہ میں کمیشن نے مسٹر شریف کے خلاف کسی الزام کا ثبوت نہیں پایا۔ کمیشن نے اپنے حد اختیار سے تجاوز کرتے ہوئے ایک ایسے معاملہ پر رائے دیدی جس کا اُسے مجاز نہیں بنایا گیا تھا۔ پھر قوت فیصلہ کی غلطی ”کس بشر اور کس انسان سے سرزد نہیں ہوتی یہ کوئی ایسا جرم نہ تھا کہ جس کے باعث کالگریس کا سارا نظام دم بہم ہو جاتا کسی وزیر کا ایک طرم کی سزا تین سال سے کم کر کے ایک سال کر دینا ایک بہت ہی معمولی بات ہے ایسی رائے قائم کرنے میں بلا کسی اثر سے متاثر ہوئے قوت فیصلہ سے غلطی سرزد ہو جانا اگر کمیشن کی رائے درست تسلیم کر لی جائے کسی منصف مزاج کے نزدیک ایسا قصور نہیں قرار پاسکتا کہ اُسے وزرات کے قابل نہ سمجھا جائے لیکن ہائی کمان نے اس قوت فیصلہ کی غلطی کو بھی ناقابل معافی جرم تصور کیا اور مسٹر شریف کو دو آرتھ سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ انہوں کو چھوڑ کر غیروں سے رشتہ جوڑنے کا خمیازہ انہیں مل گیا۔

جیل پور میں ۱۹۳۷ء کے دسہرہ میں منادات ہوئے اور ایک ہندو زخمی ایک جہینہ بدانتھال کر گیا تو کالگریسی جٹوں میں بڑی بیچ پکار ہوئی وزیر اعظم

ڈاکٹر کھرے جیلپور گئے۔ تحقیقاتی کمیشن حکومت نے مقرر کیا اور مقدمات فساد کی پوری تکمیل کی گئی جس میں متعدد مسلمانوں کو سزا ہوئی۔ ایک مسلمان کو دس سال کی سزا ہوئی۔ ہولی ۳۸ء میں جیل پور میں پھر فساد ہوا اور چار مسلمان قتل ہوئے۔ نہ وزیر دوڑے نہ تحقیقاتی کمیشن بیٹھا مقدمات چلے اور کسی موٹے موٹے کانگریسی جن میں صاحب تمول اور بیونپل کشتہ بھی تھے قتل کے الزام میں ماخوذ ہوئے۔ ڈاکٹر کھرے وزیر غلام کے پاس درخواست پیش کی گئی کہ مقدمہ اٹھالیا جائے۔ ڈاکٹر کھرے نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس اثنا میں ڈاکٹر کھرے کو بھی وزارت سے بہ ہذا خرابی ٹھکانا پڑا اور مسٹر شکلا وزیر اعظم ہوئے۔ مسٹر مصرا جو جیل پور کے حلقہ سے منتخب شدہ ہیں وزارت کے لفسن ماطقہ بنے۔ مسٹر شکلا نے ڈاکٹر کھرے کی نا منظور کی ہوئی درخواست پر دوبارہ غور کیا اور تمام زیر سماعت مقدمات کو اٹھالنے جانے کا حکم دیدیا۔ مسلمانوں نے اس پر بہت شور وادیا کیا۔ مسلمان ملزمین نے درخواستیں دیں کہ وہ وزارت کے رحم و کرم کے دین منت ہونا نہیں چاہتے ان پر مقدمہ چلایا جائے۔ مگر کانگریس ہائی کمان نے اس کھلی ہوئی طرف داری کے متعلق کسی تحقیقات کی ضرورت نہ سمجھی مسٹر شکلا کے طرز عمل میں صاف طور پر کسی قابل اعتراض اثرات موجود تھے :-

- (۱) معاملہ انفرادی نہ تھا بلکہ فرقہ وارانہ تھا۔
- (۲) مقدمہ اٹھانے کے لمحے ہی صرف ہندو تھے۔
- (۳) بڑے بڑے کانگریسی اس میں ماخوذ تھے۔
- (۴) اس سے پہلے کے فرقہ وارانہ بلوں کے مقدمات میں کانگریسی وزارت نے یہ طرز عمل نہیں اختیار کیا تھا۔
- (۵) جیلپور کے علاوہ اور مقامات پر بھی اسی سال بوسے ہوئے گراؤں میں کانگریسی یا ہندو ملزم نہ تھے اور وہاں کے مقدمات نہیں اٹھائے گئے۔
- (۶) مسٹر مصرا وزیر کے ایک رشتہ دار بھی اس مقدمہ میں ماخوذ تھے۔

(۷) سابق وزیر اعظم اس درخواست کو نامنظور کر چکے تھے۔ لیکن مسلمانوں کا تمام شور و ادب بلا اثر رہا اور ایسے کھلے ہوئے شائبہ حالات کے ہوتے ہوئے بھی ہائی کمان نے تحقیقات کی ضرورت نہیں سمجھی۔

مہتا مسٹر شریف کی علیحدگی کے بعد وزیر عدالت مسٹر مہتا ہوئے۔ انہوں نے ہونگ آباد کے ایک ہندو ملزم کو جسے ایک کم عمر معصوم مسلمان لڑکی کو زہر کھلا کر مار ڈالنے پر ششمن سے منرائے موت ہوئی تھی اور اپیل پر بھی ہائی کورٹ سے منرائے موت بحال رہی تھی بالکل بری کر دیا۔ اس واقعہ نے مسلمانوں میں سخت جذبات نفرت پیدا کئے مسلمانوں نے سخت ترین احتجاج کیا۔ اس غیر منصفانہ طرز عمل نے مسلمانوں کے علاوہ ملک کے ہندو سنجیدہ طبقہ کو بھی حیران بنادیا۔ چنانچہ ناگپور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن جیسی ذمہ دار جماعت نے وزیر متعلقہ کے اس طرز عمل پر اظہار نفرت کی تجویز منظور کی۔ مگر اس تمام شور و غوغا کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا مسلمانوں کا ہر جائز مطالبہ تو پائے استحقاق سے ٹھکرا ہی دیا جاتا ہے۔ مگر ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی تجویز بھی ہائی کمان کے نزدیک قابل اعتناء نہ ٹھہری۔ اور مسٹر مہتا کے طرز عمل کی تحقیقات ضروری نہ سمجھی گئی۔ حالانکہ ان کے معاملہ میں بھی چند کھلی ہوئی قابل اعتراض باتیں موجود تھیں :-

(۱) مسٹر شریف کی طرح انہوں نے مجرم کی حالت قابل رحم قرار دے کر رعایت نہیں کی تھی بلکہ عدالت سشن اور عدالت عالیہ کے فیصلہ سے اختلاف کیا تھا۔

(۲) منرائے موت کی تھی بلکہ منرائے موت کے مجرم کو بالکل رہا کر دیا تھا۔

(۳) ہونگ آباد کے کانگریسی اصحاب ملزم کی طرف سے مقدمہ میں بہت دلچسپی لے رہے تھے۔

(۴) جو وکیل ملزم کی طرف سے پیوکار تھے وہ مسٹر مہتا کے گہرے دوست اور ان کے ساتھ پڑبے ہوئے تھے۔ مگر ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے تحقیقات نہیں کی گئی۔

مصر مصر کے معاملہ میں جو طرز عمل ہائی کمان نے اختیار کیا وہ ہر شخص شاکہ انسان کو شرم سے گردن جھکائے پر مجبور کر دیتا ہے۔ جون ۱۹۳۷ء میں ایک مسلمان عورت نے جبل پور کوٹوالی میں پرورٹ کی کہ اس کی نابالغ لڑکی کا اغوا ہو گیا ہے اور اس کا شک مصر کے ڈائریکٹر نانائیڈو پر ہے۔ دوران تحقیقات میں پولیس کو یہ معلوم ہوا کہ اس اغوا میں مصر اور اُن کے کئی دوستوں کا زبردست ہاتھ ہے۔ پولیس کو یہ بھی پتہ چلا کہ مصر اور اُن کے سرپرست سیٹھ گوہد واس کی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ لڑکی اور لازم کا سراغ نہ ملے۔ مصر پر کتنا سنگین الزام تھا اُس کا اندازہ پولیس ڈائری کے اُن ٹکڑوں سے ہو سکتا ہے جس کو بعض لوگوں نے حاصل کر کے اخبارات میں چھپوایا اور ایک حلقہ بیان کے ساتھ ناگپور ہائی کورٹ میں داخل کیا۔ بہت دنوں کی تلاش کے بعد جب لڑکی کو پولیس نے برآمد کیا تو لڑکی نے پولیس کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ ”میری ماں کی عدم موجودگی میں نانائیڈو آیا اور کہا کہ تیری ماں تجھے بلا رہی ہے۔ جب میں باہر نکلی تو اس نے ایک موٹر پر مجھے زبردستی ڈال دیا اور موٹر چلا دی۔ میرے پیچھے چلانے کی آواز کو اس نے موٹر کا ہارن بجا بجا کر دیا۔ موٹر پر ایک آدمی اور تھا جسے میں اندھیر کے سبب نہیں پہچان سکی۔ مجھے گوپال باغ میں لے جایا کرتا لے میں بند رکھا گیا۔ نانائیڈو نے اُس ات کئی بار میری عصمت دری کی۔ نانائیڈو مجھ سے بار بار یہ کہا کرتا تھا کہ مجھے مصر اُجی کے گھر میں رہنا ہوگا۔ وہاں بڑے آرام اور چین سے کٹے گی۔ وہ بڑے آدمی ہیں۔“ لڑکی کا حسب ذیل بیان جو پولیس ڈائری میں درج ہو مصر اُجی کے خلاف جرم کو ثابت کرتا ہے:-

”گوپال باغ میں میرے پیچھے کے ایک یا دو دن بعد ایک رات مصر اُجی میری کوٹھری میں آئے اور مجھ سے کہا کہ میرے گھر چلو۔ اور اس طرح کی باتیں کرنے لگے جو مجھے ناگوار معلوم ہوئیں میں نے اُن کے گھر جانے سے انکار کیا اور اس پر بھی راضی نہ ہوئی کہ وہ میرے ساتھ صحبت کریں۔ لیکن اُس شب کو اُنہوں نے میرے ساتھ نہ کیا“

پولیس کے کاغذات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ لڑکی کو بمبئی بھیجا جا رہا تھا ملاشی میں ایک کاغذ ملا جس پر لکھا ہے ”اس کی فلم کمپنی“ اور اس خبر پر جس کے منیجر مسٹر مہرا (تھے) کے بمبئی آفس اور ایک ملازم کا پتہ لکھا تھا۔ جس کے مکان سے لڑکی برآمد ہوئی اُس نے پولیس کے سامنے اقبال کیا کہ اُس کے بھتیجے نے جو نانا نائیڈ کا دوست ہے لڑکی اور یہ پتہ اور رقم جو الہ کی کہ اُسے بمبئی پہنچا دیا جائے۔ پولیس کے کاغذات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر جارج ڈوسی سلو اسباق صدر جنرل پور میونسپل کمیٹی اور ڈاکٹر مس قاضی سے لڑکی کے بلوغت کا جھوٹا سرٹیفکیٹ لینے کی کوشش کی گئی تھی مگر ناکامی ہوئی کیونکہ ان دونوں نے جعلی سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کیا اور بعد معائنہ کیا کہ لڑکی نابالغ ہے۔ اس سلسلہ میں پولیس نے مسٹر مہرا کا بیان لینا چاہا مگر کامیاب نہ ہوئی۔ ڈاکٹر سی کے الفاظ یہ ہیں :-

”جب سب انسپکٹر اُن کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کہ وہ بہت بیمار ہیں اور صاحب فرانس ہیں اور باہر نکلنے کے قابل نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیمار ہی بنا دی گئی اور وہ سب انسپکٹر کے سوالات سے بچنا چاہتے تھے کیونکہ یہ معلوم ہوا کہ بعد میں وہ گھومتے ہوئے دیکھے گئے اور تندرست حالت میں تھے“

پولیس اس مقدمہ کی تحقیقات کر رہی تھی اور ایک دو دن میں مجسٹریٹ کے سامنے ان کی شناخت ہونے والی تھی کہ کانگریس نے انہیں وزیر منتخب کر لیا۔ اور ان کے خلاف حکومت نے مزید کارروائی کرنے سے پولیس کو حکم روک دیا۔ اور اس طرح اتنے سنگین الزامات سے آلودہ شخص بغیر اپنے جرم کی صفائی پیش کئے ہوئے وزارت جیلہ کام پر مامور کیا گیا۔ غالباً گاندھی جی صدارت کی راج گدی ایسے ہی لوگوں کے لئے موزوں ہے۔ بہر حال جب حکومت نے اپنے اختیار کے زور سے ان کے اخلاق سوز الزامات کی پردہ پوشی کر دی تو منصف مناج لوگوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور ہائی کمان کے کانوں تک ہر طرح یہ بات پہنچائی

گئی کہ پہلے ان کے خلاف جو الزامات ہیں اُن کی صفائی ہونی چاہئے اور ہائی کمان کو چاہئے کہ اس کی غیر جانب دارانہ تحقیقات کرے۔ لیکن ہائی کمان نے اس مطالبہ کو سال بھر ٹالا۔ اور جب بہت ہی بے بس اور لاجواب ہوئی تو شریف صاحب کے معاملہ کی طرح کسی سابق نج اور غیر کانگریسی آدمی کو نہیں مقرر کیا بلکہ ورکنگ کمیٹی کے ایک ممبر مسٹر بھولا بھائی ڈیسیائی کو۔ انہوں نے شریف صاحب کے معاملہ کے تحقیقات کنندہ کی طرح الزام لگانے والوں کو اس کی آزادی نہیں دی کہ واقعی ثبوت اور شہادت کے ذریعہ جرم کو ثابت کر سکیں بلکہ مسٹر ڈیسیائی نے بہت سی شہادتوں اور ثبوتوں کے لینے سے اس بہانہ انکار کر دیا کہ یہ نفس معاملہ سے غیر متعلق ہیں یا عدالتوں میں رائج قوانین شہادت کی دفعات کی روشنی میں ایسی شہادت یا ایسا ثبوت ناقابل قبول ہے۔ اس کی ذرا وضاحت کو دینی ضروری ہے۔ قانون شہادت کے مطابق کسی عوے کے ثبوت میں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کو ایسا کہتے ہوئے سنا تھا۔ اور فلاں شخص زندہ ہو۔ گواہی دینے کے قابل ہو اور ممکن طریقہ پر دستیاب ہو سکتا ہو تو اُس فلاں شخص کی شہادت بھی پیش کرنی لازمی ہو ورنہ گواہی دینے والے کا بیان بطور ثبوت قابل قبول نہ ہوگا۔ لیکن عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو اس کا موقع حاصل رہتا ہے کہ اگر متعلقہ گواہ شہادت دینے میں اتنا کافی کرے تو عدالت سے بذریعہ ہمن اور اس پر بھی نہ آئے تو برور وٹا اُسے عدالت میں گواہی دینے پر مجبور کیا جائے مگر مسٹر ڈیسیائی کسی کو گواہی دینے پر مجبور نہیں کر سکتے تھے نہ مسٹر مہرا پر الزام لگانے والوں کو یہ موقع حاصل تھا کہ ناراضانہ گواہ کو مسٹر ڈیسیائی کے سامنے شہادت دینے پر مجبور کر سکیں۔ ایک وزیر کے خلاف گواہی دینے پر راضی ہونا امرانہ نہیں؛ اس لئے اس قسم کی تحقیقات میں قوانین شہادت پر ایسی سخت پابندی کے ساتھ عمل کریں نہیں کیا جاتا اور مسٹر ڈیسیائی کا ایسا کرنا سرِ غیر منصفانہ اور جانبدارانہ فعل تھا۔ اس صریح زیادتی کو دیکھتے ہوئے الزام لگانے والوں نے تحقیقات میں حصہ لینے سے انکار کر دیا اور ہائی کمان نے مسٹر مہرا کو بے تصور قرار دے کر مزید تحقیقات کی ضرورت نہ سمجھی۔

اسباب تفاوت | اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان چاروں وزراء کے ساتھ سلوک میں اس تفاوت کا سبب کیا ہے؟ مسٹر شریف قوت فیصلہ کی

غلطی پر وزارت سے الگ کر دیئے جاتے ہیں اور مسٹر شکلا اور مسٹر مٹا کے خلاف ایسے سنگین الزامات ہوتے ہوئے بھی انھیں علیحدہ کرنا تو کجا کمیشن تک مقرر نہیں کیا جاتا اور مسٹر معمر کا معاملہ ڈیڑھ سال تک کھٹائی میں ڈال رکھنے کے بعد کسی غیر کانگریسی غیر جانبدار ہائی کورٹ کے سابق جج کے حوالہ نہیں کیا جاتا بلکہ اپنے ہی ہم نوا ورکنگ کمیٹی کے نمبر کے حوالہ ہوتا ہے اور یہ تحقیقات بھی مکمل نہیں کی جاتی۔ اگر قوت فیصلہ کی غلطی مسٹر شریف کو وزارت کے لئے ناقابل ٹھہرا سکتی ہو تو کیا یہ تینوں وزراء انسان کے سوا کچھ اور ہیں کہ ان کے بارے میں ”قوت فیصلہ کی غلطی“ کے امکان کا گمان بھی نہیں ہو سکتا؟ آخر کیا وجہ ہے کہ مسٹر شریف کے معاملہ میں صوبہ کی اسمبلی پارٹی کے اظہار اعتماد کے باوجود ہائی کمان کو اطمینان نہیں ہوتا اور کمیشن مقرر کیا جاتا ہے مگر ان تینوں وزراء کے معاملہ میں محض ملزم وزراء کا بیان ہی ہائی کمان کو مطمئن کر دیتا ہے؟ ہائی کمان کے سلوک میں جو بے فرق ہو اس کے متعلق حسب ذیل نتیجہ پر پہنچنے کے سوا دوسرا کوئی اور عقلی یا قیاسی یا واقعاتی سبب وجود میں نہیں ملے گا۔

(۱) شکلا کے معاملہ میں :- (۱) جو قتل ہوئے مسلمان تھے (۲) جن کے اوپر قتل کا الزام تھا ہندو تھے۔ (۳) وزیر متعلقہ ہندو تھا۔ لہذا

نہ تحقیقات کی ضرورت نہ علیحدگی کی۔

(۲) مصر کے معاملہ میں :- (۱) جس لڑکی کا اغوا ہوا مسلمان تھی (۲) جنہوں نے اغوا کیا ہندو تھے۔ (۳) وزیر متعلقہ ہندو تھا۔ لہذا

نہ تحقیقات کی ضرورت نہ علیحدگی کی۔

(۳) مٹا کے معاملہ میں :- (۱) جس لڑکی کی جان گئی مصمم سہی مگر مسلمان تھی (۲) قاتل ہندو تھا۔ (۳) وزیر متعلقہ ہندو تھا۔ لہذا

نہ تحقیقات کی ضرورت تھی نہ علیحدگی کی۔

(۴) شریف کے معاملہ میں :- (۱) جس لڑکی کے ساتھ واقعہ ہوا آوارہ سہی مگر ہندو تھی۔

(۲) مجرم مسلمان تھا۔ (۳) وزیر متعلقہ مسلمان تھا۔ لہذا

تحقیقات اور علیحدگی لازمی !

کیا کانگریس کی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی کسی اور ثبوت کی محتاج ہے؟

نوٹ :- میٹر بھرا کے سلسلہ میں جس پولیس ڈائری کا جو الہ دیگا ہے اس کے ہلاک ضمیمہ جات کے عنوان میں ملاحظہ فرمائیے۔

ہندو سرحد۔ اور سی۔ پی

(۱) سندھ کی انسپشنی وزارت محض کانگریس کی حمایت کے دم پر قائم تھی۔ وزیر عظم سندھ کانگریس کی تالیف قلوب کے لئے دوسروں کی حق تلفی سے کبھی نہیں چو کے اور اس کے اظہار نیاز مندی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ مگر جب سکھر میں بلوہ ہوا اور ہندوؤں نے چیخ پکار مچائی تو کانگریس نے غیر صوبہ کے کانگریسی معتمد علیہ کو تحقیقات کے لئے مقرر کر دیا۔

(۲) سندھ سے قطع نظر سرحد کی خان صاحبی وزارت تو بالکل کانگریسی تھی۔ صرف وزارت ہی کانگریسی نہ تھی بلکہ اس صوبہ میں گاندھی جی کے سرحدی متنبی خان عبدالغفار خان ہر طرح کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے اُسی صوبہ میں براجمان تھے مگر جب بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان میں بلوہ ہوا اور ہندوؤں نے شور مچایا تو غیر صوبہ کے کانگریسی معتمد علیہ تحقیقات کے لئے مقرر کیا گیا

(۳) سی۔ پی میں کانگریسی وزارت تھی۔ یہاں متعدد بلوے ہوئے مسلمانوں کی جان و مال کا سخت نقصان ہوا مسلمانوں نے گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخا چلایا مگر سب قوموں کی نمائندگی اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے والی جماعت نے کسی تحقیقات کی ضرورت نہ سمجھی ؟

کیوں ؟

(۱) سندھ میں :- (۱) وزارت کی اکثریت مسلمان تھی (۲) شکایت ہندوؤں کو تھی ۔

لہذا تحقیقات ضروری ۔

(۲) سرحد میں :- (۱) وزارت کی اکثریت مسلمان تھی (۲) شکایت ہندوؤں کو تھی ۔

لہذا تحقیقات ضروری ۔

(۳) سی ۔ پی ۔ میں :- (۱) وزارت خالصاً ہندو تھی (۲) شکایت مسلمانوں کو تھی ۔

لہذا تحقیقات کی کوئی ضرورت نہیں

یہ کھلی ہوئی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی نہیں تو اور کیا ہے ؟

گاندھی جی کی تصویر اور ترنگے کے سایہ میں عبادت میں خلل اندازی

جب گاندھی جی کانگریس کے اجلاس تری پوری کی شرکت سے پہنچتے ہوئے راجکوت برت رکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو ایک موقع پر ان لوگوں نے جو گاندھی جی سے اختلاف رکھتے تھے گاندھی جی کے سکین کے سامنے ایسے وقت مظاہرہ کیا جبکہ گاندھی جی ”عبادت“ میں مشغول تھے ۔ یہ امر گاندھی جی کو بہت ناگوار گذرا خصوصاً اس بنا پر کہ اس مظاہرہ کے شور و غل سے عبادت میں خلل واقع ہوا ۔ آپ نے ”ہرتجن“ میں اپنی تکلیف اور رنج کا اظہار ایک مؤثر مقالہ لکھ کر کیا اور عبادت کے وقت غل چٹا رہ کر کے خلل انداز ہونے کو بہت مذموم قرار دیا ۔ مگر گاندھی جی اپنے کانگریسی چیلوں کو یہ نہ سمجھا سکے کہ نماز کے وقت جب مسجد کے سامنے باجہ سجایا جاتا ہے اور جلوس کا جلوس ہے کارے لگاتا ہے تو مسلمانوں کی عبادت میں خلل

واقع ہوتا ہے اور انہیں بھی ویسی ہی تکلیف ہوتی ہے جیسی گاندھی جی کو راجکوٹ میں ہوئی۔ گاندھی جی
 تو ایک دفعہ کے ہنگامہ سے اس قدر برا فروختہ اور رنجیدہ ہوئے مگر سی۔ پی اور برار کے مسلمانوں
 کو ہر جگہ ایک بار نہیں ہر مہینہ متعدد بار اس زیادتی کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ رواج اور قدیم حقوق
 سے قطع نظر عبادت میں اس طرح قصداً خلل پہنچانے کی حرکت کون کرتا ہے؟ تمام سربراہان اور وہ کلنگریسی
 لیڈر اور کانگریسی جماعت کا پر اکا پر اچاندور بسوا میں مسٹر سرج لال بیانی صدر برار صوبائی کانگریسی
 کا جلوس اگست ۳۸ء میں نان کے وقت اور کھام گاؤں میں مسٹر گھنٹام داس گپتا اسپیکر اسمبلی کا
 جلوس اپریل ۳۸ء میں باجہ کے ساتھ مسجد کے سامنے سے گذرا ان دونوں سربراہان اور وہ کانگریسیوں
 نے جو گاندھی جی فلسفہ کے متنازع چیلے اور شاگرد مانے جاتے ہیں مسلمانوں پر ”رام راج“ کی قوت
 کا رعب جمانے کے لئے مسلمانوں کی عبادت میں خلل اندازی کی مذموم حرکت میں بہ نفس نفیس
 حصہ لیا۔ پھر بھی یہ فرقہ پرست نہیں۔ بلکہ قوم پرست اور اہمسا کے پیروکار ہیں۔ ریاکاری کی
 کوئی انتہا بھی ہونی چاہئے؟ گاندھی جی کی مذموم بتائی ہوئی حرکت نہ صرف کانگریسی حکومت کے
 حکم سے کی جاتی ہے بلکہ گاندھی جی صد اقت اور اہمسا کی ماننے والی کانگریسی وزارت نے یہ
 سرکاری اعلان شائع کیا ہے کہ جلوس نماز کے وقت بھی باجہ بجاتا ہوا گزرے گا اور اس حق کے
 استعمال کے لئے طاقت کے ذریعہ جلوس کی محافظت کی جائے گی (ملاحظہ ہو سرکاری بیان
 مورخہ ۱۸ اکتوبر ۳۹ء یہ سلسلہ مساجد کھام گاؤں و ہنکر) اور کانگریسی وزارت کے حکم سے
 کانگریسی حکومت کی طاقت کے جلو میں مسلمانوں کی عبادت میں عمداً خلل ڈالنے کے وہ ایک
 کام کے سرکاری افتتاح کے لئے جوش بھگڑی موزوں سمجھی گئی وہ گاندھی جی ہی کا جنم دن
 تھا۔ چنانچہ کھام گاؤں اور ہنکر میں گاندھی جی کی عبادت کا جلوس کانگریسی وزارت کا پروانہ لئے
 ہوئے ۲ اکتوبر کو تمام حکام ضلع، درجنوں پولیس افسر اور پچاس ساٹھ بندوق سے مسلح
 کانستبلوں کی ہمرکابی میں ان دونوں مقامات کی مسجدوں کے سامنے ٹھیک نماز کے وقت
 تڑنکا بھنڈا اڑاتا اور گاندھی جی کی تصویر کو نمایاں طور پر اٹھائے ہوئے آکر رکھا اور باجہ بجاتے

کے علاوہ خوب زور زور سے ”ہمات گاندھی کی ہے“ کے نعرے لگا کر مسلمانوں کی عبادت میں خلل انداز ہوا۔ اور اسے اپنی بہت بڑی فتح اور کامیابی سمجھا گیا۔ اگر گاندھی جی ہر کانگریسی پر اختیار نہیں رکھتے تو کانگریسی وزارت پر بھی اتنا اختیار نہیں رکھتے تھے کہ اُس سے کہہ دیتے کہ ”نماز کے وقت مسجد کے سامنے باجہ بچانے اور شور و غل کرنے سے نماز میں خلل ہوتا ہے۔“ غیر فرقہ پرست اور واقعی صداقت کی پیروی حکومت ایسے موقعوں پر نمازیوں کی حمایت اور محافظت کرتی نہ کہ عبادت میں خلل ڈالنے والوں کی اس پر بھی کانگریس کو فرقہ پرست کہنا غلط ہے؟

یک بام و دو ہوا

جہاں اصولی طور پر ہندوؤں کا یہ حق تسلیم کر لیا گیا ہے کہ وہ سلطانی شاہراہ ”پر باجہ“ بچانے کا حق ہر وقت ہر شخص کو ہے اور کانگریسی وزارت کے اعلان کے مطابق اگر اس حق کے استعمال کے سلسلہ میں مداخلت کی جرات کی گئی تو حکومت اپنی طاقت کے ذریعہ حق کے استعمال کرنے والے کی محافظت کرے گی۔ وہاں سلطانی شاہراہ تو الگ یہی مسلمانوں کو اپنے گھر میں بھی چار دیواری کے اندر چھپ کر گائے ذبح کرنے کا حق اکثر جگہ حاصل نہیں اور اس حق کے استعمال کرنے والے کی محافظت کرنے کے لئے کانگریسی حکومت تیار نہیں ہوتی۔ جس طرح کانگریسی حکومت نے اصولی طور پر سلطانی شاہراہ پر باجہ بچانے کا حق ہر شخص کے لئے تسلیم کر لیا تھا وہاں یہ بھی اعلان کر دیتی کہ اصولی طور پر اپنے گھر میں گائے ذبح کرنے کا حق ہر مسلمان کو ہے تب یہ سمجھا جاتا کہ کانگریسی حکومت فرقہ پرست نہیں ہے بلکہ ہر فرقہ کے حقوق کی محافظ ہے۔ کانگریسی راج میں کیا ہوا، جہاں کہیں باجہ نہیں بچتا تھا باجہ سرکاری بیان نکال کر بچوایا گیا اور مسلح دستہ کے جلو میں بچوایا گیا جیسے کھام گاؤں۔ ہکر۔ پاٹن ساونگی بنیو گنج وغیرہ۔ لیکن مسلمانوں کو بے شمار مقامات میں گائے ذبح کرنے کی اجازت نہیں مسلمان

ہندوؤں کی طرح برہمن عبادت میں خلل ڈالنا یا جذبات میں ٹھیس لگانا نہیں چاہتے بلکہ اپنے گھر میں ہندوؤں سے نظر بچا کر اپنے حق کو استعمال کرنا چاہتے ہیں مگر اس کی مخالفت کے لئے کانگریسی حکومت اپنی ۲۷ ماہ کے قیام میں ایک جگہ بھی تیار نہیں ہوئی۔ کیا کانگریسی حکومت ایک واقعہ بھی ایسا بنا سکتی ہے کہ جس طاقت کے مظاہرہ کے ساتھ اُس نے باجہ مذکورہ بالا مقامات پر بجوایا اور سرکاری بیان نکالے۔ اُس نے کانگریسی کے متعلق بھی ایسا بیان نکالا کہ مسلمانوں کے اس حق میں اگر مداخلت کی گئی تو طاقت کے ذریعہ مخالفت کی جائے گی یا مسلح پولیس کی مخالفت میں کانگریسی کرائی۔ کانگریسی راج میں یہ ضرور ہوا کہ متعدد مقامات پر ہندو غنڈوں کی ٹولیوں نے مقامی کانگریسی لیڈروں کی رہسنائی میں گائے ذبح کرنے کے جرم میں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ گائے ذبح کرنے والے کو مجروح کیا۔ اُس کے گھر والوں کی بے غرتی کی سبب انہوں نے گاہکوں کا ہٹا دیا۔ گھروں کو آگ لگایا اور کانگریسی حکومت نے مسلمانوں کی مخالفت کا کوئی انتظام نہیں کیا بلکہ بہت سے مقامات پر ان ہندو غنڈوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی اور بعض جگہ اگر پولیس نے مقدمات چلائے بھی تھے تو حکومت نے انہیں اٹھالیا۔ مثال کے لئے تیندور کھیرا۔ رتی کرار۔ سیونی مالوہ۔ کاٹول وغیرہ کے واقعات موجود ہیں۔ یہ ایک عجیب ثابت ہے کہ مسجد کے سامنے باجہ روکنے کے حق کے ثابت کرنے کے لئے دیوانی عدالت جانے کا مشورہ مسلمانوں کو دیا جاتا ہے مگر کانگریسی پراعتراض کرنے والے ہندوؤں کو یہ مشورہ نہیں دیا جاتا کہ گاوہ کشتی روکنے کا اگر حق ہے تو دیوانی عدالت جاؤ۔ نہ صرف کانگریسی پر پابندیاں ہیں بلکہ گائے گوشت کے نقل و حمل کے سلسلہ میں بھی اکثر پینسپلیٹوں نے مثل زنگھ پور وغیرہ نے پابندیاں لگا رکھی ہیں کہ اس کے لئے ٹریکس مخصوص ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ حفظان صحت کے مد نظر ایسا کیا گیا ہے۔ تو سو اس ٹرک پر چل سکتے ہیں۔ فیلفٹوکر اور فیلفٹوکر کی گاڑی اُس راستہ سے لے جانا ممنوع نہیں مگر گائے کا گوشت لے جانا ممنوع ہے۔ سلطان شاہراہ پر یکیاں حق دلانے والی حکومت کا مسادات کا دعویٰ صرف ہندوؤں کو باجہ بجانے کا حق دلانے تک ہے۔ مسلمانوں کو گوشت لے کر چلنے کا

حق بھی دلانے کے لئے تیار نہیں گائے اور باجہ کے سلسلہ میں کانگریسی حکومت کا جو متضاد طرز عمل رہا وہ اس جماعت کی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔

مسلمانوں کو کچلنے کی تدبیر

۱۹۳۹ء میں سی۔ پی۔ دہرار کے متعدد مقامات پر جو بلوے پالیسی کی نوعیت ہوئے ان کے واقعات، ان کی نوعیت اور دوران فساد اور بعد فساد پر سلسلہ تحقیقات پولیس کے طرز عمل میں ہر مقام پر تعجب خیز یکسانیت کو دیکھ کر انسان نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وزیر اعلیٰ پولیس اور ہندوؤں کے سربراہ انگیز کے مابین پہلے سے بہت کچھ کئی بدی تھی اور ایک ساتھ سارے صوبہ میں ہنگامہ کر کے مسلمانوں کو دبا دینے کی نیت تھی۔ تمام واقعات کو یک جا کر کے اگر یہ حیثیت مجبوری نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ فساد کرایا جائے۔ اگر مسلمان خاموش رہیں۔ ڈر جائیں اور دب جائیں تو سب سے اچھا ہے۔ یہی تو مدعا ہے دلی تھا۔ اگر کچھیں تو پولیس تاک میں بیٹھی رہے اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ پہلی کوشش تو یہ ہو کہ صرف مسلمان ہی کا چالان کیا جائے۔ اگر شاید کسی جگہ کوئی امر ناگزیر یا صورت حال ایسی پیدا ہو کہ صرف مسلمانوں کا چالان نہ ہو سکے تو دونوں فریق کا کیا جائے اس میں فائدہ یہ نہ نظر تھا کہ مسلمانوں کو پہلے اور نقصان پہنچانے کے بعد جب دونوں فریق ملزم ہو جائیں تو یہ کہا جائے کہ مفاہمت کرو اور فریقین کے دستخطوں سے مقدمہ اٹھانے کی درخواست دے دی جائے۔ اگر مسلمان اس پر نہ راضی ہوں تو حکومت سے مقدمہ اٹھالئے جانے کا حکم حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔ بہر حال آخری نتیجہ خواہ فریقین کے دستخط سے مقدمہ اٹھنے خواہ حکومت کے فرمان سے یہی نکلے گا کہ بے گناہ مسلمانوں کے ساتھ مجرم ہندو بھی چھوڑ

جائیں گے اور مسلمانوں کو جو جانی و مالی نقصان پہنچا وہ نفع میں رہا۔ اس طرح کے متواتر اگر دو چار واقعات ہو گئے تو مسلمانوں کی ہمت خود ہی ٹوٹ جائے گی اور وہ تابع فرمان ہونے پر مجبور ہو جائیں گے۔ جہاں صرف مسلمان ملزم ہوں وہاں مقدمہ بالکل نہ اٹھایا جائے اور جہاں صرف ہندو ہوں وہاں ضرور اٹھایا جائے۔ اس طرح سے حسب ایک مدت تک بے گناہ مسلمان پتے رہیں گے اور مجرم ہندو چھوڑتے رہیں گے تو مسلمانوں کو محکوم و مظلوع ہونے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے گا۔ محکمہ قیام امن و قانون کے عنوان کے تحت جتنے واقعات دیئے گئے ہیں ان کے دیکھنے سے جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس کی لفظ بہ لفظ تصدیق ہوتی ہے۔ اس جگہ اس سماجی خا کہ پیش کیا جاتا ہے کہ ۱۹۳۹ء میں کس کس جگہ فساد ہوئے اور کن کے خلاف چالان پیش کیا گیا اور کیا انجام ہوا:-

مقامات کا خاکہ

مقام	کس کا چالان ہوا	نتیجہ
(۱) میندرور کیٹورہ	(اپریل ۳۹ء) ۵ ہندوؤں کا دفعہ ۱۳۹	مقدمہ اٹھایا گیا
(۲) دیوئی کھرپا	() چند ہندوؤں کا دفعہ ۳۶۲	"
(۳) کھنڈوہ	() ۲۸ مسلمانوں کا دفعات ۱۳۹، ۱۴۰	
	۲۵۲	مقدمہ چلایا گیا
(۴) جبل پور	(اپریل ۳۹ء) دونوں فریق کا متعدد دفعات کے تحت	"
(۵) کٹنی	(اپریل ۳۹ء) دونوں فریق کا (۱) ایک مقدمہ مسلمانوں کے خلاف دفعہ ۳۰۲ تھا۔ (۲) کسی ہندو قتل کے الزام میں گرفتار ہوئے تھے۔	

تفصیل		کس کا چالان ہوا	
(۶) رائے پور	(۶) رائے پور	(۶) رائے پور	(۶) رائے پور
(۷) دھمتری	(۷) دھمتری	(۷) دھمتری	(۷) دھمتری
(۸) پانڈھڑنا	(۸) پانڈھڑنا	(۸) پانڈھڑنا	(۸) پانڈھڑنا
(۹) نور گاؤں	(۹) نور گاؤں	(۹) نور گاؤں	(۹) نور گاؤں
(۱۰) گنگوڑا	(۱۰) گنگوڑا	(۱۰) گنگوڑا	(۱۰) گنگوڑا
(۱۱) ناگپور	(۱۱) ناگپور	(۱۱) ناگپور	(۱۱) ناگپور
(۱۲) مرتضیٰ پور	(۱۲) مرتضیٰ پور	(۱۲) مرتضیٰ پور	(۱۲) مرتضیٰ پور
(۱۳) ملکا پور	(۱۳) ملکا پور	(۱۳) ملکا پور	(۱۳) ملکا پور
(۱۴) کھام گاؤں	(۱۴) کھام گاؤں	(۱۴) کھام گاؤں	(۱۴) کھام گاؤں
(۱۵) بسوا چاندور	(۱۵) بسوا چاندور	(۱۵) بسوا چاندور	(۱۵) بسوا چاندور
(۱۶) اگر قارہ	(۱۶) اگر قارہ	(۱۶) اگر قارہ	(۱۶) اگر قارہ

۴۳ کا چالان) متعدد دفعات کے تحت مقدمہ چلایا گیا

مذکورہ بالا اعداد و شمار کا جائزہ لینے سے حسب ذیل نتیجہ نکلے گا :-

(۱) تنہا مسلمانوں کا چھ جگہ چالان کیا گیا اور کہیں بھی مقدمہ نہ اٹھایا گیا۔

(۲) تنہا ہندوؤں کا دو جگہ چالان کیا گیا اور دو نوں جگہ مقدمہ اٹھایا گیا۔

(۳) دونوں فریق سات جگہ بازو ذہم کے ان میں سے ایک جگہ ہندو کے خلاف مقدمہ اٹھایا گیا

مُسلمان کو سزا ہوئی (کٹنی)

بقیہ کچھ جگہوں میں ایک جگہ طرفین کی درخواست پر مقدمہ اٹھایا گیا (راے پور) اور ایک جگہ حکومت کے حکم سے (مٹاپور) ان سب کالبا بایہ ہوا کہ سات جگہ تہا مُسلمان ماخوذ ہے۔ دو جگہ دونوں، تنہا ہندو کہیں بھی، نہیں۔ ایک چیز اور قابل غور ہے کہ جہاں صرف مُسلمانوں کا چالان کیا گیا ہو وہاں کثیر تعداد میں گرفتاری کی گئی ہے۔ جہاں صرف ہندو ماخوذ کیا گیا تسلیل تعداد ہے۔ جہاں دونوں وہاں تعداد عموماً برابر ہے یا مُسلمانوں کی زائد رکھی گئی۔ یعنی اس تمام کثرتِ بیوت کے بعد جن گیارہ جگہوں پر (۴+۷) مُسلمانوں کے خلاف مقدمہ باقی رہا ان کی تعداد دو سو کے قریب پہنچتی ہے۔ لیکن چار مقامات (۴) کے باقی ماندہ ہندو ماخوذین کی تعداد مشکل سے پچاس تک پہنچتی ہے۔ چار فی صدی آبادی اگر چو گنی لگا دیں موزم نہ بنائی جائے تو رام راج کیسے قائم ہوگا۔

تقابل یہ صرف ۳۹ء کے فسادات کا اجمالی نقشہ تھا۔ اس کے علاوہ مُسلمانوں پر انفرادی حملوں کی فہرست بڑی طویل ہے جو محکمہ قیام امن و امان کی بحث میں ہر مقام کے تحت تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اس میں بھی یہی صورت رہی کہ زیادہ تر مقامات میں ہندوؤں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ مُسلمانوں کے خلاف بہت ہی معمولی بہت پر بلکہ اکثر بلاوجہ سخت کارروائی کی گئی۔ اگر ہندوؤں کے خلاف مقدمہ چلا بھی تو اُسے یا کمزور کر دیا گیا یا اٹھایا گیا۔ مگر صرف مُسلمان موزم ہے تو طرفین کی رضامندی پر بھی مقدمہ اٹھایا گیا۔ تقابل کے لئے بطور نمونہ صرف ناگپور کے دو واقعات درج کئے جاتے ہیں۔ اس سے حکومت وقت کی نیت اور ذہنیت کا صحیح اندازہ ہو جائے گا۔

(۱) (۱) تسلی کیس :- مُسلمان لڑکے کا گلا گھونٹنے پر تعارض کرنے کے سلسلہ میں ہاتھ پائی ہوئی اور ایک ڈاکٹری سرفیکٹ کے مطابق ایک ہندو کے ہاتھ کی مسمیٰ پرچھری کی ضرب کا معمولی نشان پایا گیا۔ اٹھ مُسلمانوں کا

چالان کیا گیا۔ پولیس خود مدعی ہوئی۔ دوران مقدمہ طریقین نے مفاہمت کر لی اور جانبین کے دستخطوں سے مقدمہ اٹھالے جانے کی درخواست دی گئی۔ پولیس نے اس درخواست کی سخت مخالفت کی اور مقدمہ اٹھایا نہ گیا (بعد میں یہ ملزم عدالت سے بری ہو گئے)

(۲) راجہ بلخ سوار کیس :- ایک مسلمان پر لائیو اور کٹھالی سے قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ ہملک زخموں کے سبب اس کا انتقال ہو گیا۔ چند ہندو گرفتار کئے گئے لیکن تھوڑے دنوں بعد مقدمہ اٹھایا گیا۔

تمام مقدمات کا گمراہ جائزہ لینے سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ جن جن مقامات پر صرف ہندوؤں کے خلاف مقدمات اٹھائے گئے ہیں وہاں کے مقدمات میں دو باتوں میں سے دونوں کا یا ایک کا پایا جانا لازمی ہے۔

(۱) ملزم یا ملزمین کا نگریں میں کوئی عمدہ یا کچھ حیثیت رکھتے تھے۔

(۲) سنگین جرم کے مرتکب ہوئے تھے کہ اگر سزا ہوتی تو کسی پھنسی پاتے اور اکثر قید کے علاوہ مستقبل برباد ہو جاتا۔ اور جہاں دونوں فریق کے خلاف مقدمہ اٹھایا گیا وہاں یہ بات لازمی طور سے ملے گی کہ ہندو کے خلاف بمقابلہ مسلمانوں کے جرم کی نوعیت سنگین تر اور ثبوت مضبوط تر تھا۔

مسلم دشمنی | اس موضوع پر بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس وزارت کے عہد میں فرقہ دارانہ نوعیت رکھنے والے جتنے مقدمات اٹھائے گئے ہیں ان کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ صورت حال کا صحیح اندازہ ہو جائے۔

(نقشہ صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیے)

شماره	مقام	ذہن کو آئے مختصر بیان	الزام کی نوعیت کیسے تھی	کیفیت
(۱)	جنگی پور	سٹرو دار پور شاہ میر کا گولی دینا وزیر اعلیٰ کے اصرار پر نہ ہوا۔ نانا صاحب د۔	ان دونوں پر ایک مسلمان باغیوں کی روکی کے اخفا اور اس کو ساتھ ڈنبا باغیہ کا الزام تھا۔	حکومت نے پولیس کو اس مقدمہ میں زیر تحقیقات کرنے کا ہائیڈرک کچالان کرنے سے روک دیا۔ اور مقدمہ داخل نہ کر دیا۔
(۲)	جنگی پور	ہولی سنگھ صاحب کے مقدمات جملہ۔ اس میں بڑے موٹے کاموں کی مشور اور ایک وزیر کے بڑے بڑے باغی تھے۔ مقدمات دونوں فریق کے اٹھائے گئے	مسلمانوں پر ۱۳۲۱ اور ۱۳۲۲ کے جرم تھا۔ یعنی بڑا اور ضرب خفیف۔ ہندوؤں پر ۱۳۲۱ اور ۱۳۲۲ کے جرم تھا۔ یعنی قتل اور ضرب شدید اور بڑا۔	حکومت نے ہندو اٹھالیا۔ جب کہ ہندو مسلم دشمنی میں تھے تو۔ اٹھالیا گیا۔ دوران سب
(۳)	تیمند۔ کپور	باغی ہندو جن میں دستگیر کی گئی اسکول کے دو اسٹریٹنگ کاٹنے کے ذریعہ کرنے کے سلسلہ میں مسلمان کو زور و کوب و قوتوں کی بے قوتی اور انداز سائی کی گئی تھی۔	زیر دفعہ ۱۳۱۱ بڑا	

(۴)	دو دن کھڑا	روشن نگہ سرد مشائی کا کہیں کھڑی اندر چہ بند مسلمانوں کے گھر میں گھس گئے اور مار پیٹ کی اور ایک عورت کو بہرہ بھالا ہے۔	زیر دفعہ ۳۱۳ ایچ ا	دورانِ سماعت مٹا دیا گیا	(۴)
(۵)	نرسنگہ پور	پٹنٹ رام چندر شرما آریہ پرچارک انہوں نے درجنوں تقریریں کیں۔ مسلمانوں کو خوب گالیاں دییں۔ نرسنگہ پور تحصیل میں بے حد استغلاں پھیلا ان کی تقریروں کے بعد اس شخص میں مسلمانوں پر ایک آفت آگئی۔	زیر دفعہ ۳۱۵ ایچ ا منافرت پھیلانا	رہی انکار انہوں کے بعد اٹھا لیا گیا	(۵)
(۶)	بدان پور	مولوی غلام مصطفیٰ فرخ آبادی۔ صرف ایک تقریر کی تھی	زیر دفعہ ۳۱۶ ایچ ا منافرت پھیلانا	انکار معذرت کے بعد مٹا لیا گیا۔ یہ مقدمہ صرف چند عہ کے لئے دہر جواز کی غرض سے چلایا اور اٹھا گیا۔	(۶)

شماره	مقام	مؤمن کون تھے مختصر بیان	الزام کی نوعیت کیا تھی	کیفیت
(۷)	کشتی	لام داس اگر وال داس پریسٹنڈٹ بیٹن کیٹیڈ یڈریشہ راجی دل اد ر س دیو بندہ۔	ایک سالہ مسلمان نوجوان کے قتل کے الزام میں یہ لوگ گرفتار ہوئے تھے۔	خالدین پیش کے جلنے سے پہلے مقدمہ اٹھایا گیا۔
(۸)	راسے پور	۱۶ ہندو ادو گیا ر س مسلمانوں کے خلاف - ہولی کے موقعہ پر ملوہ - مسلمان زخمی ہوئے - آگ لگائی گئی - سالانہ ہوا گیا۔	زیر دفعہ ۱۴۱ ہنگامہ	فریقین کی مخالفت اور زور است پڑھایا گیا۔
(۹)	درگ	ایک کانگریسی ادارہ میں مذہب پر مسلمان مسلمانوں کو خوب کھایاں دینا اور تنگ کیا کرتا تھا۔	زیر دفعہ ۱۴۱ بالا ر وہ اقدام حاصل اور بد معاشی	دوران سماعت اٹھایا گیا
(۱۰)	چاندہ	ایک ہندو اور ایک مسلمان محمد علی کو عدالت سے چار چار ماہ کی سزا زیر دفعہ ۱۴۱ ہوئی ہندو مجرم کا بھائی شعلے کانگریس کمیٹی کا صدر تھا مسلمان ملزم کا بھائی بھی شعلے کانگریس کمیٹی کا سرکارن تھا۔	زیر دفعہ ۱۴۱	زیر عدالت نے پھر کشتن میں اصل کی سماعت ہو رہی تھی - دوسری کشت کے ذریعہ کاغذ سنگرائے - ہندو ملزم کی سزا سناٹ کر دی اور اپیلی کی

<p>ساعت اس کے متعلق دیکھ جانے کی ہدایت کی۔ شلمان لوہم کی اپیل کی سماعت کے لئے کاغذات واپس بھیج دیئے۔ راج نے عدالت اکھتہ کا فیصلہ بحال رکھا۔ اس لئے صرف شلمان لوہم کو جیل جانا پڑا۔</p>	<p>ایک شلمان محی الدین اٹنا دو کو کھانڈی سے زخمی کر کے مار دالنے کا الزام تھا</p>	<p>ڈوہا اور منہ ہندوؤں کے خلاف ڈوہا کے خلاف متعدد باز نکالیں چلیں کہ جو چکی تھیں۔ اس کا اس وقت سے پہلے ایک مرتبہ شیخ کلاب پر قاتلانہ حملہ کرنے میں حالات بھی ہوا۔ مگر سجن سے بری ہو گیا۔ بعض ہندو ہما سہما سے قتل کرنے والے بھی اس واقعہ سے متعلق تھے۔</p>	<p>ناگپور (۱۱)</p>
--	---	--	------------------------

گرفتاری کے بعد سے دونوں
جہاں گرفتار شدہ لوہمین کی
ضمانت پر پیش اور پھر مقدمہ
مکمل کیا گیا۔

اٹھائے گئے ہیں وہاں مسلمانوں کے اوپر اجتماع برائے بلوہ اور ضرب خفیف سے زیادہ سنگین الزام نہ تھا۔ مگر جن ہندوؤں کے خلاف مقدمہ اٹھایا گیا ہے وہ قتل زنا بالجبر۔ اغوار اور ضرب شدید جیسے سنگین جرموں کے ملزم تھے۔ اور کانگریسی تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہونسنگ آباد کی معصوم مسلمان لڑکی کے قاتل کی رہائی کو بھی مد نظر رکھا جائے۔ اور اس کے بعد اس واقعہ سے تقابل کیا جائے جو چاندور بسوا میں ہوا (جس کی تفصیل الگ درج ہے) جس میں ایک ہندو کے قتل کے عوض ۱۵ مسلمان گرفتار کئے گئے اور کئی سو روپیہ مہینہ بطور جرمانہ تعزیری ٹیکس کی شکل میں قصبہ کے مسلمانوں سے وصول کیا گیا۔ یہ تمام واقعات کانگریس کی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی کے خون سے لکھے ہوئے ثبوت ہیں جو کسی طرح مٹائے نہیں جھٹ سکتے۔

مسلم پریس کا قتل عام

کانگریسی حکومت کی ترکش سے جو تیر نکلا وہ صرف مسلمانوں کا سینہ پھلنی کرنے کے لئے نکلا۔ جب وزارت ہندو حکام کانگریسی اور مہاسہائی ملی بھگت کی نظم پالیسی کی بدولت صوبہ کے مسلمانوں کی زندگی ہر جگہ دشوار کر دی گئی اور صوبہ بھر میں فسادات انفرادی حملوں اور پولیس کے مقدمات (جن کے تمام ترشکار مسلمان ہی بنائے گئے) کی بھرمار ہو گئی تو کانگریسی وزارت نے مسلمانوں کی اجتماعی آواز یعنی مسلم پریس کو کچلنے کی ٹھان لی۔ کیونکہ اسی کے ذریعہ کم از کم مسلم دنیا کو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ ان کے بھائیوں پر دوسری جگہ کیا ستم ڈھائے جا رہے ہیں۔ آزادی تقریر و تحریر کے دعوے داروں نے مسلم پریس کا کٹا موبہ متوسط میں جس بے دردی کے ساتھ گھونٹا ہے وہ آپ اپنی مثال آپ۔ حکومت کی طرف سے ایک سرکاری بیان ۲۲ جون کو شائع کیا گیا جس میں باہمی اتحاد کے

ریکارڈانہ و غلط کے بعد یہ بتایا گیا کہ حکومت فرقہ وارانہ کشیدگی کے سدباب کے لئے سخت کارروائی کرنے پر مجبور ہو جائے گی اور اخباروں کو نصیحت کی گئی اور توقع ظاہر کی گئی کہ وہ آئندہ احتیاط رکھیں گے۔ اس بیان کے ساتھ ان ہدایات کی نقل بھی جو حکومت کی جانب سے اس سلسلہ میں حکام ضلع کو بھیجی گئی تھی۔ بغرض اطلاع عام شائع کر دی گئی۔ اس ہدایت نامہ میں حکام کو بتایا گیا تھا کہ پریس کے خلاف کس کس طرح سخت گیریاں کی جاسکتی ہیں اور یہ کہا گیا تھا کہ اگر آئندہ پریس فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے سے باز نہ آئیں تو ان کے خلاف ”ہنگامی قانون مطابع“ (PRESS EMERGENCY ACT) ”دفعہ اول فقرہ ایچ“ کے تحت کارروائی کی جائے (دفعہ ایچ فرقہ وارانہ منافرت سے متعلق ہے) اور اس قانون کے ذریعہ حکومت کسی اخبار یا مطبع سے بغیر مقدمہ چلائے ضمانت، طلب کر سکتی یا ضمانت سخت کر سکتی ہے)۔ اس اعلان میں دو باتیں بالکل واضح تھیں ایک تو یہ کہ اس قانون پر عمل درآمد ان مضامین کے سلسلہ میں ہوگا جو اس بیان کے بعد شائع ہوں اور قابل اعتراض سمجھے جائیں۔ دوسرے یہ کہ اس سخت گیری اور غیر معمولی ذریعہ قانون کا استعمال صرف فرقہ وارانہ منافرت انگیزی کے سلسلہ میں ہوگا۔

آئندہ معنی ماضی لیکن گاندھی جی صداقت کی پیروی کا حکومت کا اخلاق اور مسلم دشمنی ملاحظہ ہو کہ اس نے جن جن مسلم اخباروں یا مطابع سے اس قانون کے تحت ضمانتیں طلب کیں وہ ان مضامین کے سلسلہ میں کیں جو اس بیان کے شائع ہونے سے پہلے دو مہینہ پہلے شائع ہوئے تھے اور ان کے خلاف صرف فقرہ ”ایچ“ کے تحت کارروائی نہیں کی گئی بلکہ فقرہ ”بی“ اور ”ڈی“ کے تحت بھی جو حکومت کی پالیسی یا طرز عمل پر کتہ چینی کرنے اور حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے سے متعلق ہے۔ بلکہ بعض کے خلاف تو صرف فقرہ ”بی“ اور ”ڈی“ کے تحت کارروائی کی گئی۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلم پریس بہت غریب ہے۔ اور صوبہ متوسط کا مسلم پریس تو غریب کیا بلکہ مفلس ہے۔ وہ ضمانتیں کہاں سے

دے سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بند ہو کر رہ گیا۔

ہندو اخبارات مسلم آزادی کے لیے آزاد رہی
 جس طرح کانگریسی حکومت کا ہر طرز عمل بدترین قسم کی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی سے معمور ہوتا ہوا اسی طرح یہ نزلہ بھی صرف مسلم پریس پر گرا۔ ہندو خصوصاً کانگریس اخبارات ہر طرح کی منافرت انگیزی کے لیے آزاد چھوڑ دیئے گئے۔ ہندو اخباروں نے مسلمانوں کو جیسے جیسے گندے طریقہ پر برا بھلا لیا جس قدر کہ ایک حلقے مسلمانوں پر کئے ہیں مسلم اخباروں نے اس کا عشر عشر بھی نہیں کیا۔ فرقہ دارانہ نفرت پھیلانے اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز اور دل آزار مضامین شائع کرنے میں ”نوبھارت“ جس کے سرپرست مسٹر برج لال بیانی صدر براہمنہ بانی کانگریس کمیٹی ہیں اور ”لوکت“ جو کانگریسی وزارت کا غیر سرکاری ارگن تھا اور جس کے وجود میں آنے کی رسم افتتاح اس وقت کے وزیر پنڈت مصرانے کی تھی کا حصہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ پہلے کے مضامین سے قطع نظر اس سرکاری بیان بکھنے کے بعد بھی ان کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ شاید وزراء کو مسلمانوں کے لئے نئے نئے انداز ہائے ستم کی تیاری کے سبب ان اخبارات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی ہو اس لئے مسلمانوں نے جلسہ کر کے اور تجویزیں منظور کر کے حکومت کے پاس بھیجیں اور حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی مگر وہ کانگریسی ہی کیا جو مسلمانوں کی جائز اور معقول بات کی طرف توجہ کرے۔ ان ہندو وزیر پرست اخباروں کے حوصلہ اتنے بڑھے کہ انہوں نے صاف الفاظ میں مسلمانوں کے مذہب پر بھی حملہ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ”لوکت“ نے اپنی مہرجوالی کی اشاعت میں ”مسلم لیگیوں کا ننگا پن“ کے عنوان سے بہت ہی گندہ اڈیٹوریل لکھا اور حکومت کو مشورہ دیا کہ لیگ والوں کے ساتھ سختی کرو یہ بالکل سیدھے ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی شان میں یہ سچے استعمال کئے گئے:-

”نہ تو ان میں تیاگ ہی ہے نہ ان کا دھرم پو تو ہے“

یہ چیز بھی حکومت کے گوش گزار کی گئی مگر حکومت کے نزدیک تو صرف مسلمان مجرم ہندو کچھ بھی کرے۔ اُس کا راج تھا۔ اُس کی حکومت تھی۔ وہ کیسے مجرم ہو سکتا تھا
 ذیل میں اُن اخبارات کی فہرست دی جاتی ہے جن کا کلا کانگریسی حکومت نے ”آئندہ“ کو بہ معنی ”راضی“ استعمال کر کے ایک ایسے قانون کے ذریعہ گھوٹا جس پر وہ حکومت پانے سے پہلے شیطانی حکومت کا ہتھیار کہہ کر نفرت بھجوا کر تے تھے۔

کانگریسی تبلیغ جائے شہید مرنے والے اخبارات اور مطابع کی فہرست

رقم ضمانت

- (۱) ”سی۔ پی۔ ٹائمز“۔ جیلپور جو صوبہ متوسط و ہزار کے مسلمانوں کا واحد اخبار تھا ایک ہزار روپیہ نام
- (۲) ”نادرسی پریس“۔ جیلپور۔ جس میں سی۔ پی۔ ٹائمز چھپتا تھا۔ ایک ہزار روپیہ
- (۳) ”صدائے مسلم“۔ روزانہ جیلپور کی جان بالواسطہ گئی۔ کیونکہ یہ نادرسی پریس میں چھپتا تھا۔ اور نادرسی پریس سے ضمانت طلب ہو گئی تھی۔ اس ضمانت طلبی کے خوف سے کوئی دوسرا پریس چھاپنے پر راضی نہ ہوا۔ اس لئے یہ بند ہو گیا۔
- (۴) ”صدائے مسلم پریس“۔ جیلپور۔ نئے پریس کے لئے ڈکٹریشن دیا گیا تاکہ ”صدائے مسلم“ ایک ہزار روپیہ اس میں چھاپا جائے مگر ڈکٹریشن کے لئے ایک ہزار کی ضمانت طلب کی گئی۔
- (۵) ”جدوجہد“۔ ہفتہ وار ناگپور۔ اس نے اُس مقدمہ کے فیصلہ پر تنقید کی ایک ہزار روپیہ تھی جس میں ناگپور کے کئی ممتاز مسلم کارکن حکیم عبدالوہاب شیرازی

دوسرے کو سزا ہوئی تھی اور لکھا تھا کہ مقدمہ بناؤنی ہے۔ اسی
مضمون پر گرفت ہوئی تھی۔ اس اخبار کی تنقید صحیح سلی
سٹیشن نے ان مضمونوں کو یہ کہتے ہوئے بری کر دیا
کہ زیادتی ہندوؤں کی تھی۔ مگر اس اخبار کو سچ بات کہنے
کے صلہ میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔

(۶) ”تنویر پریس“ ناگپور۔ اس پریس میں ”جدوجہد“ چھپتا تھا۔ ضمانت طلبی ایک ہزار روپیہ
کے باعث یہ کاروبار سے بھی گیا اور بند ہو گیا۔

(۷) ”مسلم“ (ہفتہ میں دوبارہ) ناگپور۔ اس غریب نے بھی اسی مقدمہ ایک ہزار روپیہ
کے فیصلہ پر تنقید کی تھی جس کا ذکر ”جدوجہد“ کے سلسلہ
میں کیا جا چکا ہے اور اسے بھی حق گوئی کے صلہ کانگریسی
وزارت کے ہاتھوں شہید ہونا پڑا۔

(۸) ”نیشنل پریس“ ناگپور۔ اس پریس میں مسلم چھپتا تھا۔ ضمانت نہ دینے ایک ہزار روپیہ
کے باعث اسے بھی بند ہونا پڑا۔

ایک تیسرے دوڑسکار | یعنی مسلمانوں سے اکٹھے سات ہزار روپیہ کی رقم طلب کر لی۔
اس تیسرے کانگریسی وزیر نے دوڑسکار کئے۔ ایک تو

مسلمانوں کی آواز بالکل بند کر دی دوسرے ان تمام اخبارات کے عملوں اور مطبع کے غریب
کارکنوں کو اس بے روزگاری کے زمانہ میں ذریعہ معاش سے محروم کر دیا۔

سرکاری بیان جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ۲۲ جون کو شائع ہوا تھا جس میں آئینہ
کارروائی کرنے کی دھمکی تھی مگر جن مضامین پر گرفت کی گئی وہ حسب ذیل تاریخوں کے تھے۔

(۱) ”سی۔ پی ٹائمز“ ۳۰ اپریل ۱۹۳۹ء (۲) ”جدوجہد“ ۳۱ اپریل ۱۹۳۹ء

(۳) ”مسلم“ ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء و ۲۱ مئی ۱۹۳۹ء

سی۔ پی ٹائمز کے قابل اعتراض مضمون کا ترجمہ

یہ بتایا جا چکا ہے کہ جلد و جہد ”ادرسلم“ کو جس مقدمہ کے فیصلہ پر تنقید کرنے کے صلہ میں جان ہنی ٹری اُس مقدمہ کے مجرموں کو سسٹن نیج نے بے قصور ٹھہرایا اور جو رائے ان اخباروں نے قائم کی تھی کہ پولیس ہندوؤں کے ساتھ رعایت کرتی ہے اسی طرف سسٹن نیج نے بھی فیصلہ میں اشارہ کیا ہے کہ پولیس نے اس مقدمہ سے متعلقہ ہندو مجرمین کی گرفتاری میں حشیم پوشی سے کام لیا۔ سی۔ پی ٹائمز کے جس مضمون پر گرفت کی ہے چونکہ وہ بہت مختصر ہے اس لئے اُس کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

ہر اتوار کی صبح کو شائع ہونے والا ”دی سی۔ پی۔ ٹائمز“ اعزازی چیف ایڈیٹر:- تاج الدین

جلد نمبر ۱ | جلیپور۔ اتوار۔ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۳۷ء | نمبر ۵

جل پور ڈویژن میں تیرہ مہینہ کے اندر سات مسلمان قتل ہوئے۔ آج کوئی قاتل جیل میں نہیں ہے

کٹنی کا نوجوان شہید

تصویر
محکم پولیس
مرحوم

۴ مسلمان گزشتہ سال کی ہولی میں مارے گئے مگر مہینہ قاتل کا ٹکریسی وزارت کے حکم سے چھوڑ دیئے گئے۔
۱ محمد شفیع (۳۰ سال) کو اس سال ہولی میں چھرا گھونپ کر ہلاک کیا گیا۔ کوئی قاتل آج کی تاریخ تک گرفتار نہیں ہوا ہے۔

۱ محمد خنیف ساکن موضع پناگر حملہ کے ۹ دن بعد انتقال کر گیا جب پہلی مرتبہ واقعہ کی اطلاع پولیس کو دی گئی کوئی گرفتاری نہیں ہوئی۔

محکم پولیس عرف بابو (۷۱ سال)
دن جہمہ۔ بیرجمانہ اور قتل محلہ کا
تسکار۔ مہینہ قاتلوں کو گرفتار کیا گیا۔
مگر مقدمہ کو اٹھایا گیا

محکمہ امن و قانون

پُچھو رندی بھر چلی ترائی
جس تھورے ہو دھن کھل ترائی
(تلسی داس جی)

ترجمہ :- چھوٹی چھوٹی ندیاں اُنڈا اُنڈا کرتیزی کے ساتھ بہنے لگیں جیسے تھوڑے
دھن کے پا جانے سے دست یعنی چھوٹے آدمی گھنڈا کرنے لگتے ہیں۔

محکمہ امن قانون

یہی وہ محکمہ ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کو کچلنے اور ان کے دلوں میں احساس خوف و ناچاری پیدا کرنے کی خاص اور منظم کوشش کی گئی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس محکمہ نے جو براہ راست و غیرا عظم پٹہ استرومی شکرہ شکرہ کے ذریعہ نگین تھا حسب ذیل طریق کار اختیار کیا ہے۔

- (۱) مسلمان پر اگر ہندو نے زیادتی کی ہو تو اس کو نظر انداز کر دینا۔
- (۲) مسلمان کی رپورٹ درج ساخنہ نہ کرنا۔ اگر تحریری رپورٹ دی جائے تو اسے سرسری تحقیقات کے بعد داخل دفتر کر دینا۔
- (۳) رپورٹ کرنے والے مسلمان کو ڈانٹنا۔ ڈرانا۔ دھمکانا۔ اگر اس پر بھی نہ مانے تو اسے اسی کے خلاف مقدمہ قائم کر دینا۔ اور اس کی حمایت میں گواہی دینے والے کو بھی ملزم بنا دینا۔
- (۴) مسلمان قومی کارکنوں کے خلاف مقدمات کھڑے کرنا۔
- (۵) ہندوؤں کے جلوس پر کسی طرح کی پابندی نہ لگانا۔ بلکہ ان کی محافظت کا انتظام کرنا۔
- (۶) اگر ہندوؤں کی اشتعال انگیزی سے بلوہ ہو جائے تو یا تو صرف مسلمانوں کو ملزم ٹھہرایا دونوں فرقوں کو جس میں مسلمانوں کے اچھے اچھے کارکنوں کو پھانسنایا مگر ہندوؤں کے دو چار معمولی آدمیوں کا چالان کر دینا۔
- (۷) اگر کہیں اتفاق سے صرف ہندوؤں کے خلاف مقدمہ ہو گیا ہو تو چند رسمی

پیشیوں کے بعد اسے اٹھالینا۔

(۸) اگر کسی مقدمہ میں دونوں فریق ماخوذ ہوں اور دونوں مل کر مقدمہ اٹھانے

کی درخواست دیں تو مقدمہ اٹھالیں کیونکہ اصلی مجرم ہندو کا فائدہ ہوتا ہے۔

(۹) اگر ملزم صرف مسلمان ہوں اور مستغیث ہندو اور دونوں مل کر مقدمہ اٹھانے

کی درخواست دیں تب بھی مقدمہ نہ اٹھانا۔

(۱۰) ہندو غنڈوں کی ٹولیوں کو قانون اپنے ہاتھ میں لے کر مسلمان گھروں پر حملہ کرنے کے

لئے آزاد چھوڑ دینا رپورٹ کرنے پر بھی کوئی توجہ نہ کرنا۔ بلکہ اکثر مسلمان

ہی کو ملزم بنا دینا۔

(۱۱) اگر مسلمان کا قتل ہو تو یا تو مقدمہ اٹھالینا یا ثبوت کا فراہم نہ ہونا۔ لیکن اگر

ہندو کا قتل ہو تو گاؤں بھر کے مسلمانوں کا چالان کر دینا۔ مسلمانوں کے خلاف

دافر ثبوت کا فوراً فراہم ہو جانا۔

(۱۲) ہندوؤں کو اس کی آزادی دینا کہ وہ اس شک پر کہ فلاں گھر میں ہندو یا

نومسلمہ عورت ہی گھر میں گھس کر عورت کو جبراً اٹھالے جائیں۔ ان سے باز پرس

نہ کرنا۔

(۱۳) ہندوؤں کو اس کی آزادی دینا کہ وہ گاؤں کشی کے جرم میں مفروضہ مجرم مسلمان

کے گھر میں حملہ کر کے اُس کو زکوٰۃ سب کریں۔ ہر طرح کی ایذا پہنچائیں۔ عورتوں

کی بے غرتی کریں۔ ان سے کوئی باز پرس نہ کرنا۔

(۱۴) مسلمان اور ہندو ملزمین کے ساتھ امتیازی سلوک کر کے ہندو مجرم کی تہمت افزائی

کرنا اور مسلمان کو ذلیل کرنے کی کوشش کرنا۔

(۱۵) اگر کہیں اتفاق سے مسلمان کو قتل کرنے کے جرم میں ہندو کو عدالت سے سزا

ہو جائے تو وزیر اعلیٰ اسے رہا کر دینا۔

(۱۶) ہندو اگر کسی پولیس افسر کے خلاف شکایت کرے تو اُسے فوراً تبدیل کر دینا یا اُس کے خلاف کارروائی کرنا لیکن مسلمان کسی پولیس افسر کے خلاف ہزار چٹھے چلائے ایک نہ سنتا تا کہ وہ اور دلیری کے ساتھ مسلمانوں کو تاشکے۔
(۱۷) ہندو کی رپورٹ پر مسلمانوں کے خلاف فوراً اور سخت کارروائی کرنا۔

یہ طریق کار کسی ایک جگہ کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ شاید ہی کوئی ضلع ہوگا جہاں اس پر عمل درآمد نہ کیا گیا ہو۔ فرق صرف اتنا ہو کہ کہیں کم اور کہیں زیادہ۔ اُن واقعات میں سے جو اس سلسلہ میں مسلمانوں کی جان و مال و آبرو کی تباہی کا باعث ہوئے ہر ضلع کے چناؤات بطور ثبوت درج ذیل کئے جاتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ”اہمسا اور سچائی“ کی حکومت کس نوعیت کی تھی۔ واقعات صرف وہ لئے کئے ہیں جو بالکل مصدقہ ہیں اور ان سے ثابت ہو جائے گا کہ مسلمانوں کو کچلنے کے لئے محکمہ دشت کے طریق کار کے جو سترہ عنوانات قائم کئے گئے ہیں وہ صرف صحیح نہیں بلکہ کم ہیں۔

نرِ بداد و زین

۱۔ ضلع ہوشنگ آباد

(۱) ہوشنگ آباد زہر خورانی کا مشہور واقعہ

۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے کہ ایک ہندو جوان لڑکی لاپتہ ہو گئی۔ چند ہندو سوراؤں کو یہ شک ہو کہ مقامی مسلمان مالگڈار کا لڑکا اُسے کہیں پھپھائے ہوئے ہے۔ اس لڑکے سے انتقام لینے کی یہ تدبیر سوچی گئی کہ اسے ختم کر دیا جائے۔ یہ لڑکا اپنی کم عمر چھٹی بہن کے ساتھ اکثر سینما دیکھنے

اتما تھا اور وہاں جو ہندو پان والا تھا اُس سے پان خرید کر کھایا کرتا تھا۔ کبھی کبھی اپنی بہن سے منگوایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس ہندو پان والے نے جو سازش میں شریک تھا سنکھیا فراہم کیا۔ اور وقت کا منتظر رہا۔ ایک روز اتفاق سے اس لڑکے نے اپنی بہن کو سیلنا کے اندر سے بھیجا کہ پان لے آ۔ پان والے نے لڑکی کو دو پان دیئے ایک بڑا ایک چھوٹا اور خوب تاکید کی کہ چھوٹا خود کھالیں بنا اور بڑا پان اپنے بھائی کو دینا (کیونکہ اس میں سنکھیا ملا دیا گیا تھا) لڑکی پھر لڑکی ہی تھی اُس نے بڑا پان خود کھالیا اور چھوٹا بھائی کو دے دیا۔ پان کھانے کے بعد ہی اس کی حالت خیر ہوئی مثنوی شروع ہوئی اور چند گھنٹوں کے بعد یہ مصدوم ملک عدم کو سدھا گئی۔ پان والا ماخوذ ہوا اور مقدمہ چلا۔ شہر کے بڑے بڑے کانگریسیوں نے اس کی پیروی میں حصہ لیا۔ اچھے اچھے وکیل ایک معمولی پان والے کی طرف سے صفائی میں پیش ہوئے۔ عدالت نے ثبوت کافی پاتے ہوئے موت کی سزا دی۔ ہائیکورٹ میں اپیل کی گئی وہاں سے بھی سزائے موت بحال رہی لیکن فیصلہ کے چند دنوں بعد ہی صوبہ کے وزیر عدالت مسٹر ڈی۔ کے ہتھانے عدالت عالیہ کے فیصلہ پر خط تیشخ کھینچ کر اسے باکل رہا کر دیا۔ اور آجی میں اس امر پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ”اگر میں ایسا نہ کرتا تو انصاف کا خون ہوتا“ اس مختصر رپورٹ میں ان سارے ثبوتوں اور شہادتوں کو پیش کرنا ناممکن ہے جو اس مقدمہ میں مندرجہ عمل ہوئے ہیں۔ لیکن یہ دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مسل پر ثبوت اشناکمل اور مستحکم تھا کہ کوئی غیر جانب دار شخص اُس فیصلہ کے سوا جو عدالت ماتحت اور عدالت عالیہ نے دیا کسی دوسرے فیصلہ پر پہنچ ہی نہیں سکتا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس پان والے کو بے داغ چھوڑ دینے کا واقعہ مسٹر ٹرلہیٹ کو وزارت سے نکالے جانے کے بعد ہوا ہے۔ یعنی مسلمان وزیر نے عدالت کے فیصلے سے بلا اختلاف کئے ہوئے دیگر حالات کی بنا پر ایک مسلمان لبرزم کی سزائیں جسے فاحشہ عورت کے ساتھ جبریہ زنا کرنے کے جرم میں سزا ہوئی تھی صرف دو سال کی تخفیف کر دی، تو

ملک بھر میں ایک شور مچا۔ تحقیقاتی کمیشن مقرر ہوا اور صرف ”قوت فیصلہ کی غلطی“ کا مجرم قرار دیے جانے پر بھی وزارت کو خیر باد کہنا پڑا۔ لیکن ہندو وزیر نے عدالت عالیہ کے فیصلہ کو غلط ٹھہراتے ہوئے سزائے موت کیس قلم منسوخ کر دی تو قوت فیصلہ کی غلطی کا بھی گمان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ محض امر اتفاقی تھا کہ جو مشہور وکیل - ہندو پان والے کی وکالت کرتے رہے وہ وزیر عدالت کے گہرے دوست اور اُن کے ساتھ کے پڑے ہوئے تھے اور مقامی کانگریسی حضرات کو ملزم کے ساتھ ہمدردی تھی۔ یہ بھی محض اتفاقی امر تھا کہ مسٹر شریف نے جن مقدمہ میں دخل دیا اُس میں متعلقہ عورت ہندو تھی اور ملزم مسلمان تھا اور مسٹر شریف نے جن مقدمہ میں عدالت کے فیصلہ پر خط تفتیح پھیرا اُس میں متعلقہ لڑکی مسلمان تھی اور ملزم ہندو!

فاحشہ ہندو لڑکی کے ساتھ زنا کرنے والے مسلمان ملزم کی سزا میں تخفیف بھی گوارا نہیں ہو سکتی لیکن معصوم مسلمان لڑکی کو جان سے مار ڈالنے والے ہندو کو بے داغ رہا نہ کرنے سے ”الضام کا خون“ ہوتا ہے! یہ ایک ادنیٰ مثال کانگریسی الضام کی ہے۔ جب ہائی کمانڈ اور وزیر ار کی ذہنیت کا یہ حال ہے تو ماتحتوں کی ذہنیت کا کیا عالم ہوگا۔ اندازہ کر لیجئے۔

(۲) نرسنگہ پور:-

(۱) ۱۹۳۷ء میں ایک مسلمان شیخ غفور (جن کا اب انتقال ہو چکا ہے) کی عورت کا اغوا کیا گیا اس نے پولیس میں اطلاع دی اور چند آدمیوں کے نام بھی بتائے جن پر شبہ تھا مگر پولیس نے مشتبہین کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی اور اُس عورت کا آج تک پتہ نہیں چلا۔

(۲) برخلاف اس واقعہ کے اسی ۱۹۳۷ء کے ماہ نومبر میں پریم نرن نامی ہندو کارکن کے اشارے سے مانگ قوم (بھیک مانگنے والا فرقہ) کی ایک فاحشہ ہندو عورت کے

بیان پر ہندو سب ان پکڑنے مسلمانوں کو جن میں ایک ضعیف معزز شہری مرزا اسد اللہ بیگ اور ان کی نو مسلمہ بیوی بھی تھیں اغوا کے مقدمہ میں چالان کر ڈالا۔ مرزا اسد اللہ بیگ کے پاس یہ نو مسلمہ تقریباً گزشتہ سولہ سال سے ہے۔ اس مقدمہ میں اس غریب بڑے کے کسی سو روپیہ خرچ ہوئے کیونکہ متغیثہ عورت کا سپید انکشی ٹریفیکٹ بھوپال سے منگوانا پڑا۔ اور اس کے باپ اور دیگر گواہوں کو کسی پیشیوں پر بھوپال سے لانا پڑا۔ باپ نے خود بیان میں کہا کہ لڑکی آوارہ ہو گئی ہے اور سولہ سال سے زائد عمر کی ہے۔ اس لڑکی سے نہ صرف ان ملزمین کے خلاف بلکہ ایک معزز مسلمان افسر کے خلاف بیان دلایا گیا۔ اگر لڑکی کا سپید انکشی ٹریفیکٹ نہ ملتا اور اس کا باپ بیچ بولنے پر راضی نہ ہو جاتا تو ان افسر کا بھی شاید وہی حشر ہوتا جو ظفر حسین کا ہوا۔ جب تک یہ مقدمہ چلتا رہا (تقریباً ۸ ماہ) لڑکی کو پریم نائن ہی کے قبضہ میں رہنے دیا گیا۔ لڑکی کے باپ نے افسران بالا کو درخواست دی کہ لڑکی اس کے حوالے کر دی جائے اور یہ سنگین الزام لگایا کہ آریہ سماجیوں کے قبضہ میں رکھے جانے کے دوران میں وہ حاملہ ہو گئی ہے۔ لیکن اس سنگین الزام کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی اور اس دورے کہ شاید مزید کارروائی نہ ہو جائے لڑکی دودھو آشرم لاہور چلا کر دیا گیا۔ عدالت نے ان ملزمین کو جلائی ۹۳۸ء میں بری کر دیا کہ ثبوت اغوا یا کم عمری کا نہیں ہے اور لڑکی فحشہ ہے اور جھوٹ بولتی ہے۔

(۳۷) محرم کے موقع پر محمد نامی لڑکھیر اپنی عورت کے ساتھ جو ذات کی ہندو تھی پاس کے گاؤں سے محرم دیکھنے کے لئے نرسنگہ پور آیا (اداکل پانچ ستمبر ۱۹۳۸ء میں) دونوں نے دھرم شالہ میں قیام کیا۔ آریہ سماجیوں نے پہلے تو عورت پر دباؤ ڈالا کہ وہ محمد کا ساتھ چھوڑ دے۔ اور اس کو ہر طرح ہکاتے اور دھمکاتے رہے۔ محمد یہ دیکھ کر محرم ختم ہوتے ہی، دھرم شالہ چھوڑ کر چلا گیا۔ جب آریوں نے یہ دیکھا کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا تو اراوچ کو ایک ہندو رام کمر شتا پجاری کی طرف سے مجسٹریٹ فرسٹ کلاس

کی عدالت میں درخواست دلوادی کہ دھرم شالہ میں یہ عورت اُس سے ملی تھی (الف) وہ رو رہی تھی (ب) ”اس نے پناہ مانگی“ (ج) ”اُس نے کہا کہ یہ مسلمان مجھ کو خراب کرے گا مجھے بچاؤ۔“ (د) یہ بھی کہا کہ ”یہ مسلمان مجھے بھگا لیا ہے۔“ اور عدالت پر اثر ڈالنے کے لئے درخواست میں یہ بھی لکھوایا گیا کہ ”اسی طرح ایک لڑکی کو حراست پہچانیں رکھنے کے بعد اُس کے راضی نہ ہونے پر قتل کیا جا چکا ہے اس لئے اگر فوری کارروائی نہ کی گئی تو عجب نہیں کہ اس لڑکی کا بھی وہی حشر ہو۔“ (حالانکہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا)

عدالت نے وارنٹ جاری کر دیئے اور دوسرے روز محمد زنگریز اور اُس کی ہندو عورت کشاں کشاں عدالت میں حاضر کر دیئے گئے۔ عدالت میں عورت نے بیان دیا کہ نو سال ہوئے اُس کا شوہر اُسے چھوڑ چکا ہے اُس کی عمر ۲۸ سال کی ہے وہ دو سال سے محمد کے ساتھ رہتی ہے اور اُسی کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ اسے گڑھا کوٹہ ضلع ساگر کاہر شیفن جاتا ہے کہ وہ ایک عرصے سے محمد کے ساتھ رہے ہیں محمد زنگریز نے بھی اسی طرح کا بیان دیا۔ مسٹر وراما مجٹریٹ کی اس پرستلی نہ ہوئی اور انہوں نے گڑھا کوٹہ کی پولیس سے تصدیقی رپورٹ آنے تک فیصلہ ملتوی رکھا اور پیشی کے لئے ۲۵ مارچ کی تاریخ دی۔ ۲۵ مارچ کے آمدنیٹ کی نقل حسب ذیل ہے:-

۳۸۲ محمد عورت کے ساتھ حاضر ہے۔ پولیس یا کسی اور کی طرف سے

کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کا بیان درست

ہے۔ اس لئے اُسے جہاں چاہے جانے کی اجازت ہے۔ مقدمہ

داخل دفتر کر دیا جائے۔“

دستخط۔ ایس، ایل، وراما۔ مجٹریٹ فرسٹ کلاس

اس طرح پندرہ روز کی پریشانی کے بعد ان دونوں کی جان چھٹی۔ مگر مجٹریٹ یا پولیس نے اُس سچاوی سے جس نے صریحاً بھوٹی درخواست عدالت کو دی اور مفت میں وارنٹ کے ذریعہ ان کو گرفتار کر لیا کوئی باز پرس نہ کی۔ اگر عورت ترغیب یا تھولیت سے

سے متاثر ہو جاتی تو بچا جسے رنگریز کا حشر مبرا ہوتا۔

(۴) ۱۹۳۸ء میں محرم کے موقع پر ہندوؤں نے فساد کرنے کی پوری کوشش کی۔ حشرہ سے دو روز پہلے بعض دیواروں پر ہاتھ سے لکھے ہوئے اشتہار چسپاں پائے گئے جس میں یہ بھی درج تھا:-

”ربھارت ماتا مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے جو کوئی ان کے خون سے ہاتھ رنگے گا وہ سیدھا سوگ جائے گا۔“

یہی موقع ہے.....

یہ اشتہارات پولیس کے حوالے کر دیئے گئے۔ نویں محرم کو تعزیوں پر پتھر پھینکے گئے ایک مسلمان عورت برسی طرح زخمی ہوئی مگر مسلمانوں کے ضبط اور امن پسندی نے معاملہ کو آگے بڑھنے نہ دیا۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے پولیس نے صرف یہ کیا کہ ۱۰ ار محرم کو پیم نرائن نامی آریہ کارکن کو جس کا تذکرہ اوپر آچکا ہے اور ایک اور ہندو کو ناکے پر بٹھائے رکھا۔ کسی شہر انگیزی کرنے والے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ اشتہار میں ”یہی موقع ہے“ کا لفظ قابل غور ہے۔ اشتہار لکھنے والے کا پتہ پولیس نہ چلا سکی!!

(۵) جب ہندوؤں کو کئی بار بلوہ کرنے میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے جلوس نکالنے کا ایک سلسلہ باندھ ڈالا اور روزانہ ایک جلوس ”رام دھن“ کے نام سے نکالنے لگے۔ پولیس نے آزادی کے ساتھ اس کی اجازت دے دی۔ نام سے یہ تو جلوس نہ ہی ظاہر ہوتا ہے مگر اس کے پردے میں ہر طرح کی اشتعال انگیزی کی گئی۔ مسلمانوں کے خلاف جتنے غرے ہو سکتے تھے اس جلوس کے شرکا، لگاتار تھے مگر کوئی بڑا کئے والا نہ تھا۔ نہ سنگھ پور میں رواج قائم یہ ہو کہ باجہ نماز کے وقت مسجد کے سامنے نہیں بجایا جاسکتا۔ مگر اس جلوس کے ذریعہ متعدد بار اس کی خلاف ورزی کی گئی۔ پولیس میں کئی بار رپورٹ کی گئی مگر پولیس نے کوئی کارروائی نہ کی۔ اس جلوس کے شرکا رعمو نا ہتھیار بن جاتے تھے جس دُشمنانوں

کا جلوس نکلنے والا ہوتا تھا اس ”رام دھن“ کے جلوس میں شرکار کی نقدا وغیر معمولی طور پر زیادہ ہو جاتی تھی۔ محرم ۱۹۳۹ء میں صرف مسلمانوں کے ضبط اور امن پسندی سے بلوہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ دل آزار غرے لگانے والوں اور نماز کے وقت باجہ بجانے والوں سے پولیس نے کبھی کوئی باز پرس نہ کی۔ البتہ مسلمانوں کو براہِ تہیہ کر دی جاتی تھی۔

(۶) ہندو لیڈروں نے جب یہ دیکھا کہ اُن کی کوششوں سے فتنہ و فساد کی آگ پورے طور پر نہیں بھڑکی تو اُنہوں نے ایک آریہ سماج پرچارک پنڈت رام چندر شرما کو بلو بھیجا۔ ان کے آنے سے مقصد پورا ہو گیا۔ انہوں نے ساری تحصیل میں اپنی شرابا تقریروں سے وہ آگ لگائی کہ کئی مہینوں تک اس علاقہ میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ رہا۔ ان کی آؤ بھگت، قیام و طعام کی آسائش اور جلوس و جلسہ کے انتظامات میں ہر جگہ مقامی کانگریسی لیڈروں نے دل کھول کر حصہ لیا۔ ان کی تقریروں نے کیا گُل کھلائے اس کی تفصیل ہر مقام کے ساتھ آگے آئے گی۔ اس جگہ صرف یہ بتانا ہی کہ انہیں اس طرح نہر بھیلانے کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا۔ اگرچہ مسلمان برابر احتجاج کرتے رہے اور پولیس اور حکام کو اطلاع دیتے رہے۔ ان کی تقریروں کے چند جملے بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

(۱) ”مسلمان کتے ہیں۔ جیسے کتا گوشت کھاتا ہے یہ بھی کھاتے ہیں۔“

(۲) ”ایک مسلمان زندگی بھر میں بارہ گائے کھاتا ہے ایک مسلمان کی کمی سے

بارہ گائوں کی جان بچتی ہے۔“

(۳) ”ہندوستان ہندوؤں کا ہے جو ہے ہندو بن کر رہے ورنہ عرب چلا جائے

جو نہ مانے اُسے نکال دو۔“

”انہیں قبیل“

جب یہ اپنا مشن پورا کر کے نرسنگہ پور سے روانہ ہو گئے تو حکومت کو ہوش آیا اور

ان کے خلاف دفعہ ۳۷۱ (الف) تفریات ہند مقدمہ چلایا گیا۔ یہ اکولہ سے گرفتار کر کے

نرسنگہ پور لائے گئے مگر پورے اعزاز کے ساتھ ملزم کی طرح نہیں۔ رائے صاحب بالاپر شاہ پوری جو کانگریس ٹکٹ پر نرسنگہ پور سینو پیل بورڈ کے چیرمین ہیں ان کے میزبان بنے۔ ان کی ضمانت مقامی کانگریسی لیڈروں نے دی۔ نرسنگہ پور اور مضامات میں ان کی گرفتاری پر مکمل ہڑتال ہوئی۔ تمام کانگریسی دکان داروں نے بھی دوکانیں بند کیں۔ ضمانت کے ساتھ شرط یہ تھی کہ یہ تقریر نہ کریں گے مگر ننگہ پور ہر وقت دوڑھائی سو کا مجمع رہتا اور دیا کھان جاری رہتا۔ پولیس کو اعتراض نہ تھا۔ انہوں نے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ کسی بڑے بڑے کانگریسی وزیر اعظم کے پاس دوڑے آئے اور یہ طے ہو گیا کہ رسمی ”اٹھارہ فوس“ کر دیں۔ انہوں نے ایک لمبا بیان دیا جس میں طرز عمل کو سراہا اور حق بجانب بتایا البتہ ”غلط فہمی پر اٹھارہ فوس“ بھی کر دیا اور مقدمہ اٹھایا گیا۔ ان کا ہاتھی پر جلوس نکالا گیا۔ جس میں تقریباً تمام کانگریسی لیڈر۔ سینو پیل کانگریسی پارٹی کے چیرمین اور مقامی ممبر اسمبلی شریک ہوئے۔ رہا ہونے کے بعد بھی نصف رجن مقامات پر انہوں نے ویسی ہی زہریلی تقریریں کیں مگر کون تھا جو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا۔

(۷) ۲۹ مارچ ۱۹۳۹ء نرسنگہ پور میں رام نومی کا ہتوار غیر معمولی دھوم دھام سے منایا گیا۔ دو دراز کے دیہاتوں سے آدمی بلائے گئے۔ جوش میں بھرے ہوئے مسلح ہندوؤں کے جلوس نے شہر میں گشت لگایا اور مسجدوں اور مسلمانوں کے مکانات کے سامنے جی بھر کر دل آزار نعرے لگائے۔ کچھ پولیس کے انتظام کچھ مسلمانوں کے صبر و ضبط کے سبب بلوہ نہ ہو سکا۔ اس ناکامی کو دیکھتے ہوئے ۴ اپریل کو ایک نیا جلوس ”جوہرا“ کے جلوس کے نام سے نکالا گیا اور عدا مغرب کی نماز کے وقت مسجد کے سامنے پہنچایا گیا۔ نعرے غیر معمولی شور کے ساتھ لگائے گئے۔ باجے والوں نے اپنی عادت کے مطابق باجہ بند کر دیا لیکن پریم نرائن اور مول سنگھ ہندو کارکنوں نے باجے والوں کو سخت سست کہا اور ان سے ڈھول چھین کر خود زور زور سے پیٹنے لگے۔ اس وقت بھی مسلمانوں نے انتہائی اشتعال کے

صبر و سکون سے کام لیا۔ اس جلوس کی واپسی کا ایسا پروگرام بنایا کہ ٹھیک عشاء کی نماز کے وقت مسجد کے پاس پہنچا اور مسجد کے سامنے پولیس کی حفاظت میں بہت دیر تک کھڑا رہا۔ باجہ بجاتا رہا اور دل آزاد اور اشتعال انگیز نعرے لگتے رہے۔ مسلمان لیڈروں نے مسلمانوں کو قابو میں رکھا۔ ان تمام حرکتوں کی اطلاع افسروں کو دی گئی۔ لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

(۸) دل آزاد نعرے لگانے اور خلاف دستور مسجد کے سامنے باجہ بجانے پر کسی قسم کی گرفت نہ ہونے سے ہندوؤں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور اب ایک تدم انہوں نے آگے بڑھایا۔ اب اتھائی دل آزاد نظمیں اور گیت جلوس کے ساتھ علانیہ گائے جانے لگے۔ چنانچہ شیپور اتھائی کے جلوس کے موقع پر، سوامی دیانند کا جنم دن منانے کے موقع پر اور حیدر آباد کی سٹیہ گروہ کی حمایت کے جلوس کے موقع پر ایسی نظمیں نربازا پڑھی گئیں۔ بعض ٹکڑے ملاحظہ ہوں :-

چل چکے بہت اب گھوڑے ہند میں اسلام کے
اب تو اس کو ہر بشر جو توں سے ٹھکرانے کو ہے
اب قرآن کا پارسل سید ہا عرب جانے کو ہے
(نور ذبائش)

بال تک بیک آریوں کا ہو سکتا نہیں
ایک حیدر آباد کیا کل اسلام مٹ جانے کو ہے
اب قرآن کا پارسل سید ہا عرب جانے کو ہے
(نور ذبائش)

پولیس یہ سب دیکھتی رہی مگر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی وہ تو اس تاک میں تھی کہ مسلمان ذرا الجھیں اور انہیں قانونی شکنجے میں کس لیا جائے۔

(۹) ۱۹۳۹ء میں ہلم کے جلوس پر تقریباً ۸ بجے شب کو گاندھی چوک کے قریب سیٹھ چھوگ مل کے مکان سے سوڈا واٹر کی بوتلیں پھینکی گئیں۔ اس جلوس کے ساتھ پولیس جو تھی کئی آدمی زخمی ہوئے، پولیس کو بتایا گیا مگر حسب متوہ کسی کے خفا کارروائی نہیں کی گئی۔

جبے جلوس ایک بند محلے سے گزرا تو اس کے پتھروں کی بارش ہوئی۔ اے۔ ڈی۔ ایس۔ پی کی آنکھوں کے سامنے ایک شخص پتھر پھینکتے ہوئے پکڑا گیا مگر اس معاملہ کو بھی حسب دستور گارڈ خورڈ کر دیا گیا۔ مسلمان لیڈروں نے بڑی دانشمندی سے کام لیا اور مسلمانوں نے بڑے تحمل سے کیونکہ واقعات کی رفتار سے وہ سمجھ رہے تھے کہ ذرا بھی موقع ملا تو پولیس اُن کے سر آنت ڈھادے گی۔

(۱۰) ۹۳۹ء کے گرامیں ایک روز ایک بھنگن اپنے گھر میں موجود نہ ملی۔ بھنگیوں میں اس کا چرچا ہوا ہندو کارکنوں کو بھی خبر پہنچی۔ پھر کیا تھا۔ محض شک کی بنا پر ہندوؤں کی کثیر جماعت نے جن کی رہبری اور شہرت پناہی مقامی ہندو اور کانگریسی لیڈر کر رہے تھے ایک مسلمان کے ہومل کو گھیر لیا۔ اس کو دروازہ بند کر دینا پڑا۔ یہ لوگ رات بھر ہومل کو گھیرے رہے کہ عورت بھگنا نہ دی جائے۔ اور خوب گالیاں بکتے رہے۔ پولیس نے ہتھکڑیاں اور ان کے رہبروں سے جو مجمع خلاف قانون بنا کے ہوئے تھے کوئی تعارض نہ کیا اور چونکہ تحقیق کے ساتھ پولیس کو اطلاع تھی کہ عورت اس مکان میں نہیں ہے اس لئے تلاشی بھی نہ لی گئی کہ معاملہ رفع دفع ہو جاتا۔ صبح کے وقت یہی عورت نرسنگہ پور اسٹیشن پر ٹرین سے اترتی ہوئی ملی۔ اُسے سیدھے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بمنگلہ پریسیجا گیا جہاں اُس نے بیان دیا کہ وہ اپنے ایک رشتہ دار سے ملنے کو ملی چلی گئی تھی اور اب واپس آ رہی ہے۔ کسی مسلمان کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ تب جا کر خدا خدا کر کے ہومل پر سے محاصرہ اٹھا اور ہومل والے اور دیگر مکینوں کی نجات ہوئی۔ پولیس نے ہومل گھیرنے والوں اور نقص امن کرنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

(۱۱) گورنمنٹ ہائی اسکول نرسنگہ پور کا ایک ٹیچر مٹر جین ہندو لڑکوں میں مسلمانوں کے خلاف خوب جذبات غماد و نفرت پھیلائے کا عادی تھا۔ چند مسلمان لڑکے ایک خاص طرح کی ٹوپی پہنا کرتے تھے جس کا نام جناح کیپ مشہور ہو گیا تھا۔ اس ماسٹر کے

استعمال دلائے پر ہندو لڑکوں نے مسلمان لڑکوں سے کہا کہ وہ یہ ٹوپی نہ پہنا کر مسلمان لڑکوں کے انکار کرنے پر اس ماسٹر اور متعلد ہندو لڑکوں نے مسلمان لڑکوں کو سبق دینے کا فیصلہ کیا۔ دوسرے روز یہ لڑکے لڑکیاں لے کر آئے جو کلاس میں رکھی گئیں۔ ہیڈ ماسٹر کو اطلاع ہوئی اُس نے لڑکیاں ضبط کیں۔ ایک غلط فہمی پیدا ہو گیا۔ صورت حال خطرناک دیکھ کر پولیس بلوائی گئی۔ پولیس کی موجودگی اور بعض دوسرے لوگوں کے بیچ میں پڑنے سے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ پولیس نے کافی شہادت ہونے کے باوجود ماسٹر کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ البتہ محکمہ تعلیم نے بعد تحقیقات اس ماسٹر کو برخاست کر دیا۔ لیکن مقامی کانگریسیوں کی سفارش کے کر یہ وزارت تک پہنچا اور وہاں سے فوراً ایک دوسرے محکمہ میں ایک دوسری جگہ اس کا تقرر کر دیا گیا۔ اس شخص کے خلاف پولیس میں متعارف درپور ہیں۔ اس سے باز پرس تو کیا ہوتی اُسے محکمہ تعلیم کے احکام کے علی الرغم وزارت نے اسے سرکاری ملازمت سے نوازا! جس مسلمان ماسٹر نے اس سازش اور لائیو کی فراہمی کی اطلاع ہیڈ ماسٹر اور انڈین بالاکو دی تھی اُس کا چند ہی دنوں کے بعد نرسنگہ پور سے تبادلہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ سب پر تبادلہ کی یہ وجہ کے بتائی جاسکتی ہے۔

(۳) تیندور کھیرہ (تحصیل نرسنگہ پور)

ایک دلگداز واقعہ

پنڈت رام چندر شترما آریہ پرچارک واپریل ۱۹۳۹ء کو اس موضع میں آئے۔ ایک مقامی کانگریسی لیڈر سیٹھ کشوری لال پالیوال کے زیر صدارت ہندوؤں کا بہت بڑا جلسہ ہوا۔ پنڈت جی نے گورکھنا پر بہت زور دیا اور کہا کہ گائے کے دشمنوں سے ہمیں دشمنی رکھنی چاہئے اور بدلہ لینا چاہئے۔ اس موضع میں مسلمان انجلیوں پر گئے جاسکتے ہیں۔ یہیں

ایک گھربا دالشد نامی قصاب کا بھی ہے۔ اس کا خاندان عرصہ پچاس سال سے اس موضع میں اپنے گھر کے اندر گاؤں کشی کرتا چلا آتا تھا۔ چونکہ اطراف میں اور خود قصبہ میں مسلم آبادی بہت کم ہے اس لئے یہ جانوروں کو گوشت بیچنے کی غرض سے بہت کم ذبح کیا کرتا تھا۔ بلکہ عموماً ضعیف اور ناکارہ جانور خرید کر صرف چمڑا کام میں لاتا تھا اور گوشت چیل کوؤں کو کھلا دیا کرتا تھا۔ پنڈت جی کے دیا کھان نے ہندوؤں کو جو پہلے ہی سے شیر ہو چکے تھے اور مشتعل کر دیا۔ یہ موقع کے منتظر رہے۔ اتفاق سے ۱۶ اپریل کو بادالشد نے اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر حسب دستور ایک ناکارہ جانور ذبح کیا۔ کہیں اس کی خبر ہندو سرداروں کو لگ گئی۔ واضح رہے کہ اس کا مکان بستی کے کنارے پر ہے جہاں چند گھراچھوتوں کے ہیں۔ خبر ملتے ہی ہندی اسکول کے ہیڈ ماسٹر دوسرے ٹیچر اور مقامی نیتاؤں کی سرکردگی میں چار سو ہندوؤں کے مسلح جمع نے اس کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ بادالشد یہ دیکھ کر جنگل کی طرف بھاگا۔ ہندو بہادر مکان کے اندر گھس گئے۔ اس کی بیوی اور دونوں لڑکیوں کو باہر نکال لائے۔ لڑکیوں کے کپڑے پھاڑ ڈالے گئے اور برہنہ کر دی گئیں اور ان کی رسوائی کی گئی۔ بیوی کو جو تیس سال سے نو مسلم تھی لے گئے اور حراست بیجا میں رکھا۔ اس کی شہرہ بھی لی گئی۔ جس وقت بادالشد کے گھر پر یہ ہنگامہ ہو رہا تھا کسی نے عورتوں کی بے غری کی خبر جنگل میں بادالشد کو پہنچا دی۔ وہ تن بہ تقدیر واپس آ گیا۔ اس کی خوب مرمت کی گئی۔ گائے کا گوشت اس کے کٹے ہوئے پیر اور دم وغیرہ باہر لاکر ایک چار پائی برڈھیر کئے گئے تھے۔ اسے پاؤں پرنے اور چوسنے کو کہا گیا۔ اس سے بہت سے ناروا شکلیے کھلوائے گئے۔ تھوک چٹوایا گیا اور توبہ کرائی گئی کہ اب آئندہ کبھی ایسا نہ کریں گے۔ اس کے بعد گائے کا لاشہ سنوارا گیا۔ اسے نیا کفن پہنایا گیا اور پھولوں کے ہار ڈالے گئے اور بڑی دھوم کے ساتھ اس کا جنازہ اٹھایا گیا۔ جلوس میں گائے کھانے والوں کو ہر طرح کی گالیاں دی گئیں۔ پھر یہ لاشہ ایک جگہ لے جا کر دفن کیا گیا اور گائے کی قبر بنائی گئی۔

ہر ہندو نے جنازہ کو کا ندھا دینے میں سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ پولیس بھی آئی۔ سب ایکٹرمسلمان تھے انھیں اچھی طرح دھکیاں دی گئیں اور گالی بھی۔ مرمت ہوتے ہوتے رہ گئی۔ پیش بندی کے طور پر ان کے خلاف فوراً اوپر شکایتی درخواستیں بھیج دی گئیں۔ یہ جانتے تھے کہ نرسنگہ پور کے کانگریسی لیڈروں کا وزارت پر کیا اثر ہوگا۔ اور ان کے خلاف کرنا اپنے گلے میں رستی ڈالنا ہوگا۔ پھر اُس وقت جان کا خطرہ بھی تھا۔ مجبوراً کچھ نہ کر سکے۔ اب ہندوؤں نے اطمینان سے اس کا انتظام کیا کہ گواہی اور ثبوت نہ مل سکے۔ چند نفیس مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے ان کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ نمک اور امینہن تک ملنا ناممکن ہو گیا۔ دھکیاں اور سربراہہ تمسخر کا سلسلہ جاری رہا۔ جس کنویں سے باد اللہ کے گھر کے لوگ پانی بھرتے تھے اُس میں کوتار کے پیپے اُنڈیل دیئے گئے۔ کسی طرح افسران بالا کو واقعات کی اطلاع ہوئی اور پانچ آدمیوں کا صرف ذریعہ دفعہ ۱۲۵ تعزیرات ہند رسمی طور پر چالان کر دیا گیا۔ مزین میں ڈسٹرکٹ کونسل کے ہندی اسکولوں کے دو ماسٹر بھی تھے۔ سرغٹوں کو پیر دی کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا۔ جس روز مزین کی گرفتاری ہوئی ہندوؤں نے ایک احتجاجی جلسہ کیا جس میں سٹرپالیوال اور مسٹر قلندر جلیے کانگریسی لیڈروں نے تقریریں کیں کہ گرفتاری اور چالان سرسریا دتی ہے۔ اس دوران میں مسلمانوں کے بائیکاٹ، دھکی اور دل آزاری کا سلسلہ جاری رہا۔ باد اللہ کی بیوی دباؤ ڈالنے کے لئے حراست ہی میں رکھی گئی۔ بالآخر ایک ایسی تحریر لکھ دینے پر باد اللہ کو مجبور کیا گیا جس میں تمام واقعات سے صریح انکار اور خود اُس کی طرف سے زیادتی کا اقبال ہو ورنہ بیوی واپس نہ دینے اور مزید ایذا رسانی کی دھمکی دی گئی۔ غریب بے یار و مددگار نے مجبور ہو کر ایسی تحریر لکھ دی تب جا کر اُسے اُس کی بیوی واپس دی گئی اور اس تحریر کو بہانہ بناتے ہوئے وزارت نے حکم جاری کر دیا کہ مقدمہ اٹھا لیا جائے۔ چنانچہ ۲۴ جون کو مقدمہ اٹھا لیا گیا۔ اس فتح پر خوب خوشی منائی گئی۔

اب وہاں کے چند گھر مسلمان اس قدر مرعوب ہو گئے ہیں کہ کچھ بیان کرنے سے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ اس واقعہ کا دلگداز نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور چشم پریم کے ساتھ وہ یہ کہہ کر ہانپنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ”اب اور بے عزتی تو نہ کراؤ۔ تم تو چلے جاؤ گے اور ہم پر آفت آجائے گی۔ پورے پورے افسروں کے سامنے روئے تو انھوں نے کچھ نہ کیا اب ہم پھر اپنے مصیبت مول لیں۔“ وزارت اور ہندوؤں کا مدعا ہے دلی اس موضع میں خاطر خواہ طریقہ پر پورا ہوا۔ گاؤ کشی بند ہوئی۔ گاؤ کش سے پورا پورا انتقام لیا گیا۔ ہندوؤں کے رعب کا سکہ بیٹھا اور مسلمان ان کے تابع فرمان ہونے پر مجبور ہو گئے۔

(۴) دھوئی کھریا (تحصیل نرسنگہ پور)

۲۹ مارچ ۱۹۳۹ء کے رام نومی کے جلوس میں شرکت کرنے کے لئے دور دراز کے دیہاتوں سے ہندوؤں کے غول کے غول نرسنگہ پور آئے تھے۔ اسی جلوس میں شرکت کرنے کی غرض سے موضع کھریا کی ایک ”رام دھن“ پارٹی بھی آئی تھی۔ اس پارٹی کے ساتھ حسب ذیل حضرات بھی تھے:-

روشن سنگہ مانگرار کھریا و صدر مقامی کانگریس کمیٹی۔ یہ سکریٹری مہاکوئل کانگریس کمیٹی کے رشتہ دار بھی ہیں۔

مہتر نرجن سنگہ صدر ضلع کانگریس کمیٹی و ممبر آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ اور مسٹر اودے شنکر سیلک پرا و سیکریٹری۔

نرسنگہ پور میں باوجود اشتعال انگیزی کے کوئی فساد نہ ہوا اور مسلم آزادی کا موقع نہ ملا اس لئے دلوں میں جذبات اُبلتے رہے۔ انہیں معلوم ہوا کہ موضع دھوئی میں کسی مسلمان کے پاس ایک ہندو عورت ہے۔ یہ گاؤں کھریا سے دو میل پر ہے۔ ایک

بارت کھرا جا رہی تھی۔ روشن سنگہ وغیرہ مسلح جماعت کے ساتھ یکم اپریل کو بارات میں شریک ہو کر دھوئی پہنچے۔ جس مسلمان کے متعلق ہندو عورت رکھنے کے جرم کا شک تھا اس کے مکان پر دھاوا بول دیا۔ مردوں کو اچھی طرح پٹیا، انڈرگھس گئے۔ عورتیں کسی طرح بھاگ نکلیں اور چھپتی چھپاتی پاس کے مواعضات بچی اور بھوری پار پہنچیں۔ اور بہ دقت تمام دوسرے دن زرننگہ پور آئیں اور پولیس کو اطلاع دی۔ اس بلائی جماعت نے پولیس کو ڈار کے قمار کرنے پر اس کی بھی خبر لی اور واپس ہوتے ہوئے دھن کے علاوہ اس عورت کو بھی ہیرا ساتھ لے گئے جس پر مسلمان کے ساتھ تعلق رکھنے کا شبہ تھا۔ پولیس کا قدم بہت دھیمے دھیمے اٹھا۔ جیسے عام طور پر گرفتاری ہوتی ہے۔ پولیس ملازموں کو گرفتار نہ کر سکی۔ ایک اسپیشل پولیس گارڈ بھیجی گئی جس نے گاؤں میں ڈیرہ ڈال دیا۔ اس پولیس گارڈ کا سخت بائسکاٹ کیا گیا۔ انہیں پانی تک دستیاب ہونا مشکل ہو گیا یہ ہزار خرابی لازم گرفتار ہوئے۔ سرغنوں میں صرف روشن سنگہ لازم بنایا گیا۔ فوراً ضمانت ہو گئی۔ مقدمہ صرف زیر دفعہ ۳۶۳ تعزیرات ہند چلا گیا۔ مقدمہ کی پوری میں پولیس کی طرف سے بہت سہل انگاری برتی گئی۔ لمبی لمبی پیشیاں دی گئیں۔ تقریباً سولہ مرتبہ تائیدیں پڑیں۔ اس عرصہ میں تینٹ اور گواہوں پر ہر طرح کا ناجائز دباؤ ڈالا گیا۔ جو دو گھر مسلمانوں کے دھوئی میں ہیں ان کا مکمل بائسکاٹ کیا گیا۔ یہ جان کے خوف سے بہت دنوں تک ادھر ادھر پھلتے رہے۔ جب یہ دیکھا کہ پولیس ان کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کرتی بلکہ طرح دیے جا رہی ہے تو گھر بار کو بچانے اور مصیبت سے بچنے کی غرض جھکنے پر مجبور ہو گئے۔ اور جو کچھ ہندو چاہتے تھے وہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ حسب دستور تین چار مہینہ کی ٹال ٹول کے بعد مقدمہ اٹھالیا گیا۔

سرغنہ لازم سے کانگریس اور کانگریسی عہدے داروں کے تعلق کی تفصیل ابتدائی سطور میں درج کی جا چکی ہے۔ ان حالتوں میں علاقہ کے گئے ہوئے غریب مسلمانوں کی

کیا حالت ہوئی خود قیاس کر لیجئے

(۵) رتی کرار (تحصیل نرسنگہ پور)

تحصیل نرسنگہ پور کے دو مواصلات رتی کرار اور زنگئی میں مسلمانوں کی آبادی خاصی ہے۔ یہ دونوں مواصلات پاس ہی پاس واقع ہوئے ہیں۔ زنگئی میں گاؤں کشتی ہوتی ہے۔ کسی تقریب کے موقع پر زنگئی والوں نے تھوڑا گائے کا گوشت اپنے رتی کرار کے رشتہ داروں کو بھیج دیا۔ اس کی اطلاع ہندوؤں کو ہو گئی۔ رتی کرار میں مسلمانوں کے تقریباً پندرہ گھر ہیں۔ ان سب کا بڑی سختی سے بائیکاٹ کیا گیا۔ حجام۔ دہوبی۔ سودا، سب بند کر دیا گیا۔ دہلی اور مسخر تو مشغول ہی تھا۔ جن کنوؤں سے یہ پانی لاتے تھے وہ بھی ان پر بند کئے گئے۔ پولیس کو اطلاع دی گئی مگر وہاں کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ رگھوناتھ قلعہ جو علاقہ کے متراز کانگریسی لیڈر ہیں صلح کرانے کے نام سے بیچ میں پڑے اور صلح یوں کرانی کہ مسلمانوں نے ”برضا و رغبت“ بلا جبر و اکراہ“ ایک اقرار نامہ لکھ دیا کہ وہ اب کبھی اس گاؤں میں گائے کا گوشت نہ لائیں گے نہ بچائیں گے۔ پہلے یہ لوگ نرسنگہ پور سے گائے کا گوشت لاکر بچاتے تھے۔ گاؤں کشتی تو ایک طرف ہی گائے کا گوشت کھانے کے حق سے بھی محروم کر دیئے گئے۔

(۶) کورپا۔ دنگلی دمانہ وغیرہ

پنڈت راجندر شرما کے لکچر کے بعد ہندو رضا کاروں کے دستے بازار کے دن ان مواصلات میں چلے جاتے جہاں بولیشی کہتے ہیں اور مسلمانوں کے ہاتھ بولیشی فروخت ہونے دیتے۔ اسی سلسلہ میں تختہ تکرار اور فنا تک پر آمادہ ہو جاتے۔ اس تحریک میں علاقہ کے تقریباً تمام کانگریسی لیڈروں اور ڈسٹرکٹ کونسل کے ماسٹروں

نے علانیہ حصہ لیا۔ چنانچہ ایک عرصے تک تیندور کھیرا۔ کورپا۔ سائن کھیرا۔ امگاؤں۔ دنگیدھانہ اور گولے گاؤں کے مویشی بازار میں مسلمانوں کو جانور ملنے مشکل ہو گئے۔ پولیس میں اطلاع دی گئیں مگر صدائے برنجواست مسلمانوں کے لئے نہ صرف جانور خرید ہاشکل ہو گیا بلکہ مسلمان کے لئے فروخت کرنا بھی مصیبت مول لینے کا سبب قرار پا گیا۔ چنانچہ موضع بوہری پار کے ایک شخص مسمیٰ نصیر کو تحصیل کا نگریں کمیٹی دنگیدھانہ نے جس کے صدر مسٹر روشن لال ساکن کھربا بارہ ہیں اس جرم میں طلب کیا اور کافی تنبیہ کے بعد اور آئندہ مسلمان کے ہاتھ جانور نہ فروخت کرنے کا اقرار لے کر مبلغ عہد جرمانہ کیا گیا جو اس غریب کو ادا کرنا پڑا۔

۷۔ برمن (تحصیل نرسنگھ پور)

جنوری ۱۹۳۹ء میں میلہ کے موقع پر ایک مسلمان کانٹبل کٹونا می زبداپل کے اوپر ڈیوٹی پر تھا اس کے ذمہ گاڑیوں کے نقل و حرکت کی نگرانی اور انتظام تھا۔ اس سے غلطی یہ ہوئی کہ اس نے ایک کانگریسی لیڈر مسٹر نرنجن سنگھ کی گاڑی کو روک دیا۔ حکمران جماعت کا ایک ممتاز فرد ایک معمولی سپاہی (وہ بھی مسلمان) کی ہدایت کی تعمیل کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ اس میں توہین محسوس ہوئی۔ نرنجن سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے اتر کر اس بے چارے کو زد و کوب کیا۔ جو مجسٹریٹ ہاں ڈیوٹی پر تھے ان کے سامنے کسی ہندوؤں نے بھی گواہی دی کہ کانگریسیوں نے سر امر زیادتی کی ہے۔ اس پر اس کے فرائض سرکاری کی انجام دہی میں رکاوٹ پیدا کرنے کا جرم بدیہاً ثابت تھا۔ پیش مندی کے طور پر فوراً تار کھڑکا دیئے گئے کہ کانٹبل نے کانگریسی نیتا کی توہین کی۔ وزیر بہ نفس نفیس نرسنگھ پور آئے اور معاملہ کو پولیس کے ہاتھ سے لے کر تحقیقات ایک مجسٹریٹ کے سپرد کر دی۔ جب دستور نرنجن سنگھ کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوئی

معاہدہ کا رد خورد ہو گیا۔ البتہ پولیس کانٹبل کا اس علاقہ سے تبادلہ کر دیا گیا۔

(۸) کرپلی (تحصیل نرسنگہ پور)

(۱) پنڈت رام چند شرما اس قصبہ میں اپریل ۱۹۳۹ء میں آئے۔ اور یہاں ”آدرس ہندو سبھا“ قائم کی۔ اس ہندو سبھا کے ایک عہدے دار مونیکا رام بھی مقرر ہوئے۔ یہ ضلع کانگریس کمیٹی کے سکرٹری ہیں۔ یہ ایک مقامی کانگریسی کے ہمارے ہمارے انہوں نے خوب شعلہ فشاں تقریر کی۔ ان کی موجودگی میں پھلیا نامی ایک مسلمان ٹھنڈی عورت کو پرانی کرپلی سے اغوا کر کے لایا گیا اور جلسہ عام میں اس کی شدھی کی گئی جگہ میں بہت بلند اور بڑا کانگریسی ترنگا چھڑا لہرا رہا تھا۔ اس تقریب کو برسی اہمیت دی گئی اور علاقہ کے متعدد اہل مقامی محل کانگریسی لیڈروں نے اس میں شرکت فرض سمجھی۔ اسے گومتربلا گیا اور اس کے ہاتھ کا پانی اُسی جلسہ میں تمام ممتاز لیڈروں نے پیا۔ اس کی شادی فوراً ہی ایک ہندو کا چھی کے ساتھ کر دی گئی۔ عورت کے دستہ داروں نے پولیس کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر رپورٹ تک درج نہ کی گئی۔ عدالتی کارروائی ان غریبوں کے بس کے بات نہ تھی۔ اس عورت کو اب تک سخت پہرے کے اندر رکھا جاتا ہے۔

(۲) ماہ مئی میں ایک اور مسلمان عورت کا اغوا کیا گیا۔ یہ ڈونگریا موضع سے ایک شادی میں شریک ہونے کے لئے کرپلی آئی تھی۔ اس کی بھی مجمع عام میں شدھی کی گئی اور کانگریسیوں نے علانیہ حصہ لیا۔ اس کے متعلق بھی پولیس نے رپورٹ لینے سے انحصار کیا۔ تلقین اور تحریک سے زیادہ تخیلیت اور تہدید نے اس علاقہ کے غریب مسلمان مرد اور عورتوں کو اتنا مجبور اور خوف زدہ کر دیا تھا کہ انہیں اطاعت کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا تھا۔ پولیس کی علانیہ جانب دار مہی اور حکام بالاکے بے ڈرالی

کے تجربات نے یہ احساس پیدا کر دیا تھا کہ آگے جدوجہد کرنا مزید مصیبت مول لینے کے مراد ہے۔

(۳) ان واقعات نے ان کے حوصلے اور بڑھائے اور ان کی مسلم دشمنی نے یہ سمجھایا کہ غریب اور بے کس مسلم گھروں سے قدم آگے بڑھا کر پردہ نشینوں تک رسائی کی جائے۔ اس کی سازش شروع ہوئی اور نالی قوم کی ایک عورت مساتہ میدا کو جو مسلمان گھروں میں آیا جایا کرتی تھی درغلایا گیا کہ وہ پردہ نشین عورت یا لڑکی کا اغوا کرے۔ اُس کی ہمت نہ پڑی اور اُس نے انکار کر دیا۔ اس جرم میں اسے چار پانچ مرتبہ زد و کوب کیا گیا۔ اس نے ہزار بولیس میں رپورٹ کی مگر وہاں سے اُلٹی اسی کو ڈوانٹ نصیب ہوئی۔ آخر جب اس کے لئے راستہ چلنا دشوار ہو گیا تو اس نے اے۔ ڈی۔ ایس۔ پی۔ نرسنگ ہوسپتال کو تحریری درخواست دی۔ افسر مذکور نے یہ درخواست کر لی ہی کے سب الیکٹر کے پاس جن کے رویہ سے ناامید ہو کر اُس نے اور درخواست دی تھی بغرض تحقیقات بھیج دی گئیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس غریب عورت پر سختیاں سر راہ چلے، گالی، تمسخر کا سلسلہ زیادہ ہو گیا۔ پھر اس نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوشنگ آباد کو درخواست بھیجی اس پر نہ معلوم کس قسم کی دفتری کارروائی ہوتی رہی ادھر دست درازوں اور ایذا رسانی کا سلسلہ اس کے خلاف اور تیز ہو گیا۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۹ء کو اسے راستے میں پکڑ کر بری طرح زد و کوب کیا گیا۔ یہ مجروح ہو گئی۔ پولیس کے پاس جانا زخموں پر نہک چھڑکوانا تھا۔ اس لئے بعض ہمدردوں کے مشورہ سے اس نے نائب تحصیلدار نرسنگ ہوسپتال کی عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ مجسٹریٹ نے پولیس رپورٹیں طلب کیں۔ لیکن دوسری پیشی پر بھی یہ داخل عدالت نہ کی گئیں۔ اس کے لئے مجسٹریٹ نے پولیس کو مزید ہمت دی اور تاریخ بڑھا دی۔

(۴) موضع ہوپانی کے ایک ہتھرنے کر لی کے ایک ہتھرمسی باجی لال کے

پتہ سے ایک گھڑی منگوائی۔ باجی لال ایک روز یہ گھڑی لگائے ہوئے تھا کہ پولیس نے دیکھ لیا۔ اس شک پر کہ ایک غریب ہنتر کے پاس نئی گھڑی کہاں سے آئی گھڑی بغرض تحقیقات ضبط کر لی۔ تحقیقات سے ہنتر کا بیان صحیح ثابت ہوا اور مسلمان ہیڈ کانسٹبل عبدالحمید نے گواہوں کے سامنے رسید لے کر گھڑی ہنتر کو واپس کر دی۔ کر ملی تھانہ میں یہی ایک مسلمان ہیڈ کانسٹبل تھا جس کی موجودگی ہندوؤں کو خوار کی طرح کھٹکتی ہی تھی۔ چنانچہ ہنتر سے یہ درخواست دلوا دی گئی کہ ہیڈ کانسٹبل مذکور نے گھڑی واپس نہیں دی اور اس سے جھوٹی رسید لکھوائی ہے۔ اس معاملہ کی تحقیقات ہوئی اور باجی لال کا بیان غلط ثابت ہوا۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے باجی لال کے خلاف زیر دفعہ ۱۸۱ تعزیرات ہند مقدمہ چلانے کا حکم دیا۔ مقامی تمام ہندو لیڈروں نے پیروی میں حصہ لیا۔ مسلمان نوٹیفڈ ایریا کمیٹی کا ہیڈ کلرک ہریشی پیر پیروی کے لئے رنگہ پور جاتا تھا اور دفتر میں اس کی حاضری بنتی رہتی تھی کمیٹی میں اکثریت کانگریسوں کی ہے۔ کمیٹی کے خزانچی مول چند نے ہنتر کی طرف سے صفائی میں گواہی دی۔ کانگریسی لیڈروں کے دلچسپی لینے کے سبب مجسٹریٹ بھی ہوا کا رخ پہچان جاتے ہیں۔ بہر حال ہنتر بری کر دیا گیا۔ ہاں ہیڈ کانسٹبل کا کر ملی سے بلا تصور تبادلہ کر دیا گیا۔

(۵) ان کی مسلم دشمنی اس شدت کی تھی کہ اگر کوئی انصاف پسند اور دانا دار ہندو کسی مسلمان کی حمایت کرے تو اس کے پیچھے بھی پنجہ بھاڑ کر پڑ جاتے تھے۔ مسلمان ہیڈ کا واقعہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ مسلمان ہیڈ کانسٹبل کے معاملہ میں گھڑی دیتے وقت جن کی گواہی رسید پر لی گئی تھی ان میں ایک ہندو شیو رام سری داس بھی تھا۔ اس نے عدالت میں گواہی دی کہ گھڑی میرے سامنے دی گئی۔ بس اس سے انتقام لینے کی سازش شروع ہو گئی۔ چنانچہ چند دنوں بعد ہی تھانہ میں رپورٹ پہنچ گئی کہ بونا می ایک شخص کا ساڑھے غائب ہو گیا ہے اور اس کا شک اسی شیو رام سری داس پر ہے۔ پولیس نے اسے دق کرنا

شرع کر دیا۔ بار بار تھانہ پر بلوانا۔ حراست میں لے لینے۔ خانہ تلاشی لینے۔ جالان کر دینے کی دہکیاں شرع ہو گئیں۔ اس نے اپنی مفصل داستان درد حکام بالا کو لکھ کر بھیج دی مگر دفتر ہی روایات کے مطابق ”تاثریات از عراق آورده“ کے مصداق کا روائی ہوئی ہی۔ (۶) انفرادی پھیر چاڑ کا سلسلہ مسلمانوں کے خلاف اتنا بڑھا کہ اچھے اور صاحب عزت لوگوں کی جائداد کو بھی نقصان پہنچانے کی طرف قدم بڑھنا شروع ہو گئے۔ کرلی کے سیٹھ عبدالستار کے مین کے شید کو ایک ہندو دور کرتی ناتھ نے نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ واقعہ ۱۳۹۰ء کی شب کا ہو۔ نوکروں کے تعارض کرنے پر انہیں بھی جلی کٹی سنائی۔ پولیس اور افسران بالا کو اطلاع دی گئی۔ حشر معلوم۔ اس واقعہ سے ایک روز قبل پنڈت جواہر لال نہرو کلکتہ میل سے کرلی اسٹیشن سے گزر رہے تھے تو اس لڑکے نے پنڈت جی کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ ”آپ لوگ کب تک ہم ہندوؤں کو بزدل بنائے رکھیں گے۔ ہم کو بھی اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے دیجیے“ اس پر پنڈت جی نے اس لڑکے کے گال پر ایک طاپنچہ لگایا۔ واللہ اعلم یہ طاپنچہ تنبیہ کے لئے تھایا پیارے۔

(۹) آمگاؤں (تحصیل نرسنگہ پور)

موضع آمگاؤں میں دو گھر قصابوں کے ہیں۔ اس علاقہ میں ایک شخص رام سنگھ چوہان بیدھڑک ہی جو اپنے آپ کو کانگریسی پر چارک کہتا ہو۔ پنڈت رام چندر شرمہا کے جانے کے بعد اس شخص نے دیہاتوں میں مسلمانوں کے خلاف عناد و نفرت کے جذبات پھیلانے شروع کئے۔ اور ان قصابوں کو خاص طور پر نظر میں رکھ لیا گیا۔ آمگاؤں کے قریب ایک جنگلی دیہات پر آبجاری والوں نے چھا پہ مارا۔ یہ موقع اچھا تھا۔ متعدد گواہیاں فراہم ہو گئیں کہ ناجائز کشید میں ان قصابوں

کا ہاتھ ہے۔ دونوں گھروں کے کبریا کو جن کا نام قادر اور سنویا ہے گرفتار کر لیا گیا۔ انہیں چوبیس گھنٹہ حوالات میں رکھا گیا۔ عدالت نے انہیں بری کر دیا۔ مگر انہیں پریشان اور ذلیل تو اچھی طرح کر لیا گیا۔ ہاں۔ ایک ہندو نے ان کی ضمانت کی تھی۔ اُس غریب پر حملہ کیا گیا اور اُسے بھی ایک مقدمہ میں پھانسنے کی کوشش کی گئی گو ناکام ہوئی۔

(۱۰) گڈرواڑہ (تحصیل نرسنگہ پور)

۱۹۳۸ء کے محرم میں ہندو غنڈے دفن کئے ہوئے تعزیوں کو کر بلا سے اٹھا لائے اور ہولی کے الاؤ میں ڈال دیا۔ مسلمانوں نے تعارض کیا تو فساد پر آمادہ ہو گئے۔ پولیس میں رپورٹ کی گئی مگر پولیس حسب دستور خاموش رہی اور کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

(۱۱) سیپونی (مالوہ)

یہاں کاؤکشی بابر ہوا کرتی تھی۔ مگر ۱۹۳۷ء میں ایک گائے ذبح کرنے پر مسلمانوں کا مکمل بانسٹ کیا گیا اور یہ بانسٹ علاقہ کے تمام دیہاتوں میں پھیلا۔ چنانچہ حسب ذیل مواعضات میں مسلمانوں کو سودا یا پیشہ ورانہ کی امداد ملنی مشکل ہو گئی۔

(۱) بھرکئی (۲) چھتر کھیر (۳) بونی (۴) نرکولا (۵) جواکلائی

(۶) لوکھائی لائی (۷) بیرن کھیر (۸) سوپور وینرہ

مسلمان مزدوروں اور پیشہوروں کو بھوکوں مرنا پڑا۔ بازار کے دن مسلمانوں کی

۱۵ یہ واقعہ اُس زمانہ کا ہے جبکہ کانگریس نے ابھی وزارت قبول نہیں کی تھی لیکن یہ عام طور سے معلوم ہو گیا تھا کہ غریب انٹرم نٹری اتھنڈا سے دیگی اور کانگریس وزارت قبول کر لے گی۔

دکانیں لوٹی گئیں۔ مسلمان فقیروں پر غیرات بند کر دی گئی اور یہ کہہ کر بند کی گئی، کہ جب تک اس علاقے کے تمہارے بھائی بند گوماس کھانا نہ چھوڑیں گے، تم کو غیرات نہیں مل سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت سے اس تمام علاقہ میں گائے کشی بلکہ گائے کے گوشت کا فروخت کرنا قطعاً بند اور ممنوع ہے۔ دوکان لوٹنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی۔

(۱۲) گولے گاؤں (تحصیل نرسنگہ پور)

(۱) یہاں ہر ہفتہ بازار میں مویشیوں کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے۔ ہندوؤں کی طرف سے ایک خاص آدمی اور کبھی کبھی رضا کاروں کے دستے بھی بھیجے جاتے تھے کہ مسلمان سینک دار جانور نہ خریدنے پائیں۔ جو شخص کسی مسلمان کے ہاتھ جانور بیچنے کی کوشش کرتا تھا اسے دھکی اور تحریف سے تنگ کر دیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی ہارپٹ اور زبردستی جانور چھین لینے کا واقعہ بھی ہوا۔ پولیس نے اس کے متعلق کسی قسم کی رپورٹ لینے سے اعراض کیا اور زبانی کہہ دیا جاتا کہ جاؤ تالش کرو۔

(۲) ۱۹۳۸ء کے دسہرے سے ایک ہفتہ پہلے ایک بڑے جلسہ میں علانیہ یہ کہا گیا کہ مسلمانوں کا باسکاٹ کرنا چاہئے چھوٹی قوموں کے پیشہ وروں میں خوب پروپیگنڈا کیا گیا کہ مسلمانوں کا کام کاج مت کرو۔ ہندو مالکان مکان نے مسلمانوں سے دکانیں خالی کرنے کے لئے کہدیا۔ یہ سب اس جرم میں کہ مسلمانوں نے اپنی تنظیم کیوں کی اور کانگریس کے خلاف شکایت کیوں کی۔ ان واقعات کی اطلاع پولیس کو دی گئی۔ پولیس نے کہا کہ ہم اس میں کیا کر سکتے ہیں۔

(۳) پہلے نماز کے وقت جامعہ مسجد کے سامنے نہیں سجا کر تا تھا لیکن اب بلا تکلف سجا یا جاتا ہے۔ پولیس کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ اور مسیحی بھر مسلمان مجبور ہیں۔

(۱۳) امارسی

(۱) یہاں ہندوؤں نے جلوسوں میں مسلم آزار اور اشتعال انگیز نعرے لگانے اپنا شعار بنالیا تھا۔ ہندو غنڈوں کی ٹولیاں اکثر چھپر بھاڑ کرتی رہتی تھیں۔ پولیس کا یہاں بھی یہ رویہ رہا کہ اگر مسلمان رپورٹ کرے تو خاموشی لیکن اگر مسلمان کے خلاف رپورٹ ہو تو فوراً کارروائی۔ ۱۵ جون ۱۹۳۹ء کو انجمن اسکول کے ایک مدرس عبدالحفیظ پر ہندو غنڈوں نے جن میں ناک کچی ہندو ڈاکٹر بھی تھا سیر راہ حملہ کیا۔ انہیں زد و کوب کیا گیا۔ پولیس میں اطلاع دی گئی کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ ۸ جون کو میسپل آفس کے پیچھے کچی اور کھمبی نرائن نے ایک شخص عبدل کو بے قصور پیٹ دیا۔ پولیس میں اطلاع دی گئی، مگر کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اسی کے برعکس مسلمان ہٹل والے بگاڑ کے خلاف کسی نے رپورٹ کر دی تو اس کا فوراً چالان کر دیا گیا۔

(۲) یہاں مسجد کے سامنے نماز کے وقت باجہ نہیں بجا رہے۔ مسلمانوں کو چڑھانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ ناؤں ہال میں جو بالکل مسجد کے قریب ہی کوئی سیمبلن اور متعدد بھانے سے جملے شروع کیے گئے جن کی ابتداء ٹھیک عشاء کے نماز کے وقت کی جاتی اور جملہ کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے ہارمونیم اور دوسرے سازوں کو زور و شور سے عین اُس وقت بجایا جاتا جبکہ نماز شروع ہونے والی ہو۔ پہلے ایسا نہیں ہوا کرتا تھا۔ پولیس نے حسب دستور مداخلت کی ضرورت نہ سمجھی۔

۲۔ ضلع تیار

(۱) گھنڈہ ۵۵۔

(۱) ایک مسلمان کی گائے کو کسی شخص نے راستے کے وقت بھالامار دیا۔ یہ گائے مالک کے مکان کے قریب ہی زخمی ہوئی اور مر گئی۔ صبح کو ہندوؤں کو خبر ملی اور سارے شہر میں یہ افواہ پھیلائی گئی کہ مسلمانوں نے گوتیا کیا۔ ہندوؤں میں بہت جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ وہ تو اتفاق سے پولیس کی تحقیقات پر بھی گائے مسلمان کی نکلی اور پولیس اس نتیجے پر پہنچی کہ ذاتی جھگڑہ اس حرکت کی تہ میں ہے۔ مگر ہندو اور کانگریسی لیڈروں نے ہندو عوام تک اصل حقیقت کو نہ پہنچایا اور جذبات کو مشتعل ہونے دیا۔ گورنمنٹ اسکول کے ماسٹروں اور لڑکوں کو درغلا یا گیا کہ وہ اسکول بند کئے جانے کا مطالبہ کریں۔ چنانچہ لڑکے اور کئی ماسٹر باہر نکل آئے اور اسکول بند کر دیا گیا۔ ان لڑکوں نے مقامی ہندو اور کانگریسی لیڈروں کی رہبری میں سینچل اسکولوں پر دھاوا کیا اور لڑکوں کو زبردستی باہر نکال لائے اور دیواروں پر ”ہڑتال“ جگہ جگہ لکھ دیا گیا۔ ۲ بجے تک سوائے اردو اسکولوں کے تمام پرائمری، ٹرل اور گورنمنٹ اسکول خالی ہو گئے۔ یہ سب ایک جلوس کی صورت میں گشت لگاتے گائے کا غم مناتے اور گائے کے دشمنوں کو برا بھلا کہتے اور ہڑتال کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے جگہ جگہ کے معائنہ کے لئے آئے شہر کی فضا بہت مکدر ہو گئی۔ سارے ہندوؤں نے ہڑتال کی۔ بلوہ کے خوف سے مسلمانوں کو بھی دوکانیں بند کرنا پڑیں۔ ڈاکٹر بدری پرشاد ممتاز کانگریسی لیڈر جو اس علاقہ کے کانگریسی ممبر اسمبلی کے بھائی بھی ہیں ایک دوسرے کانگریسی لیڈر مسٹر ورما اور مسٹر گوہلے صدر ہندو سبھا کھنڈوہ کے ساتھ ڈی۔ ایس۔ پی کے ہنگامہ پر گئے۔ اتفاق سے اُسی وقت خان بہادر خاٹ علی صاحب ممبر اسمبلی بھی ڈی۔ ایس۔ پی کے پاس پہنچے کہ شہر کی فضا سے اُن کو مطلع کر دیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے ہندو لیڈروں کو بتایا کہ گائے مسلمان کی تھی اور اس کے زخمی کرنے کا شک بھی ایک ایسے مسلمان پر ہے جو جس سے گائے کے مالک کی لڑائی ہو۔ یہ طوفان جو اُٹھایا جا رہا ہے فضول ہے اور جلد ہی گرنے سے منع کیا۔

لیکن جس جماعت اور جن افراد کو وزارت کی سہشہ اور دوستی حاصل ہو وہ اس کی کب پر وہاں کر سکتے تھے۔ چنانچہ اسی شام کو گاندھی چوک میں پبلک جلسہ ہوا جس میں کانگریسی لیڈروں نے بھی گائے کے شہید ہونے کا ماتم کیا اور مارنے والے کے خلاف اظہار نفرت کیا گیا۔ جیسی تقریریں ہوئی ہوں گی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ جلسہ کے بعد سینما پردہا دابو لا گیا کہ آج ”یوم ماتم“ ہے۔ سینما بند کر دیا جائے۔ چنانچہ سینما والے کو فساد کے ڈر سے سیکڑے بند کرنا پڑا۔ مسلمانوں نے افسران بالا اور پولیس کی توجہ اس طرف مبذول کرنے کی کوشش کی۔ مگر کسی کے خلاف کچھ نہ ہوا۔ اگر کہیں مسلمانوں کی طرف سے اس ہنگامہ کا عشرِ عشہ بھی ہوا ہوتا تو ۱۴۴ اور ۷۰ کا سلسلہ بندہ جاتا۔

خپلم قابل غور ہے کہ مسلمان کی گائے کے مارے جانے کے غم میں اسکول، سینما بند کئے گئے۔ جلوس نکلا اور ماتمی جلسہ ہوا۔ ہڑتال کی گئی۔ مگر پولیس نے کسی سے کوئی تقاضہ نہ کیا۔ اب مسلمان کو اپنی گائے پر بھی حق نہیں!

(۳) ایک مقامی سنار کی بیوی کا ایک مسلمان کے ساتھ ناجائز تعلق ہو گیا تھا۔ وہ اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر اس مسلمان کے پاس چلی آئی۔ کسی نے مشورہ دیا کہ عورت سے تھانہ میں اطلاع کر دینی چاہئے کہ وہ اپنی خوشی سے آئی ہے۔ عورت تھانہ پر اطلاع کرنے گئی۔ عورت کی رپورٹ تو نہ لکھی گئی۔ بلکہ اُس کو بھائے رکھا گیا اور ہندو لیڈروں کو خبر کر دی گئی۔ فوراً مقامی کانگریسی نیتا اور ڈاکٹر بدری پرشاد مہندروں کے ایک دستہ کے تھانہ پر پہنچ گئے اور پولیس نے بھی عورت کو اپنی تحویل میں رکھنے کی بجائے ان کے حوالہ کر دیا۔ ترغیب، تحویل اور ہمدردی عورت کو ہوا کر لیا گیا اور مسلمان کے مکان پر دھاوا بول کر یہ عورت جو مختصر ذاتی سامان اپنے ساتھ لائی تھی نکلوا لیا گیا۔ پولیس کے ذریعہ نہیں بلکہ قانون اپنے ہاتھ میں لے کر پولیس میں رپورٹ کی گئی مگر پولیس نے تو خود ہی تھانہ پر عورت حوالہ کی تھی اور مکان پر دھاوا بولتے وقت چشم پوشی کی تھی وہ کیا کارروائی کرتی۔ مسلمان نے استغاثہ کیا۔ مگر عدم ثبوت کی بنا پر

دہ چارج لگنے سے پہلے خارج ہو گیا۔
 (۳) حیدر آباد سٹیہ گروہ کے ختم ہونے پر اس ”فتح“ کی خوشی میں کھڑوہ میں بھی جلوس نکالا گیا۔ جامع مسجد کے سامنے بگل اور باجہ بچایا گیا۔ اس مسجد کے سامنے باجہ نہ بجانے کا حق تسلیم شدہ ہے۔ مسلمان جب تھانہ میں رپورٹ کرنے گئے تو رپورٹ اُس وقت نہیں درج کی گئی۔ اور ان کو سمجھا دیا گیا کہ اطمینان رکھو پولیس خود کارروائی کرے گی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت ڈپٹی کمشنر کے پاس رپورٹ کرنے چلی گئی۔ اس عرصہ میں اسپتال کے قریب فساد ہو گیا۔ تین ہندوؤں کو معمولی زخم آئے۔ پولیس نے خوب دسوزی کے ساتھ تحقیقات کی اور اٹھائیس مسلمانوں کا زیرِ دفعہ ۱۴۷ء و ۱۴۹ء اور ۱۵۲ء تقریرات ہند چالان کیا۔ (دفعہ ۱۵۲ء ایسی دفعہ ہو کہ پولیس میں ضمانت نہیں ہو سکتی۔) ڈیڑھ ماہ تک مزیدین کی ضمانت عدالت سے بھی نہیں ہوئی۔ ڈیڑھ ماہ کے بعد سشن کی عدالت نے انہیں ضمانت پر رہا کئے جانے کا حکم دیا۔ اس مقدمہ میں پولیس نے چوتھ گواہ پیش کئے۔ جس مجسٹریٹ کے سامنے اس مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی (ROUTINE WORK) انہیں بہت سے معمولی کے فرائض سے بُک دوش کر دیا گیا ہے تاکہ صرف اس مقدمہ کی سماعت جلد ختم کر سکیں۔

(۲) برہان پور

(۱) حیدر آباد سٹیہ گروہ کے زمانہ میں ایک جلوس نکالا گیا جس میں انتہائی دل آزار نعرے لگائے گئے۔ اور بہت اشتعال انگیزی کی گئی۔ حیدر آباد مردہ باد “نظام مردہ باد“ کے شور سے فضا گونج اُٹھی۔ مسلمان لیڈروں نے مسلمانوں کو قابو میں رکھا۔ پولیس میں اس کی اطلاع دی گئی۔ وہاں جب دستور خاموشی رہی۔
 (۲) مسٹر محمد اصغر بھایاں کے ایک معزز شہری ممتاز ذکیل اور مسلمانوں کے سربراہ اور وہ

لیڈ رہیں کانگریس کے حامیوں نے ۲۸ اگست ۱۹۳۹ء کو ان پر نصف شب کے وقت باہر بلا کر حملے کا اقدام کیا۔ پولیس کو رپورٹ کی گئی مگر خاموشی۔ پھر نومبر ۱۹۳۹ء میں اسی جماعت کے آدمیوں نے دوبارہ گالی گلوچ کیا اور دست درازمی کرنے کی کوشش کی۔ اس کی اطلاع بھی پولیس کو دی گئی مگر کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

(۳) مسٹر عبدالرحیم ضیا سکرٹری ضلع لیگ پریکول بورڈ کے انتخابات ۱۹۳۹ء کے موقع پر جس میں یہ کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں لے رہے تھے محض شبہ کی بنا پر کانگریسی امیدوار کے کارکنوں نے حملہ کیا اور توہین کی۔ انہوں نے پولیس کو اطلاع دی حملہ آوروں کے نام بتائے اور ضربات کے نشان دکھائے۔ ابھی تک کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

(۴) رابرٹسن ہائی اسکول کے بعض متعصب ہندو ماسٹروں نے ہندو لڑکوں کو اس قدر

شور و ہشت بنادیا کہ اس اسکول کے ہندو طلباء نے مسلمان ماسٹروں کی علانیہ توہین کرنی شروع کر دی اور سربراہ انہیں گالیاں دینے لگے۔ بلیک بورڈ پر لکھ دیتے ”ہندوستان ہندو کا، نہیں کسی کے باپ کا“ اور مسلمان ماسٹر سے کہتے کہ ”پڑھئے تو بلیک بورڈ پر کیا لکھا ہوا ہے۔ ٹھیک ہے نہ“ مسلمان لڑکوں کو باوجود چھپڑتے اور چڑھاتے۔ یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ ایک روز ہندو لڑکوں نے ان متعصب ماسٹروں کی شہ پاکر متعدد مسلمان لڑکوں پر حملہ کر دیا۔ کسی کی ٹوپی چھین لی۔ کسی کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور بہتوں کو زو کو بکیا۔ مسلمان لڑکوں کا کلاس میں ۲۷ مشکل ہو گیا۔ پولیس اور متعلقہ ارباب اختیار نے باوجود اطلاعات کے خاطر خواہ توجہ نہ کی۔ مجبوراً مسلمان لڑکوں کو ہڑتال کرنی پڑی جو پانچ روز جاری رہی اور کسی طرح معاملہ ختم ہوا لیکن پولیس نے اس فتنہ کے بانی مبانی ہندوؤں سے کوئی باز پرس نہ کی۔

(۵) ہندو مقررین کو تو ہر طرح آزادی چھوڑا گیا لیکن مسٹر محمد اصغر ذکیل کا اس جرم میں کہ وہ عام جلسوں میں کانگریس کے خلاف تقریر کرتے ہیں اور مسلمانوں میں بے بسی اور سی پید کرتے ہیں زبردستی دفعہ ۱۴۱ تعزیرات ہند چالان کر دیا گیا۔ اور محض انہیں زبردبار اور پریشان کرنے کی

غرض سے مقدمہ بجائے برہان پور کے کھنڈ وہ میں چلایا گیا۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ برہان پور میں مقدمہ چلنے کا تو بلوہ ہو جائے گا۔ اس مقدمہ کو جلد ختم کرنے کی کوشش نہ کی گئی ورنہ پریشان کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ ۱۵۳۷ء کے شروع میں یہ مقدمہ چلا تھا اور تقریباً بارہ مہینہ میں سماعت ختم ہوئی۔ انہیں ایک سال کے لئے دو ہزار روپیہ کا چھلکہ نیک چلنی داخل کرنے کا حکم ہوا۔

(۶) جب پنڈت رام چندر شرما کو تحصیل نرسنگہ پور میں خوب آگ لگانے اور مسلمانوں کے خرم امن و عافیت کو تباہ کرنے کی پوری اجازت دینے کے بعد ظاہری طور پر مقدمہ چلایا گیا اور رسی انعام افسوس کے بعد مقدمہ اٹھایا گیا تو حکومت اس تاک میں رہی کہ کسی مسلمان کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا چاہئے تاکہ اس مقدمہ کے اٹھالینے کے جرم کی پردہ پوشی ہو جائے۔ چنانچہ مولوی غلام مصطفیٰ فرخ آبادی کے مقدمہ کے سلسلہ میں یہ موقع مل گیا۔ مولوی صاحب موصوف نے صرف ایک تقریر ۱۵ جولائی ۱۵۳۷ء کو برہان پور میں کی تھی۔ پنڈت شرما تو مہینوں تقریر کرتے رہے اور جب کام ختم کر چکے تب مقدمہ کا ڈھونگ رچایا گیا۔ لیکن مولوی غلام مصطفیٰ کی صرف ایک تقریر پر دفعہ ۱۵۳۷ تقریرات ہند نافذ ہو گیا۔ وارنٹ فرخ آباد بھیجا گیا۔ وہاں عدالت نے کھنڈ وہ کی عدالت میں پیشی پر حاضر ہونے کی ضمانت لے کر چھوڑ دیا۔ یہ فرخ آباد سے اس ارادے سے چلے کہ ایک روز پہلے برہان پور پہنچ کر وکیل وغیرہ کا انتظام کریں گے کیونکہ کھنڈ وہ میں یہ کسی کو نہیں جانتے تھے۔ لیکن پولیس تاک میں تھی اور مدعاے خاص تو مسلمان کو ذلیل اور پریشان کرنا تھا۔ اسی جرم اسی دفعہ اور اسی مقدمہ میں جس کے وارنٹ کی تعمیل فرخ آباد میں ہو چکی تھی بالکل خلاف قانون ایک اور وارنٹ تاریخ حاضری سے ایک روز پہلے جاری کیا گیا اور انہیں کھنڈ وہ کے اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا۔ اور انہیں عدالت میں ہتکڑھی لگا کر پیش کیا گیا۔ ضمانت کی درخواست پر عدالت نے

اُس روز کوئی حکم نہیں دیا اور دو روز بعد کی تاریخ مزید بحث کے لئے دے دی۔
دو روز یہ حراست میں رہے۔ ۲۱ جولائی کو ان کی ضمانت سخت شرائط اور کافی رقم
کے چمکے کے ساتھ ہوئی۔ مقدمہ چلا اور ان کے اظہارِ معذرت کرنے پر حکومت نے از
راہ کمال عنایت و نوازش ان کے خلاف بھی مقدمہ اٹھایا۔ اب کون کہہ سکتا
ہے کہ حکومت نے پنڈت ام چند شرمہ کے ساتھ رعایت کی۔ لیکن پنڈت رام چند شرمہ
کے ساتھ بوقت گرفتاری اور بعد گرفتاری جو سلوک کیا گیا اور مولوی غلام مصطفیٰ کے
ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا وہ کانگریسی حکومت کی فرقہ پرستانہ ذہنیت کو آشکارا
کر رہا ہے۔ ماسوا اس کے پنڈت جی کو جی بھر کر اپنے دل کا بخار نکالنے کا موقع دیا گیا۔
اور ان کی تقریر سے جو ہولناک نتائج پیدا ہوئے وہ تفصیل سے اوپر بیان کئے جا چکے
ہیں لیکن مولوی صاحب کی صرف ایک تقریر ہوئی تھی اور اس کے خراب اثر پیدا کرنے کا
ایک بھی واقعی ثبوت نہیں ہے۔ یہ مقدمہ تو صرف اس لئے اٹھایا گیا کہ پنڈت شرمہ کے
خلاف مقدمہ اٹھانے کی دانتہ اور جانبدارانہ رعایت کے جرم کو ہلکا کیا جاسکے۔
اور ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہا جاسکے کہ ”ہم ہندو مسلمانوں کو ایک نظر دیکھتے ہیں“
(۷) لوہاری منڈی وارڈ میں دروازے سے باہر ایک بہت پرانی چھوٹی مسجد ہے مسلمانوں
نے اس کی مرمت کے لئے میونسپلٹی میں درخواست دی۔ میونسپل کمیٹی نے اس سلسلہ میں کیا تعصبات
فرقہ پرستی کا ثبوت دیا ہے اُس کا تفصیلی ذکر کوکل سیلف گورنمنٹ کے تحت کہیں اور درج ہے اس جگہ
یہ بتانا ہے کہ اس مسجد کے سامنے باجہ برابر بند کر دیا جاتا تھا۔ برہمن پور کے ہندوؤں اور مسلمانوں
کے درمیان ایک پُرانا مباحدہ ہے کہ ہر پرانی مسجد اور مندر کے سامنے ہر دو فرقے باجہ
بند کر دیا کریں گے۔ اس مسجد کی مرمت کے درخواست کے موقع پر یہ کوشش کی گئی کہ
اس مسجد کا قدیمی وجود قانونی حیثیت سے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ مقامی میونسپل بورڈ
کے صدر (جو کانگریسی ممبر اسمبلی بھی ہیں) کے بھائی مسٹر فرمادراکیل نے جو خود بھی ممتاز کانگریسی

ہیں۔ ایسے۔ ڈی۔ ایم۔ برہان پور کی عدالت میں درخواست دے دی کہ اس مسجد کی تعمیر آئندہ چل کر نقص امن کا باعث ہوگی۔ نا ضل جٹسٹریٹ نے بغیر مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کا بیان لئے یا ثبوت طلب کئے دیوانی کے اختیارات بھی اپنے ذمہ لے لئے اور یک طرفہ فیصلہ دے دیا کہ (۱) یہاں پہلے مسجد نہ تھی (۲) یہاں باجہ بجاہی (۳) اس لئے اگر مسجد بنائی گئی تو اس کے سامنے سے ہر وقت مسلسل باجہ بجاہی ہوا جلوس گزرے گا اور باجہ بند نہیں کیا جائے گا۔ پھر تماشہ یہ ہو کہ فوجداری جٹسٹریٹ نے نقص امن کے موبہم مشبہ پر حکم عارضی نہیں دیا ہو بلکہ استراحتی۔ اس حکم کا مفصل ترجمہ ضمیمہ میں درج ہے تاکہ قانون دان حضرات یہ دیکھ لیں کہ جٹسٹریٹ نے ایک ایسا حکم جاری کیا ہو جو قانوناً غلط اور اس کے اختیارات سے قطعاً باہر ہو اور وہ بھی ایک طرفہ بلا دوسرے فریق کی کچھ بھی سنے ہوئے۔ مگر یہ بھولنا نہ چاہئے کہ راج کانگریس کا تھا۔

(۸) یہ ایک مشہور حقیقت ہے کہ سٹہ کھیلنے اور کھلانے کا عادی مرض ہندوؤں کو ہے۔ مسلمانوں میں یہ کثرت بمقابلہ ان کے بہت کم ہے۔ لیکن برہان پور میں جہاں مسلمان ایک تہائی سے کچھ ہی زیادہ ہیں اور گجراتی ہندو جو اس مرض کے سب سے زیادہ شکار مانے جاتے ہیں مسلمانوں کی تعداد سے کچھ ہی کم ہیں پولیس کو سٹہ بازی کے جرم میں گرفتار کرنے کے لئے پہلے ایک ہندو اور ایک مسلمان ملا اور دوسری بار سات مسلمان اور تین ہندو دسمبر ۳۹ء تک صرف یہ دو گرفتاریاں اس سلسلہ میں عمل میں آئی ہیں۔ اس واقعہ کے لکھنے سے مقصد گرفتار شدہ مسلمانوں کے قصور و ایریابے قصور ہونے پر بحث کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ دکھانا ہے کہ کس فرقہ کی جرائم پسندی سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور کس فرقہ کی ذرا سی لغزش بھی فوراً قابل گرفت قرار پا جاتی ہے۔

(۳) زمین آباد (تحصیل برہان پور)

(۱) برہان پور شہر سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ٹرک کے کنارے موضع کھڑکڑ میں ایک پرانی چھوٹی سی مسجد اور کچھ قبریں ہیں۔ زین آباد کے کاشنگار مسلمان اس کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ چھ سات سال سے ہندوؤں نے بتدریج یہاں اپنا قبضہ جاتا شروع کیا۔ پہلے ایک کٹیابنی پھر ایک دیواستھان۔ پھر ایک مندر۔ پھر چوتراہ۔ مسلمانوں کے اعتراض پر انہیں عدالتی مخصمہ میں لا گئے گئے۔ مال گزار سی اور دیوانی عدالتوں کے طولانی اور کثیر الاجات سلسلہ کی تاب نہ لا کر یہ غریب ہمت ہار بیٹھے۔ زمین کسی کی ہو۔ قبریں اور عمارت موجود ہو اور ہر شخص انکھ سے دیکھ سکتا ہو۔ لیکن اس پر ہندوؤں نے مکمل قبضہ کر لیا ہے۔ پہلے تو بہت سست رفتار سے قدم اٹھاتا تھا لیکن ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۶ء کے درمیان جبکہ کانگریسی راج تھا بڑی تیزی کے ساتھ عمارتوں کی تعمیر اور قبضہ کی تکمیل کی گئی۔ قبر کے پاس گوبر کوڑا کرکٹ جمع کیا جاتا ہے۔ مسجد تو مسجد ہی نہ رہی اور قبرستان کے درخت کاٹ لئے گئے۔ درخت کاٹنے اور قبروں کی توہین کی اطلاع گاؤں کے ڈسٹریکٹ کو دی گئی۔ اس پر یہ کارروائی ہوئی کہ چند ماہ بعد رپورٹ کرنے والے کو ڈسٹریکٹ کی رپورٹ پر اپنا گھر منہدم کرانا پڑا۔ قبروں کے انہدام کی رپورٹ کرنے پر اپنا گھر منہدم کرنے کا حکم کتنی منصفانہ کارروائی ہے۔

(۲) جن بزرگ شاہ زین الدین کے نام سے یہ قصبہ موسوم ہے ان کا مقبرہ بھی اسی گاؤں میں ہے۔ ان کا عرس ہر سال ۱۵ رمضان کو ہوتا ہے۔ اس مقبرہ تک جانے کا راستہ ایک افتادہ زمین سے ہو کر ہے۔ یہ زمین عرصہ دراز سے غیر مرزوعہ تھی۔ لیکن ۱۹۳۸ء سے اس کی کاشت صرف اس غرض سے شروع کی گئی کہ مقبرہ کا راستہ بند ہو جائے۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء کے عرس کے موقع پر ہندو کھیت میں جمع ہو گئے اور زائرین کو کھیت میں سے ہو کر گزرنے سے روک دیا۔ اور کانٹے سے زمین گھیر دی۔ زائرین کو بڑی تکلیف ہوئی۔ اس گاؤں میں ڈھائی سو سے تین سو گھر ہندوؤں کے ہیں اور چالیس پچاس گھر مسلمانوں کے۔ جو زائرین اس نئی افتادہ

بے خبر تھے اور کھیت کی طرف بڑھ چلے اُن کے ساتھ درشتی کا سلوک کیا گیا۔ دیشیکھ اور پولیس نے اس سلسلہ میں کوئی انتظام نہیں کیا کہ راستہ کی دھڑ سے دیا جائے اور مسلہ اور قادیانی حق استعمال میں رکھا وٹ اور درشتی کی رپورٹ جب دیشیکھ سے کی گئی تو جواب ملا کہ ”عالت جاؤ“

(۳) زمین آباد قصبہ سے ملا ہوا ایک مقبرہ ہے جسے مولا علی کا مقبرہ کہتے ہیں۔ یہاں کے ہندو کاشتکار قبر سے ملا کر کھاد کا ذخیرہ رکھتے ہیں اور بھوسہ وغیرہ قبروں کے اوپر ڈھیر کیا جاتا ہے جس کو لاسنے اور رکھنے کے لئے قبروں کے اوپر سے اُتے جاتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب اعتراض کیا تو جواب ملا ”راج ہمارا ہے۔ تم کو یہی کیا سکتے ہو“ تو یہ قبر اور استعمال ناجائز کی اطلاع دیش کھ کو دی گئی مگر کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

(۴) قصبہ کے پاس ایک اور قبرستان ہے جو ”ملاؤں کا قبرستان“ کے نام سے موسوم ہے۔ ہندو کاشتکار نے اس قبرستان کی زمین کے کافی حصہ کو مع قبرستان کے اپنے کھیت میں ملا لیا ہے اور ملا تا چلا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے اعتراض کا درشتی کے ساتھ جواب ملا۔ دیشیکھ کو رپورٹ کی گئی مگر کچھ نہ ہوا۔ اس قصبہ کے مسلمان یا بہت چھوٹے کاشتکار یا غریب دوکان دار ہیں ان میں دیوانی لڑنے کی تاب کہاں۔ پھر شکایت کے سبب روزانہ اینڈارسانی اور بانسکاٹ کا چشم دید خطرہ ہمت توڑ دیتا ہے۔ قیر دیوانی تو الگ رہی۔ تغزیرات ہند کی توہین مقابر کی دفعہ سے بھی جو قابل دست اندازی پولیس ہے۔ ہندو دشمنی کر دیئے گئے ہیں بشرطیکہ قبر مسلمان کی ہو۔

۳۔ ضلع ساگر

(۱) ساگر:-

(۱) ۱۹۲۶ء میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا کہ نماز کے وقت مسجد کے سامنے باجہ نہیں بجایا جائے گا۔ لیکن جب کانگریسی وزارت برسرِ اقتدار آگئی تو یہ معاہدہ خواب و خیال ہو گیا۔ ۱۹۳۷ء کے دسمبر کے موقع پر ہندوؤں نے بہت بڑا جلوس نکالا جسے قصدِ اُماں کے وقت جامع مسجد کے سامنے لائے۔ یہ مسجد جہاں پر واقع ہے اُس کے چاروں طرف ہندوؤں کی آبادی بہ کثیر ہے۔ بیچ چوک میں صرف یہ مسجد ہے اور اُس سے متعلقہ دوکانیں چاروں طرف ہندوؤں کا محلہ ہے۔ جس وقت یہ جلوس پہنچا تو تھوڑے سے مسلمان جو مسجد کے اندر اور دوکانوں میں تھے ہندوؤں کے اثر و دام میں گھر گئے۔ ہندوؤں نے نہ صرف زور زور سے باجہ بجا کر نماز میں خلل ڈالا بلکہ ایک فاتح کی حیثیت سے جے کارے لگاتے۔ چنچتے۔ چلاتے اور باجہ بجاتے ہوئے مسجد کے چاروں طرف کئی بار گھومے۔ اور چھپر چھاڑے آگے بڑھ کر اپنی کثرت اور مسلمانوں کی قلت، نیز حکومت کی چشم پوشی اور پشت پناہی کے یقین کامل کا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے دستِ اڑی بھی شروع کر دی۔ مسلمانوں کے اعتراض کرنے پر غلغلہ ملبہ کرتے ہوئے حملہ آور ہو گئے مار پیٹ شروع ہو گئی مسلمانوں کا بہت کافی نقصان ہوا۔ لیکن پولیس نے معاہدہ توڑنے والے مسئلہ روایات کی خلاف ورزی کرنے والے۔ بلوے کی ابتدا کرنے والے ہندوؤں سے کچھ نہ کہا اور صرف مسلمانوں کے خلاف مقدمات قائم کر دیئے۔ اس سلسلہ میں ایک بھی ہندو کسی قسم کے جرم کا لازم نہیں پھیرا۔ (۲) ۱۹۳۹ء میں راجہ کو جبکہ مسلم نیشنل گارڈ علم لے کر واپس ہو رہا تھا۔ اُسی وقت ایک نقلی مُردے کا جلوس نکالا گیا اور ایسے راستے سے لے جایا گیا کہ

علم کے جلوس سے ٹڈ بھڑٹھیک کو توالی کے سامنے ہو جائے۔ یہ جلوس اور کسی سال نہیں نکلا تھا اور ابھی ہوئی کو کئی دن باقی تھے پولیس نے اس کے نکالنے اور مخصوص راستوں سے گزرنے میں کوئی مزاحمت نہ کی۔ مسلمانوں نے باوجود اشتعال کے گزشتہ بلوہ کے تجربات کو پیش نظر رکھتے ہوئے معاملہ کو بڑھنے نہ دیا اور خود ہی دامن بچا کر چلے گئے۔ ورنہ دوبارہ فساد ہوتا اور کون ملزم ٹھرتا یہ ظاہر ہو۔

(۳) جب ۹ محرم کو بلوہ کرانے میں کامیابی نہ ہوئی تو ۸ محرم کو ساڑھے ۷ بجے شب کے قریب نبی داد خاں کے علم پر بابو کالی چرن دکیل کے مکان کے پاس پتھر پھینکے گئے جس سے دو مسلمان زخمی ہوئے۔ پولیس میں اطلاع کی گئی مگر کوئی کارروائی نہ ہوئی۔

(۴) پھر نو محرم کو صدر بازار کی سواری کے راستے میں بہاری کی پٹری کے پاس کانٹے بچھا دیئے گئے۔ پولیس شرارت کرنے والوں کا پتہ چلانے کی ضرورت نہ سمجھی یا حسب دستور ثبوت دیتا نہ ہو سکا۔

(۵) اسی روز یعنی ۹ محرم کو پٹری میں پیر محمد اور اس کے ساتھیوں پر چرن میں ہندو بھی تھے جبکہ وہ بُراق کی سواری نکالنے جا رہے تھے پتھر پھینکے گئے۔ پیر محمد اور ایک ہندو لوٹ کا کروری الٹ مخرج ہوئے۔ پولیس میں اطلاع دی گئی۔ نتیجہ حسب سابق۔

(۶) واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس کی منظم کوشش تھی کہ محرم کے موقع پر بلوہ ضرور کرایا جائے تاکہ گزشتہ بلوہ کی طرح مسلمانوں کو پھانسا جاسکے کیونکہ ۹ محرم کو متعدد جگہ پتھر پھینکے اور اشتعال لانے کے واقعات ہوئے۔ علاوہ اوپر لکھے ہوئے واقعات کے اسی روز ۸ بجے شب کو قاضی محلہ میں جہاں ہدایت علی شاہ کا تعزیہ اور تھیاں کا بُراق سجایا جاتا ہے مسلمانوں پر پتھر پھینکے گئے۔ پولیس حسب دستور خاموش رہی۔ (۷) شب دہم کو ۳ بجے رات کے وقت بُرا بازار میں قصاب منڈی کے

تقریروں اور براقوں پر کافی پتھر پھینکے گئے۔ پتھر ایک ذرہ عمارت سے آ رہے تھے۔ پولیس کو سب کچھ بتایا گیا۔ مگر کون سُنتا تھا۔

(۸) نویں ہی محرم کو جبکہ سینچرہ کے مسلم اسکاؤٹس شیخ بابو کا براق اٹھانے جا رہے تھے ان پر بھییم اکھاڑے سے پتھر پھینکے گئے۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ نتیجہ حسب سابق۔
(۹) ۱۰ محرم کو جب پھر پاکستان کے مسلم والنٹیر مکان واپس آ رہے تھے پلٹن گنج میں ان پر پتھر پھینکے گئے۔

(۱۰) جب تقریروں کا جلوس کربلا کی طرف جا رہا تھا۔ تو پلٹن گنج میں ایک مندر کے پاس سے اُن والنٹیروں پر جو جلوس کے اخیر میں تھے پتھروں کی بارش ہوئی۔ پولیس سب کچھ دیکھتی رہی مگر کوئی کارروائی نہیں کی۔

ان تمام واقعات سے ظاہر ہو گا کہ مسلمانوں نے کس قدر برداشت، تحمل اور برو باری سے کام لیا اور پولیس نے دانستہ تعاضل، اغماض اور جنبہ داری سے کام لیتے ہوئے شرانگیزوں کی حوصلہ افزائی کی۔

(۲) تسلی :-

اس قصبہ میں مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے اُن کا مکمل باسکاٹ کیا گیا۔ بہت سے مسلمان ملازموں کو ہندوؤں نے درخواست کر دیا۔ پولیس نے شرانگیزوں سے کوئی باز پرس نہ کی۔

(۳) پتھر یا :-

ایک مسلمان عطر والے کو ہندوؤں نے بُری طرح پٹیا۔ اس نے پولیس کو اطلاع دی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

(۴) کھڑی :-

کھڑی کے ایک مسلمان درزی کو ہندو سب انسپکٹر پولیس نے اس جرم میں کہ اس نے اتنے قلیل وقت میں جتنا کہ سب انسپکٹر مذکور چاہتے تھے کپڑا سی کر دیتے سے انکار کیا بہت بڑی طرح لات گھونسوں اور ٹھوکروں سے مارا۔ وہ بہت کافی مضروب ہوا۔ واقعہ کی اطلاع افسران بالا کو دی گئی اور ضلع کانگریس کمیٹی کے صدر صاحب کو بھی جو اسمبلی کے ممبر بھی ہیں اطلاع دی گئی۔ صدر کانگریس نے توصات کہا کہ مسلم لیگ سے جا کر فریاد کرو۔ افسران بالا کی اطلاع دی گئی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان ہیڈ کانسٹیبل کو اس شبہ پر معطل کر دیا گیا کہ اسی نے درزی کو افسران بالا کے پاس شکایت کرنے کے لئے ابھارا ہی، اور بعد میں اُسے برخواست بھی کر دیا گیا۔ درزی نے استغاثہ دائر کیا۔ مقدمہ کی سماعت ایک سال سے زائد ہوتی رہی۔ تاریخیں پڑتی رہتی ہیں تاکہ اس عرصہ میں گواہوں اور ثبوت کو مختلف ذرائع سے خراب کیا جاسکے۔

(۵) دموہ :-

(۱) موضع پیٹیا سگونی کی ایک مرہٹہ برہمن عورت مسماہ سوپتری دیوی بیوہ سری دھراؤ عمر پینتیس سال نے حکام کو باضابطہ اطلاع دینے کے بعد یکم دسمبر ۱۹۳۸ء کو اسلام قبول کیا اور ۲ دسمبر ۱۹۳۸ء کو عبدالکریم ٹھیکہ دار ساکن دموہ کے ساتھ نکاح کر کے یہیں رہنے کے لئے چلی آئی۔ ہندو حلقوں میں ایک ہتھکڑی چم گیا۔ انتقام کی تدبیریں ہونے لگیں مکان پر جا جا کر دھمکیاں دی گئیں اور غریب عورت کا راستہ چلنا مشکل ہو گیا۔ ۹ دسمبر کو قمر النساء سوپتری دیوی اپنے پولیس کو تحریری اطلاع دی کہ اس کی جان خطرہ میں ہے۔ پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ مجبور ہو کر سنبھالنا بند کر دیا۔ اس عورت کے پہلے شوہر نے اپنی کل جائیداد وصیت کے ذریعہ مقامی مندر کو دیدی تھی۔ عورت نے اپنے متوفی خاوند کی وصیت کے مطابق کل جائیداد مندر کے پجاری کے حوالہ کر دی اور اُس سے باقاعدہ رسید لے لی۔ یہ واقعہ جولائی ۱۹۳۸ء کا ہے۔ چھ مہینہ بعد جبکہ اُس نے مسلمان ہو کر نکاح کر لیا تو ۹ جنوری ۱۹۳۹ء

کہ اس کی سابقہ سوکن بہت بھانگی طرف سے فوجداری میں نالش دائر ہوئی جس میں زبردفعات ۱۹۹۱
 دہشتہ ۱۹۹۱ و ۱۹۹۲ تفریرات ہند قمر النساء اُس کے شوہر اور سچاری پر یہ الزام لگایا گیا کہ مندر کی منقولہ
 جائیداد بالیتی ساڑھے چھ ہزار روپیہ انھوں نے دہلی کو اور حلفی بیان داخل کیا کہ یہ مال
 عورت نے اپنے سنے مکان میں رکھا ہو۔ فاضل مجسٹریٹ مسٹر سپانچا نے بغیر کسی تحقیقات
 کے صرف سوکن کے بیان پر عورت اور اُس کے مسلم شوہر کے خلاف وارنٹ گرفتاری اور وارنٹ
 خانہ تلاشی جاری کر دیئے۔ ۱۰ جنوری کو وارنٹ جاری ہوئے اور اسی ہزاری کی سہ ہر کو خانہ
 تلاشی لی گئی۔ مبینہ مال مسروقہ میں سے کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ عورت کے شوہر عبدالکیم ٹھیکہ دار
 کا کچھ کاروبار موقوف پیٹر یا سگونی میں بھی ہے۔ اس غرض سے اُس نے متوفی سری دھر کے موقوفہ
 مکان کا ایک حصہ کرایہ پر لئے رکھا تھا جس میں اُس کا سامان رہتا تھا۔ اس مکان کا ایک حصہ
 سچاری کے قبضہ میں بھی ہے اور عیدالکیم کی غیر حاضری میں سچاری اور ملازمین ہی اس پر نگہ رانی
 رکھتے تھے۔ ۱۰ جنوری کی ناکامیاب خانہ تلاشی کے چند روزہ دن بعد پھر ایک درخواست اُسی
 سوکن کی طرف سے دی گئی کہ مال مسروقہ عبدالکیم کے مکان واقع پیٹر یا سگونی میں ہے لہذا اُس کا
 تلاشی لی جائے۔ فاضل مجسٹریٹ نے اس مرتبہ بیان حلفی کی ضرورت بھی نہ سمجھی اور وارنٹ جاری
 کر دیئے۔ مکان کی تلاشی ہوئی اور مال مسروقہ کی جو فہرست دی گئی تھی جسکی مالیت ساڑھے چھ ہزار
 بتائی گئی تھی اُس میں سے تین بیلیچے اور ایک چھٹا قیمتی مبلغ صہر پو لیس کی رپورٹ کے مطابق
 اُس مکان سے برآمد ہو گئے۔ اس مقدمہ میں مستغیثہ نے ۸ اکو اہوں کو جو سب کے سب ہندو
 ہیں طلب کر لئے کی درخواست دی۔ ان کے نام خرچہ داخل کے بغیر سمن جاری کرنے کا
 حکم ہو گیا۔ ان دفعات کو دیکھ کر نو مسلمہ عورت اور اُس کے شوہر نے ڈپٹی کمشنر مسٹر مہتا کے پاس
 انتقال مقدمہ کی درخواست دی جو نامعلوم ہوئی۔ یہ چارے کو ناگپور ہائیکورٹ دوطہ نا
 پڑا جہاں سے انتقال مقدمہ کی درخواست منظور ہوئی اور مقدمہ دومہ سے ساگر کی عدالت
 میں منتقل کر دیا گیا۔

(۲) مسلمانوں کے بائیکاٹ کی تحریک یہاں زوروں پر پھیلانی گئی۔ دیہات سے آنے والے ہندوؤں کو بہ جبر منع کیا جاتا کہ وہ مسلمانوں سے کاروبار نہ کریں۔ اس کا سب سے زیادہ اثر مسلمان بیٹری فروشوں پر پڑا جس ہندو کے پاس مسلمان کارخانہ کی بیٹری نظر آتی اس پر دباؤ ڈالا جاتا۔ ناریل والا نامی ایک ہندو کو صرف اس جرم پر زبرد کو بکایا گیا کہ اُس نے ایک مسلمان کے یہاں سے بیٹری خریدی تھی۔ پولیس کو اطلاع ہوئی مگر خاموشی رہی۔

(۳) ہندو سمجھا کے ایک کارکن لال سنگھ اور گیارہ پان والا کپتان ہندو سمجھا والیٹیر کو ر نے مسلمانوں کے بائیکاٹ کی تبلیغ علانیہ اور شورش انگیز طریقہ پر کی مسلمانوں سے سبزی خریدنے کے جرم پر سبزی کا چھن کے ساتھ یہ لوگ جبری طرح پیش آئے اُس نے پولیس کو اطلاع دی مگر کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ یہ لوگ اس پاس کے مداخلت میں بازار کے دن خاص طور پر سر بازار مسلمانوں کے بائیکاٹ کی تبلیغ کرتے جس سے نقص امن کا بھی ہر وقت خدشہ ہو جاتا تھا مگر پولیس نے کبھی تعارض نہ کیا۔

(۴) غلہ کے بازار میں ایک عرصہ تک مسلمانوں کی بولی لی جانی بند کر دی گئی تھی۔

(۶) کیتھورا :-

اس قصبہ میں ہندوؤں کے سارے تین سو گھر ہیں مسلمان صرف نو گھر ہیں وہ بھی بہت غریب۔ ان مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ ہندو کے شراب کھانا کھائیں۔ ان کے انکار کرنے پر مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ ان کو کام دینا بند کر دیا گیا۔ کاشت کے لئے زمین دینے سے انکار کی دھمکی دی گئی۔ اور ہر طرح سے تنگ کیا گیا۔ بائیکاٹ ایک مہینہ تک جاری رہا۔ پولیس نے ان مسلمانوں کی داد رسی اپنے فرض سے باہر سمجھی۔

(۷) پنوار :-

اس گاؤں میں گیارہ گھر مسلمانوں کے ہیں۔ یہاں جمعہ کو بازار لگتا ہے۔ اسکے باعث اُس روز مسلمانوں کی خاصی تعداد جمع ہو جاتی ہے جو اوٹھراؤ ہر سے بھی آتے ہیں۔ جمعہ کی نماز

یہ لوگ نہیں ٹپھہ سکتے تھے کیونکہ کوئی مسجد نہ تھی۔ مسلمانوں نے کوشش کر کے ایک قطعہ زمین حاصل کیا اور مسجد کی بنیو ڈالی۔ پھر کیا تھا ہندوؤں کی طرف سے دھمکیاں شروع ہو گئیں۔ بائیکاٹ کا آغاز ہو گیا مسلمان غریب کاشتکاروں کو اطلاع دیدی گئی کہ آئندہ سال زمین کاشت کے لئے نہیں ملیگی۔ انہیں اس قدر تنگ کیا گیا کہ غریبوں نے مجبور ہو کر تعمیر بند کر دی۔ پولیس ایکسی کانگریسی لیڈر نے ان غریبوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ کی۔

(۴) ضلع جبلپور :-

(۱) جبلپور - دسہرہ کا بلوہ

(۱) جبلپور میں ۱۹۲۷ء کے بعد سے فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا تھا لیکن کانگریسی وزارت کے برسر اقتدار آتے ہی ہندوؤں کے حوصلہ بڑھ گئے اور ۱۹۳۷ء کے دسہرہ میں ہندوؤں نے کالی کا جلوس اس شہر میں نکالا۔ یہ بالکل نئی چیز تھی۔ اس شہر میں کبھی یہ جلوس نہیں نکلا تھا۔ یہ تعداد کثیر مسلح ہندو اس جلوس میں شریک ہوئے۔ جب دسہرہ کا تمام جلوس آگے نکل چکا تب کالی کی سواری اخیر میں آئی اور ایک بیک شور مچا دیا گیا کہ پتھر پتھر کئے اور مسلمانوں پر حملہ شروع ہو گیا۔ ہندو سب انسپکٹر اور متعدد ہندو ہیڈ کانسٹیبل و کانسٹیبلوں نے جو جائے وقوع پر ڈیوٹی کر رہے تھے کانگریسی وزیراعظم کی تحقیقات کے موقع پر بیان دیا کہ اٹھوں نے پتھر آئے کا شور مچا دینا لگاتے ہوئے نہیں دیکھے۔ پتھر سے کوئی ہندو زخمی نہیں ہوا اور نہ سواری پر ہی ضرب لگی لیکن مسلمانوں پر حملہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے ایک مسلمان کو بھالے اور چاقو سے زخمی کیا گیا۔ اسکے بعد سے ہر جگہ نیت مسلمانوں پر حملہ شروع ہو گیا حکومت کے اعداد و شمار کے مطابق اس بلوہ میں ۵۶ ہندو اور ۶ مسلمان زخمی ہوئے اور ایک ہندو زخمی ایک ماہ بعد مر گیا۔ مگر قصور وار زیادہ مسلمان ہی سمجھے گئے۔ ۲۴ ہندو گرفتار کئے گئے اور ۲ مسلمان۔ ایک مسجد کا کچھ حصہ بھی ہندوؤں نے برباد کر ڈالا۔ اس بلوہ کے موقع پر بہت سے کانگریسی ممبر اسمبلی جبلپور پہنچے۔ خود وزیراعظم بھی تشریف لائے اور اسمبلی

میں ماہ دسمبر تحریک التواپیش ہوئی جس میں بڑی زہریلی تقریریں کی گئیں اور وزیراعظم نے باوجود اس کے کہ پولیس کے ہندو حکام کا یہ بیان ہو کہ پتھر آتے ہوئے انہوں نے نہیں دیکھے۔ تحقیقات سے قبل ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہد یا کہ بلوہ مسلمانوں کے پتھر پھینکنے کے سبب ہوا مسٹر افتخار علی نے ٹوک کر کہا بھی کہ کیا پتھر ایک ہندو کے مکان سے آنے کے متعلق مستند بیان موجود نہیں ہے، وزیراعظم نے کہا کہ اس کی انہیں کوئی اطلاع نہیں۔ بہر حال ایک تحقیقاتی کمیشن کی تجویز کو حکومت نے قبول کر لیا۔ وزیراعظم نے جو تحقیقات کی اس میں ہندوؤں کی شرارت آشکارا ہو گئی۔ تحریک التواپیش کرنے والے ہندو ممبر اسمبلی نے جرح میں یہ قبول کیا کہ انہوں نے سنی سنائی باتیں بیان کر دی تھیں۔ حکومت نے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کو چھپا رکھا، اور اب تک شائع نہیں کیا ہے۔ ہندوؤں ہی کی تحریک پر اور ٹاؤن کانگریس کمیٹی کی درخواست پر یہ کمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ مگر ہندو اور کانگریسی وزرا اسکی رپورٹ شائع کرنے سے خوف کھا رہے ہیں۔ کیوں اس لئے کہ ہندوؤں کی شرارت کا پردہ چاک ہو جائے گا۔

محرم میں اشتعال انگیزی :-

(۲) مسلمانوں کو جی بھر کر کچلنے اور بچانے کا دعائے دلی حبیب دسمبر ۱۹۳۷ء میں پورا نہ ہو سکا تو محرم ۱۹۳۸ء میں بلوہ کرا نیکی پوری کو شیش کی گئی۔ یعنی دسمبر کے بلوہ کے ۵ ماہ بعد ۵ محرم سے لیکر ۱۳ محرم تک تعزیریں اور سواریوں پر تینیں بارخشت باری کی گئی مگر مسلمانوں نے بڑے تھل سے کام لیا اور اشتعال انگیزی کو برداشت کرتے رہے اسلئے بلوہ نہ ہو سکا۔

انصاف کے قتل کی ایک خونی داستان ہولی کے فسادات

(۳) محرم کے چند دنوں بعد ہی ہولی آگئی۔ ہندوؤں کا ہولی کے سلسلہ میں کبھی

کوئی بڑا جلوس نہیں نکلتا تھا بلکہ مختلف ٹولیاں اِدھر اُدھر گھوم کر آپس میں رنگ پھینکا کرتی تھیں۔ اس سال سارے چھوٹے چھوٹے جلوسوں کو خیر باد کہہ کر ایک بڑا جلوس نکالا گیا۔ یہ جلوس مسلمان محلوں سے خاص طور پر گذرا۔ جلوس میں تمام کانگریسی لیڈر راور دو ممبر اسمبلی موجود تھے۔ جلوس والوں نے مسلمانوں پر حملہ شروع کر دیا۔ راستہ میں جو مسلمان بلا ان کی دست بڑ سے نہ بچا۔ پہلا حملہ انجمن اسلامیہ کے ایک طالب علم پر ہوا، یہ لڑکا میٹرکولیشن کے امتحان میں شریک نہ ہو سکا۔ پھر ایک تانگہ والے پر حملہ کیا گیا جسکی رپورٹ فوراً پولیس میں کی گئی۔ اطلاع قبل اس کے کہ جلوس کو توالی تک پہنچے کہ توالی میں دی جا چکی تھی۔ جلوس راستوں میں مسلمانوں کی خبر لیتا ہر مسلمان سے چھڑ بھاڑ کرنا کہ توالی پہنچا اس وقت دس ہزار مسلح ہندو اس جلوس میں موجود تھے میٹر نیاز احمد خاں کو توال شہر ان دنوں گھر میں غمی ہو جانے کے باعث چھٹی پختہ یہ کہ توالی مسجد سے اپنے بچے کا سوگم کر کے باہر نکل رہے تھے کہ پکڑ کر ان کے چہرے بھی گلال اور عمیر سے لال کر دئے گئے۔ ان تمام حرکتوں کی اطلاع کے باوجود پولیس نے جلوس کو روکنے یا اس کے ساتھ اتنی کافی پولیس کر دینے کا کہ یہ مزید ہنگامہ نہ کر سکیں کوئی انتظام نہیں کیا۔ اس طرح یہ فاسٹانہ جلوس مدنی گنج کے چورستہ پر پہنچا جہاں گذشتہ دسہرہ میں میں فساد ہوا تھا۔ یہاں ان کی آتش انتقال شعلہ جوالہ بن گئی۔ پہلے ایک بڑھے مسلمان کو جو اپنی دوکان کے اندر بھاگ رہا تھا پکڑ کر باہر لایا گیا اور لاٹھیوں سے نہایت برجمی کے ساتھ اسے مارا گیا۔ دوسرا شخص ایک مسلمان نوجوان کو بنایا گیا جو پھلوں کی ٹوکری لئے جا رہا تھا۔ تیسرا بد قسمت مسلمان اپنی بیمار بیوی کے لئے جو بائگن اسپتال میں پڑی تھی کھانے لئے ہوئے سائیکل پر اس راستہ سے گذر رہا تھا کہ ان کے تیر ستم کا نشانہ بنا۔ یہ تینوں مجروح زخموں کے صدیوں سے راہی ملک بقا ہو گئے۔ جلوس نے مسلمانوں کے مکانات پر چورستہ میں ملے بے شمار پتھر پھینکے اور متعدد دروازے توڑ ڈالے پیکان کے اندر داخل ہونا چاہتے ہی تھے کہ چند مسلمانوں نے مدافعت کرنی شروع کی۔ اتنے

میں پولیس کافی تعداد میں آگئی اور اُس نے جلوس والوں کو تو اور ہمدردی منظر پیش کر دیا۔ البتہ جو مسلمان ممانعت کے لئے جمع ہوئے تھے ان کی خبر لی پھر کیا تھا یہ ٹولی جلد ہر گئی روٹ کھسٹ مار ڈھاڑ شروع کر دیا۔ ہر گلی کوچہ میں حملے ہونے لگے۔ یہ واقعہ ۶ مارچ ۱۹۴۷ء کا ہے۔ جب پولیس ہندوؤں کو جی بھر کر بخار نکالنے کا موقع دیکھی تو دفعہ ۱۹۴۷ء کا نفاذ ہوا۔ یعنی اس لئے کہ مسلمان ہندوؤں سے بدلہ نہ لے سکیں۔ مسلمان محلوں کی پوری ناکہ بندی کی گئی۔ ہندو محلوں میں یونٹی سا انتظام کیا گیا۔ ہندو محلوں میں مسلمان ہندو کا سنبھلنے کے سامنے پٹے پٹے تھے اور یہ کھڑے دیکھتے تھے۔ ۱۹ مارچ کو ایک حملہ کے چند مسلمان جنازہ لیکر قبرستان گئے۔ راستہ میں گڑھا پھاٹک پر ہندوؤں نے چھپر چھاڑ کی مگر نہ نیکل گئے۔ یہ چیز ہندوؤں کو شاق گذری اور واپسی کا انتظام کیا جانے لگا۔ مسلمان بھی تیسرے سمجھ گئے تھے۔ افسروں کو یہ اطلاع بھی دیدی گئی کہ مسلمان جنازہ کا ڈھونگ رچا کر محلوں میں گھسنا چاہتے ہیں۔ اسکی تصدیق کے لئے سٹی سپرنٹنڈنٹ اور سٹی مجسٹریٹ قبرستان پہنچے اور اپنا اطمینان کر لیا۔

مسلمانوں نے وہیں ان سے کہا کہ وہ ہندوؤں کے تیور دیکھ چکے ہیں غیر مسلح ہو کر اُس راستہ سے واپس نہیں جائیں گے ان افسروں نے کہا کہ ہمارے ساتھ چلو۔ یہ آگے آگے اور پیچھے پیچھے مسلمان چلے لیکن حیرت یہ گڑھا پھاٹک سے گزرنے لگے تو پتھروں کی بارش شروع ہو گئی، اور چاروں طرف سے ہندوؤں کا مسلح مجمع آگے بڑھتا ہوا نظر آیا۔ پولیس پولیس افسر اور مجسٹریٹ کو بھی پتھر لگے۔ کانسٹیبل اپنی لاکھڑیوں کے ساتھ مکانوں میں چھپ گئے۔ تب مسلمانوں نے انہیں کانسٹیبلوں کی لاکھڑیاں پھینک کر مجمع کا مقابلہ کیا اور انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ راستے میں پولیس کی بڑی تعداد آگئی اور ان گھر سے ہوئے لوگوں کی جان بچی۔ مگر ان مسلمانوں کا دفعہ ۱۹۴۷ء کی خلاف ورزی میں لاکھڑیاں رکھنے کا الزام لگا کہ چالان کر دیا گیا۔ ان مسلمانوں

کے گھر جانے کی خبر ایک مسلمان محلہ میں پہنچی۔ اور وہاں کے مسلمان جان پکھیل کر باہر نکلنے لگے۔ راستہ میں بعض ہندوؤں سے ٹکھڑ ہوئی جو زخمی ہو گئے۔ اسکی اطلاع ملتے ہی پولیس کے دستے کے دستے مسلمان محلہ کی ناکہ بندی پر تعینات کر دیئے گئے اکاد کاہلوں کا سلسلہ جاری رہا اور ۲۲ مارچ کی شب کو ایک ضعیف مسلمان کو جبکہ وہ بڑی سڑک پر سے گزر رہا تھا بھالا مارا گیا۔ یہ سات دن زخمی رہ کر انتقال کر گیا۔ مگر اسنے اپنے حملہ آوروں کے نام بتائے اور شناخت بھی کیا۔ معلومہ اعداد و شمار کے مطابق اس بلوہ میں چار مسلمان جان سے مارے گئے اور ۲۴ زخمی ہوئے اور ۶ ہندو زخمی ہوئے۔ مگر یہ واضح رہے کہ مسلمان مجروحین ضرب شدہ کے شمارے تھے۔ بھالے بلم اور پھروں کی مار تھی۔ برخلاف اسکے ہندوؤں کے زخم معمولی تھے۔ ایک کو بھی ضرب شدہ نہیں تھی۔ یہ ۴ کی تعداد بھی اس طرح ہوئی جو کہ ان میں بہت سے اسپتال نہیں گئے تھے۔ اور تحقیقات کرنے والے افسر کے سامنے یہ بیان دیا کہ انہیں ضعیف ضرب پھریلا اٹھی سے لگی ہو۔ اور تحقیقات کے سلسلہ کا ظلم سننے تحقیقات مقامی پولیس افسر کی بجائے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور چھٹی پر سے واپس آچکے تھے اسی۔ آئی ڈی انسپکٹروں کے سپرد کی گئی۔ بہت سے سرخند ہندوؤں اور ایسے خندوں کو جن کا نام بتا گیا کہ انہوں نے قتل میں حصہ لیا ہر شناخت کی پریڈ میں بٹھایا نہ گیا مگر شناخت کی فہرست میں ان کا نام شامل کر دیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر کو درخواست دی گئی کہ ایسا ہو رہا ہے مگر ازام کو غلط قرار دیکر اسے نامعلوم کر دیا گیا۔ مگر جب یہی بد معاش بطور گواہ عدالت میں آئے تو انہوں نے اقبال کیا کہ ان میں سے تقریباً ایک درجن شناخت کے وقت پاس کے کمرے میں بٹھائے گئے تھے۔ جہاں وہ نظر نہیں آ سکتے تھے۔ ہندوؤں نے بہت سی رپورٹیں سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر کے آنے کے بعد کیں، ۱۶ کے واقعہ کی رپورٹ ۲۲ اور ۲۴ کو کی گئی۔ اور انہوں نے اپنے بیان میں اقبال کیا کہ اگر سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر نہ پوچھتا تو وہ رپورٹ بھی نہ کرتے مسلمان نے اپنے حملہ آوروں کو جلد ہی شناخت کیا۔ برخلاف اسکے ہندوؤں سے بہت بعد میں شناخت کرائی گئی

انہوں نے جتنے مسلمان چاہے شناخت کر ڈالے جہاں تک ممکن ہو سکے مسلمانوں کو مجرم بنانے اور ہندوؤں کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش تبلیغ کے بغیر نتیجہ یہ نکلا کہ ۸۷ مسلمانوں اور ۵۲ ہندوؤں کا مختلف مقدمات کے تحت چالان ہوا۔ ذیل میں تقابل کے لئے مقدمات کی تفصیل درج کی جاتی ہے تاکہ قانون داں حضرات یہ دیکھ لیں کہ زیادتی کس نے کی ہوگی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے مقدمات کی نوعیت کیا تھی اور باوجود کوشش کے مسلمانوں پر کس جرم کا الزام عائد ہو سکا۔

مسلمانوں کے خلاف مقدمات

ہندوؤں کے خلاف مقدمات

۱۔ ۳۴ ہندوؤں کے خلاف زیر دفعات	۱۴۵ اور ۱۴۹ و ۳۲۴
۲۔ ۳۰۲ - ۳۲۶ - ۱۴۹ تعزیرات ہند تین مسلمانوں کے قتل اور ہندوؤں کو ضرب شدید پہنچانے اور بلوہ کرنے کا الزام تھا۔ اس گمراہی میں کئی کانگریسی مالدار میونسپل کمشنر میونسپل	تعزیرات ہند جلوس پر سنگباری کرنے اور پانچ ہندوؤں کو معمولی زخم پہنچانے کے جرم میں ماخوذ کیے گئے
۳۔ ایک اور سیرمقامی ہندو اسکول کا ایک ماسٹر اور متعدد دہڑے لوگ ماخوذ تھے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ سارا جلوس ابتداء سے اخیر تک مجمع نامائے	۲۔ ۱۶ مسلمانوں کے خلاف دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کا جرم تھا۔
۴۔ قرار دیا گیا تھا	۳۔ ۴۴ مسلمان زیر دفعہ ۱۴۴ تعزیرات ہند کسی کو کوئی ضرب نہیں۔
۵۔ ۱۶ ہندو گڑھ پھانگ کے نساؤ کے سلسلہ میں	۴۔ ۱۳ مسلمانوں کے خلاف دو آدمیوں کو ضرب خفیف پہنچانے اور ایک کار کو نقصان پہنچانے کا الزام تھا
۶۔ ماخوذ تھے۔	۵۔ کسی ہندو کو بھائے، بلم، یا چاقو کا زخم نہیں آیا تھا نہ کسی کو ضرب شدید جیسا کہ چالان
۷۔ دو ہندو ۲۲ مارچ کو ضعیف العمر مسلمان مارا گیا اسکے قتل اور متعدد لوگوں پر بلم اور چاقو سے	

کی دفعات سے ظاہر ہے - | حملہ کرنے کے جرم میں ماخوذ تھے -
مقدمہ چلا۔ تقریباً چار ماہ تک اس کی سماعت ہوتی رہی اور اگلے اگست ۱۹۳۸ء میں مقدمات جن میں
پر پہنچ چکے تھے ان کے تقابلی کی تفصیل درج ذیل ہے :-

مسلمانوں کے خلاف مقدمات | ہندوؤں کے خلاف مقدمات

۱۔ مسلمانوں کے خلاف جو مقدمہ تھا اس میں ۳۵ شہادتیں گواہی تھیں۔ واقعات سے باخبر تھا
اور دلائل کافی کا اندازہ یہ تھا کہ ۴۵ میں سے بشکل
دس کے خلاف فرد جرم لگ سکتی تھی وہ بھی ضرب
خفیف اور خشت باری کی۔ قریباً غالب یہ تھا کہ
بقیہ ۳۵ ملزمین فرد جرم لگانے سے پہلے ہی کر دیے
جائے۔ بقیہ دس بھی اگر انتہائی نادر یک پہلو لیا جائے
تو جرمانہ کی مناسبت سے مستحق ہوتے۔

۲۔ دوسرے مقدمہ میں جس میں ۴۵ مسلمانوں نے
فیصلہ نایا جانے والا ہی تھا، ننانوے فیصد ہی برائی
کی توقع تھی مستغنیث گواہ کا عدالت میں یہ بیان
ہوا تھا کہ اسے معلوم نہیں کہ کس نے اسے مارا اور
اسے چاروں ملزمین کے نام اپنے ایک پڑوسی
کے کہنے سے بتائے ہیں اور اس پڑوسی اور ملزمین
کی آپس میں دشمنی ہے۔

۳۔ تیسرا مقدمہ جس میں ۶۵ مسلمانوں کے خلاف
۴۵ ہندوؤں کے خلاف جو اصل مقدمہ

۱۔ ہندوؤں کے خلاف مقدمات ۳۴ ہندوؤں کے خلاف جیسے چوتھے
موسٹے کانگریسی، میونسپل کمشنر اور اسٹر قتل عمد، ضرب
شدید اور ملک ہتھیاروں کے ساتھ جمع ناجائز
بنکر بلوہ کرنے کے الزام میں ماخوذ تھے۔ اس میں ۶۴
گواہوں کے بیان ہو چکے تھے اور اگست ۱۹۳۸ء کے حکم کے لئے
مقرر تھے اور رونا اور مقدمہ سے یہ عام یقین ہو گیا تھا
کہ سب کے سب سسٹن سپر وڈ کر دیے جائیں گے
۲۔ دوسرا مقدمہ جس میں ۱۶ ہندو ماخوذ تھے اس
میں استغاثہ کی گواہیاں ہو رہی تھیں اور مقدمہ
کسی طرح مکمل نہیں ہوا تھا۔

۳۔ دہ ہندوؤں کے خلاف جو مقدمہ تھا وہ ختم
ہو چکا تھا اور ملزمین رہا کر دیے گئے تھے۔ کیونکہ
عدالت کی رائے میں یہ ثابت نہیں کیا جاسکا کہ یہی
حملہ آور تھے اور بھالاجی زخمی کے ساتھ ملا اس کے
مالک بھی ملزمین تھے۔

۴۔ بہر حال ہندوؤں کے خلاف جو اصل مقدمہ

دفعہ ۱۲۴ کی خلاف ورزی کا الزام تھا ختم ہو چکا تھا جس کے ساتھ اختتام پذیر
 ہیں سات مسلمانوں کوئی کس صہ جہانہ داخل کرنے کا ہونے والا تھا اور مجسٹریٹ کو ملنے میں کے مجرم
 حکم ہوا تھا جو انہوں نے دیدیئے ہونے کا یقین ہو چکا تھا جیسا کہ آگے کی سطور سے
 عکس چوتھا مقدمہ جس میں ۱۳ مسلمان دوا دیوں کو معلوم ہو گا۔

ضرب خفیف پہنچانے کے ملزم تھے ابھی شروع
 ہوا تھا۔ اسلئے اسکے متعلق کوئی صحیح رائے قائم
 نہیں کی جاسکتی۔

مقدمات کی اس صورت حال نے کانگریسوں کو بہت پریشان کیا یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا
 کہ کانگریسی راج میں مسلمانوں کو قتل کر کے کوئی ہندو یا کانگریسی سزا بھگتے۔ چنانچہ ایک درخوست
 حکومت کے نام بھیجی گئی کہ مقدمات اٹھائے جائیں جس پر بے شمار ہندوؤں نے دستخط کئے اور کسی
 طرح دو تین مسلمانوں کے دستخط بھی حاصل کر لئے گئے اس خبر کے عام ہوتے ہی مسلمانوں نے مقدمہ
 اٹھائے جانے کے خلاف سخت احتجاج کیا اور ۵ جولائی ۱۹۳۸ء کو بہت بڑے جلسہ عام میں تجویز
 منظور کی گئی کہ مقدمات اٹھانے کے معنے قاتل ہندوؤں کی طرف داری کرنا ہے۔ اس تجویز کی تائید میں تقریر
 کرنے والوں میں کئی مسلمان تھے جو ملزم تھے۔ یہ تجویزیں بروقت حکومت کو بھیج دی گئیں۔ مسٹر افتخار علی
 ممبر اسمبلی کو مسٹر ڈی سلوا سابق صدر چیمبرس پرنسپل بورڈ نے اس سلسلہ میں یہ بتایا تھا کہ جب یہ درخواست
 ڈاکٹر کھرے وزیراعظم کے پاس پہنچی تو انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ صرف ہندوؤں کی طرف سے
 ہی معزز مسلمانوں کے دستخط اس پر نہیں ہیں۔ مقدمات چل ہی رہے تھے کہ ڈاکٹر کھرے نکال دیے گئے
 اور مسٹر شلا ذریعہ اعظم ہوئے اس وقت کوئی مسلمان وزارت میں نہ تھا۔ اس وزارت نے مسلمانوں کے تمام
 احتجاجات اور روایات عدل و انصاف کو ٹھکرا کر استہزاء شرمناک طرف داری اور کھلی ہوئی ذلت
 پرستی کا کام لیکر تمام زیر سماعت مقدمات کے اٹھائے جانے کا حکم دیدیا۔ بہانہ یہ بتایا گیا کہ ہندو مسلم
 تعلقات اس کے بہتر ہو جائیں گے واقعات کی پوری تفصیل اوپر دیئے گئے بعد تبصرہ لا حاصل ہے۔

وزارت کی ذیل قسم کی جانبداری عیاں ہو صرف اتنا بتا دینا یہاں پر ضروری ہے کہ ہندو مسلم تعلقات کو بہتر بنانے کا یہ نسخہ صرف جیلپور ہی کے لئے مناسب سمجھا گیا جہاں کمی کانگریسی قتل کے الزام میں اخذ قے ساگرادہ دریا پور میں جہاں صرف مسلمان اخذ قے اور بلوہ کے مقدمات چل رہے تھے اس نسخہ کے ذریعہ ہندو مسلم تعلقات کو بہتر بنانے کا خیال وزارت کو نہ آیا۔ دوسری اہم چیز قابل تذکرہ یہ ہے کہ وزارت کا یہ نادری حکم اسی روز بدریعہ تاجر مجسٹریٹ کو ملا۔ جس روز حکم سنایا جانے والا تھا۔ ہندوؤں کے خلاف قتل کے مقدمہ میں مجسٹریٹ کے یہ ریاکار قابل غور نہیں۔

”اگرچہ تمام ملزمین کے خلاف مجرم ثابت ہو چکا ہو مقدار حسب ہدایت اٹھایا جاتا ہو“

یہ واضح رہے کہ صرف زیر سماعت مقدمات اٹھائے جانے کا حکم ہوا تھا گذشتہ دسہرہ کے بلوہ میں جبکہ ایک ہندو کی جان لگی تھی اور جن مسلمان ملزمین کو سزا نہیں ہوئی تھیں ان کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ مسلمانوں میں اس واقعہ سے بڑی سخت بد دلی پھیلی۔ انھوں نے اپنی احتجاج اور اظہار نفرت کے ہر طریقہ کو استعمال کیا۔ مسلمان ملزمین نے حکومت کو اور عدالت میں درخواست دی کہ وہ یہ نہیں چاہتے کہ مقدمہ ان کے خلاف اٹھایا جائے بلکہ وہ اس کا موقع چاہتے ہیں کہ عدالت میں اپنی بیگیا ہی ثابت کر کے باعزت طور پر بری ہو سکیں لیکن مسلمانوں کا یہ تمام شور و غل پاؤں ہوا ثابت ہوا۔ صوبائی حکام کو شل کانگریس کمیٹی نے بھی یہ محسوس کیا کہ حکم ایسا صادر ہوا ہے کہ فرقہ پرستی اور جانب داری اظہار میں اشمس ہو اس لئے اس کو ڈھانکنے کے لئے یہ نتیجہ منظر کی حکومت سے یہ استدعا کی جائے کہ وہ دسہرہ کے بلوہ کے ملزمین کو رہا کر دیں۔ ایک نو صوبائی کانگریس کا مشورہ بھی حکومت خود بھی پر دہ پوشی کی تلاش میں تھی اس لئے اس مسلمان ملزم کو جسے دسہرہ کے بلوہ میں ایک ہندو کی جان جانے کے سلسلہ میں لپی سزا ہوئی رہا کر دیا۔ مگر یہ کارروائی مشتے بعد از جنگ تھی۔

مسلمانوں کی درخواست پر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج جیلپور نے نظر ثانی کے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے تمام ملزمین کو نوٹس دیا کہ وجہ بتائی جائے کہ کیوں نہ مقدمہ نئے سرے سے ان پر چلایا جائے۔ ہندوؤں پر عنایات کی بارش کرنے کے بعد وزیر اعظم مسٹر شکلا اور مسٹر جیلپور

آئے مسلمانوں نے سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا اور احتجاجی مظاہرہ کیا۔ ہندوؤں نے خوب خوب دعوتیں دیں مگر مصر نے ایک ہندو مجمع میں بتایا کہ وزارت نے اُن پر کیا احسان کیا۔ اس پر ایک ہندو ملزم نے کہا کہ مگر سیشن جج کی عدالت سے ایسا نوٹس آیا ہے۔ اس پر مصر نے کہا کہ اس کی فکیریت کرو۔ ۳۱ اگست سے پہلے سب ٹھیک ہو جائے گا چنانچہ ہائیکورٹ میں درخواست دی گئی کہ سیشن جج کو ایسا نوٹس جاری کرنے کا اختیار نہ تھا۔ ہائیکورٹ نے مثل مقدمات اور سیشن جج سے جواب طلب کیا۔ سیشن جج نے لکھا کہ مقدمہ جس منزل پر تھا اُس وقت اٹھا لیا جانا انصاف اور انتظام اس قانون دونوں کے منافی تھا۔ ہائیکورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ حکومت کی طرف سے دائر کئے ہوئے مقدمات کو اٹھا لینے کا حکومت کو ہر وقت حق ہو۔ خواہ یہ قدم کتنا غیر منوزوں کیوں نہ ہو۔ اس کا اختیار نہیں ہو کہ وہ حکومت کو اس سے روک سکے، اور حکومت کے اٹھائے ہوئے مقدمہ کو عدالت دوبارہ چلانے کی مجاز نہیں ہو سکتی۔ اس طرح مصر کے قول کے مطابق ہندوؤں کا بال بیک نہ ہوا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حکومت نے مقدمات ایسے وقت پر اٹھائے کہ مسلمان استغاثہ کے حق کو بھی مبعاد مقررہ گذر جانے کے باعث محروم ہو چکے تھے اس طرح چار بے گناہ مسلمانوں کے قاتلوں کو جو صرف اس لئے کہ وہ کانگریسی وزارت کے بھائی بند تھے بے داغ چھوڑ کر انصاف و عدل کی پوری بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا۔

(۳۵) ۱۹۳۸ء میں دسہرہ بہت زیادہ دھوم دھام سے منایا گیا نئی نئی جگہ کالی کی پوٹیاں بٹھائی گئیں اور اُن جگہوں پر بھی جان مسلمانوں کا اعتراض ہو سکے۔ ہندوؤں میں ایسا فاتحانہ جوش خفا کہ دسہرہ کے انتظام کے لئے ایک ہزار مزید پولیس طلب کرنی پڑی۔ دسہرہ سے قبل ہی اکاڈ کا حملوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور کئی دنوں تک رہا مسلمانوں نے انتہائی ضبط سے کام لیا ورنہ پھر بڑا سخت بلوہ ہوتا اور یہی ہندو چاہتے تھے۔

(۴۱) اپریل ۱۹۳۹ء میں مسلمانوں کی امن پسندی کے سبب محرم بہ خیریت گذر گیا۔ لیکن ہولی کے موقع پر پھر ہنگامہ ہو گیا۔ ہندو جلوس پھرتی شان سے نکلے۔ اور مسلمانوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا

مگر اس نفعِ سلطانِ مدافعت کے لئے تیار تھے اس لئے جان سے نہ مارے جاسکے۔ مگر کراڈ کا مسئلہ کثرت ہو کے اور شہر کا امن غارت ہو گیا۔ پولیس اس دفعہ بہت کافی تعداد میں تھی اس لئے ہندوؤں کی کوشش کے باوجود زیادہ ہنگامہ نہ ہو سکا۔ حملوں کی ابتداء ہوتے ہی فوج بھی طلب کر لی گئی جس نے ہندوؤں کو آزادی کے ساتھ کھیل کھیلنے کا موقع نہ دیا۔ دفعہ ۱۲ کا لفاظی بھی ہو گیا پھر بھی کئی دنوں تک اکاڈ کا حملہ ہوتے رہے اور ہندوؤں کی شرانگیزی کا خمیازہ مسلمانوں کو بھی بھگتنا پڑا کہ متعدد مسلمانوں کا چالان مختلف مقدمات کے سلسلہ میں ہوا

(۵) اس فساد کے باعث شہر میں مختلف مقامات پر سوار تعینات کئے گئے تھے۔ ۱۹ مارچ ۱۹۳۹ء کو ایک سوار سے اور شہر کے ایک مالدار ہندو ناجی سیٹھ سنگن چند راٹھی سے کچھ تکرار ہو گئی۔ سوار کا بیان یہ تھا کہ سیٹھ صاحب نے انتظام میں بیجا طور پر دخل در معقولات کی اور نامناسب الفاظ استعمال کئے۔ بھیڑ بہت جمع ہو گئی۔ خیر ملتے ہی سٹی کو توڑا اور سٹی مجسٹریٹ موقع پر پہنچے اور وقتی تحقیقات سے سیٹھ صاحب کی زیادتی ثابت ہونے پر انھیں کو توڑا لے گئے۔ پولیس ان کے خلاف کاغذات مرتب کہی رہی تھی کہ ایک وفد جیلپور سے وزیر اعلیٰ کے پاس ناگپور پہنچا اور معاملہ گاؤ خور دہو کر رہ گیا۔ اخبارات میں سیٹھ صاحب کی گرفتاری کی اطلاع شائع ہو چکی تھی چھ روز بعد یعنی وزراء سے وفد کی کامیاب ملاقات کے بعد یہ بیان شائع ہوا کہ سیٹھ صاحب گرفتار نہیں کئے گئے بلکہ پولیس اور سٹی مجسٹریٹ انہیں اس لئے کو توڑا لے گئے تھے کہ انہیں اگر کوئی شکایت سوا کے خلاف ہے تو لکھ کر دیدیں۔ شاید پولیس نے اسی لئے انہیں چار گھنٹہ کو توڑا لی میں بٹھائے رکھا تھا۔ اصلی حقیقت یہ ہے کہ وزراء کی دخل اندازی نے پولیس کو ان کے خلاف مقدمہ نہ چلانے یا (۶) اس بارہ کے سلسلہ میں خود وزیر اعظم کی ذہنیت کا کیا حال تھا اس کا اندازہ ذیل کے دفعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ وزیر اعظم بلوہ کے بعد ہی جیلپور پہنچے اور شہر کا گشت اگاتے ہوئے پیشکاری کے قریب کسی کام سے اپنی موٹر روکی۔ ساتھ ساتھ مقامی لیڈروں اور حکام کا قافلہ تھا۔ وزیر اعظم حکام کی موٹریں دیکھ کر بہت سے تماشائی جمع ہو گئے۔ کہیں اسی مجمع میں ایک ٹوٹا تازہ لمبا ترنگا

پٹھان بھی تھا۔ وزیر اعظم نے جو نہ معلوم کن جذبات سے مغلوب تھے، ڈیپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کو حکم دیا کہ اسے گرفتار کر لیا جائے۔ افسر مذکور نے دانستہ یا شاید سنا نہ ہو اس کی تعمیل نہ کی۔ تب وزیر اعظم نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو پٹھان کی گرفتاری کا حکم دیا۔ یہ بچا رہے قصہ یہ گرفتار ہو کر کھانا لیجا یا گیا اور دن بھر حوالات میں رہنے کے بعد ضمانت پر رہا ہوا۔ اس کا چالان زیر دفعہ ۱۸۵ کیا گیا۔ پورے دو مہینے کچھری کا چکر مختلف تارخوں پر کاٹتا رہا۔ چونکہ کوئی گواہ دستیاب نہیں ہو رہا تھا اس لئے تاریخیں پڑتی جاتی تھیں۔ آخر ۱۲ مئی کو کورٹ انسپکٹر نے مقدمہ اٹھائے جانے کی درخواست عدالت میں پیش کی۔ جس پر عدالت نے یہ ریمارک کرتے ہوئے کہ ”جو بنو نہ سانسے ہو اسے دیکھتے ہوئے مقدمہ اٹھائے جانے کی اجازت دینا مناسب ہو“ ملزم کے بری کئے جانے کا حکم دیا اور اس غریب کی جان بچی۔

(۸۷) چلم کے زمانہ میں دفعہ ۱۸۵ نافذ تھی مسلمانوں نے درخواست دی کہ چلم کا موقع ہو، اکھاڑے بھی نکلتے ہیں اور مجمع بھی ہوتا ہے اس لئے یہ دفعہ اٹھا دی جائے۔ ڈپٹی کمشنر نے جواب دیا کہ ”کسی ایک قوم کے لئے کسی خاص قسم کی رعایت نہیں کیجا سکتی“ بطور احتجاج مسلمانوں نے چلم کا جلوس نہیں نکالا لیکن جب جون کے مہینہ میں ہندو پولیٹیکل کانفرنس کی صدارت کے لئے مسٹر ساوکر جمیلہ راکنے لگے اور ہندو اسکولوں کی تیاریاں زور شور سے کرنے لگے تو مقامی حکام نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اٹھ دن کے لئے دفعہ ۱۸۵ نافذ کر دی۔ مقامی ہندو سپریم کورٹ کے دہرائے کے پاس پہنچے اور سپریم کورٹ کے آگے سے قبل دفعہ ۱۸۵ کے نفاذ کا حکم حکومت کی ہدایت پر واپس لے لیا گیا اور ”کسی ایک قوم کے ساتھ خاص رعایت نہیں ہو سکتی“ کا اصول دہرا کا دہرا رہ گیا۔ اصل میں مسلمان قوم کے ساتھ خاص کیا کوئی رعایت بھی نہیں ہو سکتی اور ہندو کے ساتھ خاص کیا خاص الخاص رعایت ہو سکتی ہے۔

(۸۸) ان بے جا رعایتوں نے ہندوؤں کے جیسے بہت بڑھادیئے اور کانفرنس کے دوسرے ہی روز مسلمانوں کی ایذا رسانی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور حسب ذیل ناگوار حادثات ہوئے۔

(۱) ہندو غنڈوں نے ندھیر دیوی میں ہمارا راج پان واسے کی دوکان کے پاس ایک مسلمان کو زدوکوب کیا (۲) ایک پنجابی مسلمان پر ہندو غنڈوں نے لاٹھی سے حملہ کیا اور گلی میں بھاگ گئے (۳) ایک مسلمان بیوہ فروش عورت اور اس کے شوہر کو ہندو کانسٹیبل نے زور دے گئے پولیس چوکی میں زدوکوب کیا اور عورت کے کپڑے کھینچ کر اسے نیم برہنہ کر ڈالا (۴) ایک پہلوان پر سنہارائی میں حملہ کیا گیا (۵) ایک مسلمان لڑکے کو گول بازار میں زدوکوب کیا گیا (۶) بیل باغ میں ایک مسلمان لڑکا نل سے پانی پی رہا تھا کہ ایک ہندو نے اسے دھکا دیکر گرا دیا (۷) سنہارائی میں ایک حافظ صاحب پر حملہ کیا گیا (۸) نوار دی گنج میں صدائے مسلم اخبار کے ہاکر کو زدوکوب کیا گیا (۹) انور خاں محبوب کے کارخانہ کے باہر ہندو اور مسلمان مزدوروں میں جھگڑا ہو گیا جس میں ۳۳ مسلمان گرفتار کر کے شام تک حوالات میں رکھے گئے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ ہندوؤں نے دوبارہ بلوہ کرنے کی کوئی کوشش اٹھانہ رکھی۔ وہ تو گزشتہ واقعات کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں نے بڑے ہی صبر برداشت اور تحمل سے کام لیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پہلے کی طرح ہندوؤں کا کچھ بگڑے گا اور مسلمان پسینے جانیں گے

(۲) کشنگی (تحصیل پاٹن ضلع جبلپور)

ایک مسلمان نوجوان محمد حنیف نامی جو جبلپور کا رہنے والا تھا گھر سے ناراض ہو کر تنہا تھپڑ نکل کھڑا ہوا۔ اسکے پاس پیسے کم تھے۔ یہ لاری پر جبلپور سے کشنگی آیا اور ۱۵ مئی ۱۹۳۹ء کو بعد دوپہر یہاں پہنچا۔ اسکے پاس ایک نیا چھانہ تھا اس نے اس کو ایک حلوائی کے ہاتھ چند آنوں میں فرو کر ڈالا اس وقت ایک ہندو کانسٹیبل اس پاس تھا۔ یہ کانسٹیبل اس لڑکے کو پکڑ کر چھانہ پر لے گیا کہ چھانہ چوری کا ہے۔ اور تحقیقات شروع ہوئی۔ رات بھر اسے حوالات میں رکھا گیا۔ ۱۶ مئی کی صبح کوسات بجے پولیس کے بیان کے مطابق حوالات میں اس کا انتقال ہو گیا۔ لاش پورس ۴ گھنٹہ کے بعد جبلپور اسپتال بغرض پوسٹ مارٹم پہنچی۔ جبلپور مسلم لیگ کے دفتر میں بھی خبر پہنچی کہ کسی مسلمان کی لاش کشنگی سے آئی ہے جو حوالات میں مر گیا تھا۔ جب مسلم لیگ کے آدمی اسپتال پہنچے تو معلوم ہوا کہ پوسٹ مارٹم ہو چکا ہے۔ مسٹر افتخار علی مہر بمبلی نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس

سے مل کر یہ استدعا کی کہ لاش کو سول سرجن دیکھ لیں تو اچھا ہوا فسر نہ کرنے وعدہ کیا کہ ایسا ہی ہو گا مگر سول سرجن نے لاش نہیں دیکھی اور حسب معمول اسسٹنٹ سرجن کی رپورٹ پر تصدیقی دستخط کر دیے نہ لائے کفن کے بعد لاش کو جب دفن کرنے لے پہلے تو اور مسلمان آگئے اور کہا کہ شہر میں نماز کے لئے پچھلوا س پر کو تو اسی کے ایک پولیس سب انسپکٹر نے جس کی موجودگی کی کوئی ظاہری وجہ نہ تھی اصرار کیا کہ نہیں سیدھے قبرستان لیا کر جلدی دفن کرو۔ چنانچہ لاش قبرستان یحیائی گئی۔ اتنے میں اور مسلمان آگئے اور بتائے لگے کہ کٹنگی سے جو لوگ آئے ہیں وہ یہ بیان کرتے کہ نصف شب کے بعد حالات کے اندر مار دھاڑ اور چیخے چلانے کی آوازیں آتی ہیں اس پر شبہ قوی ہو گیا اور مسٹر تاج الدین بھی قبرستان پہنچے یہ ۱۴ مئی کی ساڑھے چار بجے شام کا واقعہ ہے۔ انہو میں منکر بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تھے۔ کثیر مجمع کے سامنے جب کفن کھولا گیا تو لوگ بھوکھا ہو کر رہ گئے (۱) آنکھیں حلقہ چشم سو باہر تھیں (۲) دونوں ہتھیلیاں زخمی تھیں (۳) دو انگلیاں ٹوٹی ہوئی تھیں (۴) پشت اور ران پر ضرب کے نشان تھے اور کھال اُدھڑی ہوئی تھی (۵) بازو پر رسی سے بانڈ کر جانے کے نشانات تھے (۶) زبان منہ سو باہر تھی (۷) نتھننے فون آلود تھے مسلمان نے لاش کا نوٹ لے لیا اور ڈپٹی کمشنر کو مسٹر تاج الدین نے لکھا کہ سول سرجن کو بھیجئے۔ سول سرجن آئے مگر چونکہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کی تصدیق کر چکے تھے اسلئے معائنہ سرسری کیا اور کہا کہ ہڈیاں کہیں سے نہیں ٹوٹی ہیں اور لاشہ اس قدر خراب ہو چکا ہو کہ جتنی علامات نظر آ رہی ہیں ان کے اسباب اب نہیں بتائے جاسکتے۔ بارہ ساڑھے بارہ بجے رات کو تدفین ختم ہوئی۔ اس عرصہ میں معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ نوجوان کی موت مشتبہ حالات میں ہوئی اور اس میں پولیس کا ہاتھ ہے۔ کئی مسلمان لیڈر دوسرے روز کٹنگی پہنچے اور ایس۔ ڈی۔ ایم بھی تحقیقات کے لئے وہاں کے مسلم لیگ کے عہدہ دار کا فی تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگرچہ نوجوان کی موت پولیس کی جان بوجہ ضربات کی وجہ سے ہوئی لیکن جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ خوف کے مارے شہادت دینے کو تیار نہیں۔ چنانچہ انہوں نے افسر متعلقہ کو تحریری اطلاع دی کہ ”ہمیں حلیمان ہو گیا، تو کہ

محمد حنیف کی موت پولیس والوں کے ہاتھوں ہوئی جو چشم دید گواہ شہادت دینے سے خائف ہیں جب تک کہ اس قتل کے پورے اشیانہ کا بیان سے تباہ نہ کر دیا جائے ہم لوگ حکام بالا سے اس امر کی درخواست کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے اس کا ردوائی تک تحقیقات ملتوی رکھی جائے۔

کافی تباہی و خرابی کے بعد مسلم لیگ کو یہ اطلاع دی گئی کہ: "تباہی کیا جا رہا ہے۔" مگر بعد میں معلوم ہوا کہ صرف سب انسپٹر اور ایک کانسٹیبل کا تباہی ہوا ہے۔ بہر حال بہت سے مسلمانوں اور ہندوؤں نے گواہیاں دیں۔ انہوں نے غریب نوجوان مسلمان کو مارنے کی کوششیں اسکے چلانے، چھینے کے چشم دید حالات بیان کئے۔ پولیس والوں کا بیان باہم بہت متضاد تھا۔ لیکن ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت نے تقریباً چھ ماہ بعد یعنی اتنے دنوں بعد کہ استغاثہ راسٹر کرنے کا حق نہ رہا۔ ایک بیان شائع کر دیا کہ: "تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ پولیس والوں کا ہتھ محمد حنیف کی موت میں نہ تھا کیسما وی متحس کے پاس سے جو رپورٹ آئی ہو اس کے مطابق ملزم کے معذہ میں دھتورا پال گیا۔ اس لئے موت دھتورے کے زہری ہوئی اور چونکہ وہ گھر سے ناماوض ہو کر نکلا تھا اس لئے قریب قیاس ہو کہ اس نے خودکشی کے لئے دھتورا کھالیا ہو۔" چلے چھٹی ہوئی لیکن ان باتوں کا کوئی خیال نہ کیا گیا کہ (۱) اگر ملزم کو خودکشی کرنی تھی تو جیلپور سے کٹنگی جانے کی کیا ضرورت تھی؟ حالات میں بند کرنے سے پہلے تلاشی لیجاتی ہو پھر دھتورا اسکے پاس کیسے رہ گیا؟ اگر اُسے پہلے کھالیا ہوتا تو راستہ میں یا کٹنگی پہنچتے ہی اس کی حالت خراب ہو جاتی! لیکن وہ جیلپور سے روانہ ہو کر اچھا خاصہ کٹنگی پہنچا اور حالات میں اچھا خاصہ بند کیا گیا اس کی موت تیرہ گھنٹہ حالات میں رہنے کے بعد ہوئی! دھتورے کے زہر سے اتنی دیر میں موت نہیں ہو کرتی! کیا ایسا ممکن نہیں کہ جن لوگوں نے قاتلانہ حملہ کیا جبکہ دیکھا کہ ضرب کا چھپانا ناممکن ہو تو خودکشی کا ثبوت پیدا کرنے کے لئے دھتورا بھی کھلا دیا؟ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ لاش چوبیس گھنٹہ بعد کیوں بھیجی گئی؟ کیا اس لئے کہ خراب ہو جائے تو علامات کا صحیح پتہ نہ چل سکے اور وہی ہوا پھر کٹنگی سے لاش عموماً پاؤں بھیجی جاتی ہو جیلپور کیوں بھیجی گئی۔ اس سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کٹنگی کے سب انسپٹر اور جیلپور

کے اسسٹنٹ سرجن میں گہری دوستی تھی۔ بہر حال حکومت کے نزدیک مسلمان کی موت بے قدر و قیمت تھی۔ اس میں بھی ایسا ہی ہوا مسلمان کی موت کے سلسلہ میں کوئی ہندو کا ناگریسی راج میں مانوڑ ہو ہی نہیں سکتا۔

(۵) پناگر (ضلع جبلپور) :-

(۱) دیوری اسٹیشن تھا پناگر میں صرف دو گھر مسلمانوں کے ہیں ان میں سے ایک شخص محمد ولد عبدالرحمن عمر ۳۸ سال گاڑی چلانے کا پیشہ کیا کرتا تھا۔ ۳۰ اپریل ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہو کہ اسکا بیل شام تک نہ آیا۔ وہ اس کی تلاش میں نکلا۔ راستہ میں اس نے دیکھا کہ درخت بھیالال اور دھیرا قوم کا چھی اُسکے بیل کو بڑی طرح مار رہے ہیں۔ وہ متعجب ہوا۔ بات تو تویر میں سے آگے بڑھ گئی اور دونوں ہندوؤں نے محمد کو لائیٹوں سے بڑی طرح مارا۔ زخمی ہونے کے بعد کسی طرح پناگر تھا نہ تک پہنچا اور ساری سرگزشت سہنائی۔ سب انسپکٹر نے کہہ دیا کہ ”جاؤ عدالت میں استغاثہ دائر کرو۔“ بیچارہ واپس چلا آیا اس کے پاس اتنا پیسہ نہ تھا کہ علاج کراتا اس کی حالت روز بروز بگڑنے لگی جب حالت بہت غیر ہوتی تو اس کے اعزاء اسے ۱۱ اپریل کو جبلپور اسپتال لے آئے۔ یہاں شام کو اس کا انتقال ہو گیا۔ پناگر کی پولیس کو حالت غیر ہونے کی اطلاع پہنچا وہی گئی تھی۔ مگر پولیس نے مفروضہ کہ اسپتال بھجوانے، معاملہ کی تحقیقات کرنے یا مرنے سے پہلے مفروضہ حملہ آوروں کو شناخت کرا لیتے کی کوئی فکر نہیں کی اور کیوں کرتی مارا جانے والا مسلمان تھا اور مارنے والا ہندو۔

(۲) اگرچہ پولیس کی غفلت سے غریب محمد کی جان چاچکی اور قاتلوں کے خلاف ثبوت کا بہت اجماع ضائع ہو چکا، مقدمہ چلائی ۱۹۴۹ء کے مہینہ میں محرم کے دو بھائی پاپا اور عبدالشکور اس مقدمہ کی سماعت کی غرض سے جبلپور آئے۔ شام کو یہ اپنے ایک عزیز کے یہاں مقیم ہوئے۔ ان کا آنا ہی تھا کہ ایک حوالدار ایک سپاہی اور مالگزار پناگر کا ایک ملازم کو گل دہاں پہنچے اور دونوں بھائیوں پر سائیکل کی چوری کا الزام لگایا۔ مکان کی بھی تلاشی کی گئی

لیکن سائیکل برآمد نہیں ہوئی پھر پولیس انہیں ساتھ لے گئی بہت دیر تک غفانہ میں بٹھائے رکھنے کے بعد رات کو انہیں رہائی نصیب ہوئی قصور اصلی یہ تھا کہ یہ اس مقدمہ میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں اور حد اقلقت کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور دوسرا عامل مسلمان کو تنگ و پریشان کرنا تھا کسی نے مسلمان کے خلاف ذرا سی رپورٹ کی اور پولیس کا رروائی کے لئے پہلے سے تیار

موجود ہے

(۶) کٹنی :-

(۱۱) ہولی کے موقع پر مارچ ۳۹ء کو ایک شخص کٹر و بہن نے رحمت اللہ نامی ایک مسلمان پر پرمیشدرین کے نامہ کے پاس دس بیسے دن کو رنگ پھینکا اس کے معترض ہونے پر کٹر و نے اسے مارا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی اور رحمت اللہ کے بیان کی تائید میں لال کرپرا آتش باز نے کی اور پولیس کو بتایا کہ میں نے جب کٹر و سے کہا کہ مسلمانوں کو مت چھیڑو تو اس نے مجھے گالیاں دیں اور مذاق اڑایا۔ پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی رحمت اللہ نے نائب تحصیلدار کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔ نائب تحصیلدار نے رحمت اللہ پر زور دے کر مقدمہ اٹھا لینے پر مجبور کر دیا۔

(۱۲) مارچ کی شام کو مشن اسکول کے پاس کٹر و اس کے ایک ساتھی اور دو چار مسلمان لڑکوں سے بڑبھڑ ہو گئی کٹر و زخمی ہوا۔ زخمی ہونے کے بعد کئی گھنٹے یہ ادھر ادھر دوڑتا رہا۔ اس کے بعد اسے اسپتال میں داخل کیا گیا۔ مارچ کو اسے جیلپور اسپتال لایا گیا۔ یہاں اس کا آپریشن ہوا۔ صبح کو یہ مر گیا۔ اس قصبہ کے مشہور شرانگیز ہندو لیڈر رام داس اگر وال عرف لٹو نے اس معاملہ میں بڑی دلچسپی دکھائی۔ یہ شخص بہ یک وقت کانگریسی بھی ہے۔ سپہاکی اور شیواجی دل کا بانی اور سرغنہ بھی۔ لٹو اور اس کے ساتھی لاش کو کٹنی لائے اور مسلمان عداوت سے گزرتے وقت مسلمانوں کو خوب خوب گندی گالیاں دیں۔ پولیس نے کوئی تعارض نہیں کیا۔ اس واقعہ نے پولیس اور ہندوؤں دونوں کو چپاغ پا کر دیا۔ پولیس نے فوراً پچھلے مسلمانوں

کو قتل کے الزام میں زیر دفعات ۳۲۲ و ۱۴۵ افرز کر لیا۔ ہندوؤں کی طرف سے حملوں کا آغاز ہوا جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۳) ۱۲ اپریل کو آٹھ بجے صبح کے وقت شیدا جی دل کے والنبہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے باہر نکلے۔ اسٹیشن روڈ پر چار مسلمانوں پر حملہ کیا۔ نبی جھٹلن۔ احمد زخمی ہوئے احمد کو اسپتال میں داخل کیا گیا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ شہر میں ہر طرف ہندو ٹولیاں بکرتیوں کے ساتھ نظر آنے لگیں اور چھوٹا چار کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پولیس نے دفعہ ۱۴۵ کا نفاذ کر دیا مسلمانوں کے زخمی ہونے کے سلسلہ میں آٹھ ہندوؤں کا چالان صرف زیر دفعہ ۱۴۵ کیا گیا۔ نائب تحصیلدار نے چھ کو بری کر دیا اور دو کو پچاس روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔

(۴) ۱۳ اپریل کو ایک شخص بہادر کسٹا بھی دھڑا تھا۔ اسے گالیاں دی گئیں اور دوسرے ہی روز اس کی بان کی دوکان اس سے چھین لی گئی جو کئی ماہ بعد تک اسے دوبارہ نہیں مل سکی (۵) ۱۳ اپریل کو دو مسلمانوں بشیر اور اکبر پر حملہ ہوا۔ دونوں زخمی ہوئے بشیر کو اسپتال میں رہنا پڑا اسے جیلور اسپتال بھیجا گیا۔ پولیس نے چھ ہندوؤں کا چالان زیر دفعہ ۱۴۵ کیا تاکہ تحصیلدار نے سب کو بری کر دیا۔

(۶) ۱۵ اپریل کو معین الدین نامی ریلوے ملازم پر حملہ ہوا۔ اسے بھی اسپتال میں رہنا پڑا پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

(۷) ۶ اپریل کو ڈیڑھ بجے رات کے وقت حافظ محمد حسین صاحب کے مکان واقع الفریخ میں آگ لگا دی گئی۔ یہ مکان لٹو کے مکان کے قریب ہے۔ چار کانسٹبل جن کی ڈیوٹی اس علاقہ میں تھی لٹو کے مکان میں سوئے ہوئے تھے۔ اسی روز اور اسی وقت چھبیا محلہ میں سردار نامی مسلمان کے گھر میں آگ لگا دی گئی۔ پولیس کو دونوں واقعات کی اطلاع دی گئی لیکن پولیس کو سراغ نہ مل سکا۔

(۸) ۸ اپریل کو ساڑھے ۶ بجے شام کے وقت جتن خاں ٹھیکہ دار پر پھٹہ حملہ میں ایک ہندو لیڈر

ہری پرشاد پاٹھک کے چولے کی بھیٹی کے پاس حملہ ہوا۔ اس میں آٹھ ہندوؤں پر زبردفعہ ۱۲۷۷ مقدمہ چلایا گیا۔

(۹) ۱۲ اپریل کو پریشردین کے ناکہ کے پاس کچھ جھگڑا ہو گیا۔ تیس چالیس ہندو اور اتنے ہی مسلمان جمع ہو گئے۔ خشت باری ہوئی مگر کوئی زخمی نہیں ہوا۔ ایک مسلمان کا منہ میں چلاں کیا گیا۔ اس پر تیس روپیہ جرمانہ ہوا۔ ایک مسلمان پر کانسٹیبل پر حملہ کرنے کا الزام لگایا گیا اور گیارہ مسلمانوں کا زبردفعہ ۱۲۷۷ چالان کیا گیا۔ صرف تین ہندوؤں پر دفعہ ۱۲۷۷ مقدمہ چلایا گیا۔ (۱۰) ایک ہنتر سے جوہری پرشاد پاٹھک کی زمین میں رہتا ہے ایک مسلمان وزیر خاں عمر کھٹسو کے خلاف حملہ کرنے کی جھوٹی رپورٹ کرادی گئی اور معاملہ کو اتنا بڑھا گیا کہ مہتروں نے اسٹریک کر دی۔ وزیر خاں کے خلاف زبردفعہ ۱۲۷۷ مقدمہ قائم ہوا۔ مگر ثبوت نہ ہونے کے سبب عدالت نے فرد جرم لگائے بغیر انہیں چھوڑ دیا۔

(۱۱) ایک المناک داستان

اتنے مسلمانوں کو زخمی کر لے گھروں میں آگ لگانے اور مار دودھاڑ کرنے کے باوجود ہندوؤں کی آتش انتقام سرد نہ ہوئی، کسٹرو کی جان گئی تھی ان کے خیال کے مطابق کئی مسلمانوں کی جانب لی جانی چاہئیں بغلیں ورنہ کم از کم ایک کی تو ضرور، چنانچہ انہوں نے ایک اچھا لشکارا تیار کر اپنے ول کا بخار نکال ہی لیا۔ ۱۲ اپریل کو کٹنی کے ایک معزز مالدار اور مخیر مسلمان محمد محبوب مرحوم (جنہوں نے سرائے وغیرہ بھی بنوائی ہیں) کا اٹھارہ سالہ نوجوان لڑکا محمد یونس عرف بابو مسجد سے مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے ایک ساتھی کے ساتھ پڑاؤ سے گزر رہا تھا کہ دونوں پر ہندوؤں کے ایک جتھے نے حملہ کیا۔ ساتھی تو کسی طرح بھاگ نکلا لیکن یونس پر ہلکتے پھیلنے سے قاتلانہ حملہ کیا گیا اور وہ وہیں جان بحق ہو گیا۔ ساتھی نے پولیس کو اطلاع دی تحقیقات کے بعد بارہ بجے رات کو لاش اغزا کے حوالے کی گئی۔ جنہوں نے مرحوم کا لاشہ دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ ایک بہت بڑا اور گہرا زخم دل کے قریب تھا۔ یہ نہیں لکھا جاسکتا کہ آیا ایک بڑے چاقو

سے یا بھالے سے یہ زخم لگایا گیا ہو۔ ایک زخم چہرے پر تھا اور منہ اور نچھے خون سے بھرے ہوئے تھے۔ پولیس نے اس سلسلہ میں چار آدمیوں کو گرفتار کیا۔ رام داس اگر وال عرف لکوشیوا جی دلی کا سرغنہ بھی گرفتار ہوا لیکن پولیس نے اسے ہتکڑی نہیں پہنائی۔ گرفتاری کے بعد ہندوؤں کے مجمع کو مخاطب کر کے نہایت اشتعال انگیز اور نہ بریلی تقریر کرنے دیا گیا۔ جیلپور میں جب اُتارا گیا تب بھی بلا ہتکڑی کے۔ دفعہ ۱۹۷۷ء ہندو مجمع کو روک سکی نہ تقریر باز ی کو نہ کسی ہندو کا دفعہ ۱۹۷۷ء کی خلاف ورزی کرنے پر چالان کیا گیا۔ اس گرفتاری پر ہندوؤں نے خوب شور مچایا سات روز مکمل ہڑتال کی گئی اور مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ نہ صرف کٹنی بلکہ اس پاس کے علاقوں میں بھی کیا گیا۔ بڑے بڑے کانگریسی حسب دستور روزانہ ایک پنچ گئے اور دس روز کے بعد ہی چاروں ہندو ملزمین کی رہائی اور مقدمہ نہ چلائے جانے حکم صادر ہو گیا۔ یہی ایک مسلمان کے خون کی قیمت کا نگرہیسی راج میں۔ جب ۱۹ اپریل کو لکھنؤ ہاؤس کٹنی آیا تو ہندوؤں کا کثیر مجمع اسٹیشن پہنچا اور اسے خوب پھول مار پہنائے گئے۔ جیکارے لگے۔ دفعہ ۱۹۷۷ء کا اطلاق ان لوگوں پر کیسے ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں کے بہت سخت احتجاج پر حکومت کو فکر ہوئی کہ اس قتل کے اصلی مجرموں کو چھوڑنے کے بعد کہیں نہ کہیں تو اسے ضرور چپکانا چاہیے۔ چنانچہ یہ اطمینان دلا یا گیا کہ خاص سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر اس قتل کی سراغ رسانی کے لئے تعینات کیا گیا ہے اس انسپکٹر نے اس کی پوری کوشش کی کہ ثبوت گڑھ کہ پولیس مرحوم کے قتل کا جھوٹا الزام کسی مسلمان کے سرخو پا جائے۔ اس سلسلہ میں اس نے کیا کیا کارروائیاں کیں ان کی تفصیل اس درخواست سے معلوم ہوگی جو اس مسلمان نوجوان نے جو پولیس مرحوم کا ساتھی تھا مقامی حکام کو دی تھی۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

عزیز الحق ساکن کٹنی کی درخواست کا ترجمہ:-

سی۔ آئی۔ ڈی انسپٹر کے خلاف سنگین الزامات

”میں ایک سترہ سالہ نوجوان ہوں۔ میرے والد کا نام محمد عمر ہے جو ریٹائرڈ پولیس کانسٹیبل ہیں۔ میں محلہ اولفرٹا گنج کٹنی مردارہ کا باشندہ ہوں۔

گزشتہ ہولی کے فرقہ دارانہ فسادات کے موقع پر میں کٹنی میں تھا، محمد یونسؒ کو محمد محبوب کے ساتھ اکثریت تھا۔ ہم دونوں ٹیکریہ مسجد میں بیٹے اور وہاں سے ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے۔ ریلوے اسٹیشن سے ہم لوگ جھنڈا بازار کی طرف جا رہے تھے کہ جس وقت ہم دونوں مسلم ہوٹل کے سامنے پہنچے محمد یونسؒ نے کہا کہ سینما کی طرف چلیں۔ جس وقت ہم دونوں پڑاؤ سے گزر رہے تھے تو ہمیں کھلی جگہ پر کئی بیل گاڑیاں رکھی ہوئی تھیں، جیسے ہی ہم لوگ گاڑی کے قریب پہنچے منعقد دہند و نوجوان لالٹھوں سے مسلح گاڑیوں کے اندر سے نکل پڑے ہمیں گھیرنے کی کوشش کی۔ ہم دونوں جان لے کر بھاگے۔ میں تو بھاگ نکلا، لیکن محمد یونسؒ گھر گیا اور اس پر برہمچی کے ساتھ ملے ہوئے لگے۔ میں نے اچھی طرح دیکھا کہ تمام جملہ آدمی ہندو تھے اور محمد پر جو شخص حملہ آور ہوا تھا اور میرا پیچھا کیا تھا اُس کو میں نے اچھی طرح پہچان لیا تھا میں سینما کے قریب پہنچا اور کانسٹیبل کو تلاش کیا لیکن جب کوئی نظر نہ آیا تو میں گھنٹہ بھر کے راستے سے جھنڈا بازار کی طرف چلا۔ وہاں دو پولیس کانسٹیبل کھڑے دکھائی دیے۔ میں نے انہیں بتایا کہ محمد یونسؒ کو پانچ چھ ہندو گھیرے ہوئے ہیں۔ ایک کانسٹیبل مجھے ساتھ لیکر اُس جگہ گیا جہاں پولیس کو گھیرنے کے بعد پکڑ کر مارا گیا تھا۔ ہم نے محمد یونسؒ کو زمین پر مڑھ پڑا ہوا پایا۔ اسکی پشت پر چھرا لٹکھونپنے کا نشان تھا۔ اسکے کپڑے خون سے تر تھے اور کوٹ کٹا ہوا تھا ایک دوسرا کانسٹیبل رام گوپال بھی موقع پر آگیا۔ اس سے میرے ساتھ آنے والے کانسٹیبل نے کہا کہ تھانہ جا کر سب انسپٹر صاحب کو آؤ۔ رام گوپال چلا گیا اور سب انسپٹر محمد حنیف

اور نائب تحصیلدار کٹنی کو لیکر واپس آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب انسپکٹر ہمیر سنگہ بھی آگئے
ہمیر سنگہ دوکانداروں اور گاڑی والوں سے کچھ پوچھ گچھ کرنے کے بعد مجھے تھانہ لے گئے اور
میرا بیان لکھا۔ اس روز میں نے جو کچھ ادھر لکھا ہو وہی کہا۔ مجھے پھر ایک لادری پر بٹھا کر جائے
وقوع پر لایا گیا۔ تقریباً نصف شب تک تحقیقات جاری رہی۔ مجھے دوکانستیلوں کے ساتھ
مکان پہنچا دیا گیا۔ دوسرے روز صبح مجھے تھانہ پر بلایا گیا مجھ سے پھر سوالات کئے گئے اور
میں نے جو کچھ رات کو کہا تھا دہرا دیا۔ مجھے تین چار روز متواتر تھانہ پر طلب کیا گیا اور جرح
کی گئی میں اپنے بیان پر قائم رہا کیوں کہ یہی درست اور سچ تھا۔ واقعہ کے چار پانچ روز بعد ایک
شناخت پر بڑے میں مجھے شناخت کرنے کے لئے کہا گیا۔ میں نے کہا کہ جس آدمی نے میرا بیچھا کیا تھا
وہ اس میں نہیں ہو۔ بعض لوگوں کو دوسرے آدمیوں نے پہچانا اور وہ گرفتار کر لئے گئے۔
اس کے بعد مجھے گھر چلے جانے کو کہا گیا۔

چند دنوں کے بعد گرفتار شدہ لوگوں کو چھوڑ دیا گیا اور ایک سی۔ آئی۔ ڈی فسر
قتل کی تحقیقات کے لئے کٹنی آیا۔ مجھے سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر نے تھانہ پر بلایا اور بیان
دینے کو کہا۔ میں جو کچھ جانتا تھا بتا دیا۔ اس پر اس فسر نے ڈانٹ کر کہا کہ سچ سچ بتاؤ
میں نے کہا کہ جو کچھ میں نے کہا ہو بالکل سچ ہو۔ مجھے واپس گھر بھیج دیا گیا۔ مجھے تین چار
روز متواتر بلایا گیا اور سی۔ آئی۔ ڈی برابر مجھے ڈانٹتا۔ دھکیاں اور گالیاں دیتا رہا پہلے
دن اس فسر نے کہا کہ میں ماسٹر سے کہہ کر تھیں پاس کر دوں گا۔ لیکن اس کے بعد سے
دھکیاں اور برساتوں کا شروع ہو گیا اس سلوک سے عاجز آکر میں نے سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر
کے خلاف ایک درخواست دی۔ سی کو دے دی۔

جیسے ہی سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر کو اس کی خبر ملی کہ میں نے اس کے خلاف درخواست
دی ہو اس نے مجھے زیادہ ستانا شروع کر دیا اور ہر بلا کہا کہ مجھ کو پولیس کے قتل
میں ناخود کر دے گا افسر مذکور نے مجھ سے کہا کہ پولیس کو مسلمانوں نے مارا ہو۔ اور

یہاں تک کہہ دیا کہ محمد رفیق نامی ایک مسلمان اس سلسلہ میں گرفتار بھی کیا جا چکا ہو۔ اس کے بعد
 رفیق کو میرے سامنے لایا گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ میں کمندوں کہ اسی نے میرا پیچھا کیا تھا
 میں نے ایسا کہنے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ شخص نہیں تھا اور اپنے پہلے بیانات پر پُھر بارہا کہہ
 آؤ سب ہندو تھے۔ اسی پر سب انسپکٹر نے مجھے بڑی گندی گالیاں دیں اور کہا کہ مجھے
 اور رفیق دونوں کو گرفتار کر لوں گا۔ اسکے بعد مجھے گھر جانے کی اجازت دی گئی۔
 سی۔ آئی۔ ڈی۔ دو تین روز تک متواتر مجھے ڈانٹتا، ڈپٹا اور جھکیاں دیتا رہا میری
 طبیعت چونکہ اچھی نہیں تھی میں سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر اور ڈی۔ ایس۔ پی کو اطلاع دے کر
 بلا سپور چلا گیا۔ دس بارہ روز کے بعد سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر بلا سپور پہنچا۔ میرے مکان پر آیا
 اور مجھے مکان سے تھانہ پر لے گیا۔ راستہ میں مجھ سے کہا کہ تم گرفتار ہونے والے ہو
 تھانہ پر پھر مجھے گرفتاری کی جھکیاں دیتے ہوئے کہا کہ یہ کہہ دو کہ پولیس کے قاتل
 مسلمان تھے۔ میں نے اُس سے کہا کہ یہ غلط ہو حملہ آور سب ہندو تھے۔ اس پر اس
 افسر نے میری پیٹھ پر ایک ہاتھ مارا۔ اس افسر نے مجھے ایک ٹائپ شدہ کاغذ دیا اور
 کہا کہ مجسٹریٹ کے سامنے کہہ دینا کہ پولیس کے مارنے والے مسلمان تھے۔ میں نے ایسا کرنے
 سے انکار کر دیا۔ تھانہ سے مجھے ایک مکان میں لے جایا گیا۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کس کا مکان
 تھا۔ یہاں مجھے مٹھائی کھلائی گئی اور کہا گیا کہ پولیس کے قتل کے سلسلہ میں مسلمانوں کا
 نام بجائے ہندوؤں کے لوں۔ میں نے اصلی ہندو حملہ آوروں کے بجائے بھوٹے طور
 پر کسی کو پھنسانے سے انکار کیا مجھے ساڑھے بارہ بجے گھر آنے کو ملا۔ انسپکٹر نڈکرنے
 کہا کہ میں تین بجے مکان ہی پر رہوں۔ اس لئے کہ وہ آئے گا۔ وہ سبجے نہیں آیا۔ دوسرے
 دن یہ افسر اسٹیشن گیا اور میرے مکان پر ایک کانسٹیبل بھیج کر مجھے اسٹیشن طلب کیا۔
 یہاں مجھ سے اس نے کہا کہ میرے خلاف ایک وارنٹ ہو اور وہ مجھے کٹنی لے جائے گا
 چونکہ میری طبیعت اچھی نہیں تھی اس لئے میں نے کٹنی جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر

اُس نے مجھے سمجھ دیا کہ میں کلٹنی میں اُس کے سامنے حاضر ہوں۔ دوسرے دن میں بلا سدر سے روانہ ہو کر درجوں کو کلٹنی پہنچا۔ ہم بجے شام کو میں اسٹیشن پر اتر پولیس کانسٹیبل مجھے سیدھے تھانہ پر لے گیا۔ وہاں ہمیں سنگہ سب انسپکٹر اور سی۔ آئی۔ ڈی نے پھر زور دیا کہ میں رفیق کو حملہ آور بناؤں۔ سب انسپکٹر ہمیں سنگہ نے یہ بھی کہا کہ اس نے خوب پولیس کو دیکھا جس نے اُس سے کہا کہ قتل رفیق نے کیا ہے۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جھوٹ نہیں بولوں گا اور رفیق یا کسی مسلمان کو اُن کے کہنے سے پھنسانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اُنھوں نے پھر بہت زور دیا اور کہا کہ اگر تعمیل نہیں کی گئی تو مجھے بھی پولیس کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا جائے گا۔ میرے والد اُس وقت تھانہ میں موجود تھے میں نے رفیق یا کسی کو جھوٹ پھنسانے سے انکار کر دیا۔

مذکورہ بالا سطور میں وہ تمام باتیں بیان کر دی گئی ہیں جو پولیس کے قتل کے سلسلہ میں میرے ساتھ پیش آئیں۔ مجھے سی۔ آئی۔ ڈی اور پولیس سب انسپکٹر کلٹنی بہت تنگ کرتے ہیں۔ میں نے کچھ نہیں چھپایا ہو لیکن کسی کو جھوٹ پھانسنے کے لئے میں تیار نہیں سی۔ آئی۔ ڈی۔ انسپکٹر جو پولیس کے قاتل یا قاتلوں کا سراغ لگانے کے لئے کلٹنی بھیجا گیا ہے۔ اُس نے بار بار اس کی کوشش کی کہ میں رفیق کا نام لے کر اُسے پھانس دوں مگر میں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کیا۔

اپنی صحت کے مد نظر اور انصاف کے نام پر میں التجا کرتا ہوں کہ سی۔ آئی۔ ڈی۔ مذکورہ حکم دیا جائے کہ وہ مجھ پر دباؤ نہ ڈالے کیوں کہ میں سی۔ آئی۔ ڈی۔ سب انسپکٹر کلٹنی یا کسی اور کے کہنے سے رفیق یا کسی دوسرے مسلمان کو جھوٹ پھنسانے کے لئے ہرگز آمادہ نہیں ہوں۔

”عزیز الحق۔ درخواست کنندہ“

ایک ہونہار نوجوان کی جان گئی۔ ہندو قاتل چھوڑ دئے گئے۔ دوسرا نوجوان

پر ہی مشکل سے پھنستے پھنستے بچا کیا ان واقعات کی رشتی میں امن اور عزت اور آپرو کے ساتھ
مسلمان کا زندگی گزارنا ممکن ہو سکتا ہو!

(۱۲) رام داس اگر وال عرت لکھنؤ شینو اجی دل اور پولیس کے قتل کے سلسلہ میں
کانگریسی حکومت کی عنایت سے رہا شدہ ملزم کے پاس ایک ڈھیر قوم کی داشتہ بھی جو جس کا
نام مسماہ رمپا ہو اس عورت کے خلاف سرکاری بنایا کے سلسلہ میں وارنٹ جاری ہوا۔
عدالت کے چپراسی نے وارنٹ تعمیل کیا اور رقم نہ ملنے پر اس کی بھینس قرق کر ڈالی۔ اپنی
حکومت کے زمانہ میں ممتاز لیڈر کی داشتہ کی بھینس معمولی چپراسی پکڑ کر لے جائے تا قابل
برداشت تو ہیں تھی شینو اجی دل کے والٹیٹر جمع ہوئے اور دیوانی کچہری کے پاس سے
چپراسی مذکور کو مار پیٹ کر یہ چپراسی پھین کر لے گئے۔ چپراسی نے تھانہ میں اور تحصیل
صاحب کو رپورٹ کی دو والٹیٹروں کا چالان کیا گیا۔ لیکن مار کھانے والا چپراسی اتفاق
سے مسلمان تھا۔ اس لئے نہ کار سرکاری میں مداخلت بے جا کا جرم اہمیت پاسکا نہ عدالت
کے احکام کی توہین کا کوئی خیال رہا اور مقدمہ اٹھالیا گیا۔

چھینس گرہ ڈویشن

۱۔ ضلع رائے پور

(۱) رائے پور

یہ شہر آن چند خوش قسمت مقاموں میں تھا جہاں ہندو مسلم تعلقات بہت ہی
خوش گوارہ رہا کرتے تھے۔ لیکن کانگریسی حکومت کے برسر اقتدار آتے ہی یہاں بھی
زہر کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ ۳۸ء میں تو یہاں کچھ نہ ہو سکا۔ لیکن ۳۹ء
کے ہولی میں جو منظم کوشش بیک وقت صوبہ بھر میں مسلمانوں کو سچانے کے لئے کی گئی

اور جس میں ہندوؤں کو حکومتِ وقت کی اعانت و سرپرستی کے سبب بڑی حد تک کامیابی ہوئی اُس شعلہ ہوالہ کی لپک سے یہ شہر بھی محفوظ نہ رہا۔ چنانچہ یہاں بھی ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء کو ہولی کے موقع پر بالکل خلاف دستور بہت بڑا جلوس نکالا گیا جو باجے گاہے کے ساتھ شو مچاتا جیسا کہ سے نکھانا ہوا چلا۔ یہ جلوس بڑی سڑکوں پر سے گھومتا ہوا امون پاڑہ محلہ کی پشت کی طرف گیا۔ جس راستہ کی طرف اس نے رخ کیا نہ تو کوئی مشہور راستہ ہو نہ عام طور سے بلاوس اس راستہ پر گشت کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔ اسی سے ظاہر ہو کہ ان کی نیت کیا تھی اور پہلے سے کیا کچھ انتظام کر لیا گیا تھا۔ یہ جلوس ایک بجے کے قریب اس جگہ پہنچا۔ یہ بھی واضح رہے کہ ہندوؤں کے اس انتظام اور ارادے کی خبر پولیس کو پہلے دے دی گئی تھی کہ ایسا سنا جا رہا ہے۔ مگر پھر بھی اس جلوس کے ساتھ جو مسلح تھا پولیس نہ تھی اس جگہ پہنچ کر ان سو راؤں نے بے خبر اور نیتے مسلمانوں پر دھیانہ حملے شروع کر دیئے۔ ۱۳ مسلمانوں کو زخمی کیا جن میں بوڑھے بھی تھے اور کم عمر بھی بعض کو شدید چوٹیں آئیں یہ بلوائی مکانات اور دکانوں کے اندر گھس گئے اور لوٹ مار مچائی۔ مومنوں کے کہہ گہ کو توڑ ڈالا۔ بے کس عورتوں اور بیواؤں کے تانے جلا ڈالے۔ پھپھراور دروازے توڑ ڈالے۔ اتنے میں پولیس آگئی۔ کئی واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے ہوئے مگر اس نے چون نہ کی۔ جب یہ صورت حال ہو گئی تو چند مسلمان بھی مدافعت پر تل گئے۔ بس یہ چیز غضب تھی۔ ہندو تو بھاگ گئے مگر پولیس نے مسلمانوں کی دیکھ بھال شروع کر دی۔ نقصان سارا مسلمانوں کا ہوا۔ زخمی یہ ہوئے۔ مال ان کا لٹا۔ سامان ان کا جلا مکان ان کے ٹوٹے لیکن پولیس نے ۱۶ ہندوؤں کے ساتھ ساتھ گیارہ مسلمانوں کا بھی دفعہ ۴۲ کے تحت چالان کر دیا۔ یعنی جو جرم ہندوؤں نے کیا وہی مسلمانوں نے بھی اور تقریباً برابر تعداد میں۔ ہندو مغنوں کو تو چھو ابھی نہیں گیا۔ اور بالا خرچہ ۱۹۳۹ء میں دونوں فریقوں کی درخواست پر حکومت نے ازراہِ نوازش مقدمہ اٹھایا۔

(۲) دھمتری

(۱) لائے پور کے بعد اس ضلع میں یہ سب سے بڑا قصبہ ہے جہاں خوش حال اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کی تعداد کافی ہے اس لئے ہندوؤں کی نظر عنایت اس قصبہ کے مسلمانوں پر پڑے طور سے رہی۔ اس قصبہ میں پہلے کبھی باجہ مسجد کے سامنے نہیں بجاتھا لیکن ۱۹۲۵ء میں ایک معاہدہ ہوا کہ مسجد سے پندرہ قدم دونوں طرف باجہ بند رہے گا۔ ۱۹۲۶ء میں اس کی یلٹریج ہوئی کہ نماز کے اوقات کے لئے یہ پابندی ہو۔ اور نماز کے اوقات اس وقت جو تھے مقرر کر دیئے گئے۔ موسم کے ساتھ ساتھ نماز کے اوقات بھی بدلتے ہیں لیکن باجہ کے لئے وہی اوقات حوالہ دئے گئے۔ اس وقت کے موسم کے مطابق مقرر کر لئے گئے تھے قائم رہنے دیئے گئے۔ سابق کانگریسی وزیر اعظم مسٹر شکلا اس زمانہ میں ہندوؤں کی طرف سے ایسے معاملات میں خوب پرجوش نمائندگی کرتے تھے۔ چنانچہ انہیں سالوں میں انہوں نے اپنی رہبری میں مسلمانوں کو پڑھانے کے لئے یہ صورت نکالی کہ جلوس کے ساتھ دو دستے باجہ کے رکھتے مسجد سے پندرہ قدم اس طرف جلوس کھڑا ہو جاتا اور باجہ بجاتا رہتا۔ پھر ایک دستہ باجہ کا خاموشی کے ساتھ گزرتا اور مسجد سے اس طرف پندرہ قدم پہنچ کر مرک جاتا جب تک باجہ کا پہلا دستہ مسجد سے گزر کر آگے تک جاتا اور دھڑکا دستہ زور زور سے باجہ بجاتا رہتا اور جب وہ دستہ رکنے کے لئے باجہ زور زور سے بجانا شروع کر دیتا تب ادھر کا دستہ خاموشی کے ساتھ مسجد سے گزر کر اس میں شامل ہو جاتا اور پھر جلوس آگے بڑھتا۔ یعنی شکلا جی اس امر سے اپنی تسکین کر لیتے کہ مسجد کے پاس سے گزرتے وقت باجہ بند نہیں ہوا۔ اس مہینیت کے آدمی کو کانگریس میں وزارت عظمیٰ ملی۔ دھمتری کا قصبہ تو ان کی سابق فرقہ دارانہ حرکتوں کی جولاں گاہ تھا۔ اس لئے یہاں کے مسلمان تو یقیناً دوسری جگہوں سے نسبتاً زیادہ نوازش جفا کے مستحق تھے۔ اور کم و بیش ایسا ہی کرنے کی کوشش کی گئی

چنانچہ کانگریسی وزارت کے آئنے پر سب سے پہلے اس مسجد کے سامنے باجے کے پڑانے
 معاہدے کو توڑنے کی کوشش کی گئی، اس لئے کہ یہ مشکلا جی کا روند ہوا میدان تھا۔ اس
 کے لئے یہ ترکیبیں نکائی گئیں کہ پولیس کہتی بھی رہے مگر ممنوعہ حد سے باجہ بجاتے ہوئے آگے
 نکل جانا ممنوعہ حد کے ختم ہونے سے پہلے بجانا شروع کر دینا وغیرہ۔ پھر اس میں یہ اضافہ
 کیا گیا کہ مسجد کے سامنے پہنچ کر ہنومان کی جے اور بھنگ بلی کی جے کے نعرے خوب زور
 سے لگائے جاتے خواہ جلوس شادی یا غمی کا کیوں نہ ہو۔ دوسرے ضرورت ہو یا نہ ہو ہر
 جلوس کو اس راستہ سے لے جانا لازمی قرار دیا گیا۔ اس کے بعد کوشش یہ کی گئی کہ باجہ
 بجائی ڈالا جائے لیکن پیشہ ور باجے والوں نے اس سے یہ کہتے ہوئے انکار کیا کہ
 اُنہوں کو بھی ایسا نہیں کیا ہو اور ایسا کرنے سے وہ مجرم قرار پائیں گے۔ تب یہ ترکیب کی
 گئی کہ ہندو یتیم خانہ کے لڑکوں کو باجہ بجانا سکھایا گیا اور ان سے جلوس میں باجہ بجانے
 کا کام لیا جانے لگا خواہ وہ مذہبی جلوس ہو یا پرائیوٹ شادی کا جلوس، تاکہ اگر مسلمان مشتعل
 ہو کر حملہ کریں تو دنیا کی ہمدردی ان کے ساتھ ہو کہ یتیم چھوٹے بچوں پر حملہ کر دیا اور نہ حملہ کریں
 تو باجہ بجانے کی مراد پوری ہو جائے۔ ان بچوں نے پولیس کی ہدایات کی کئی بار خلاف
 دہری کی جیسا کہ ۱۹۳۷ء کے فرقہ دارانہ مقدمات زیر دفعات ۱۷۷ و ۱۷۸ میں پولیس کے
 بیانات سے ظاہر ہے مسلمانوں نے ہندوؤں کی طرح قانون خود ہاتھ میں لے لینے
 کے بجائے برابر پولیس کو اطلاع دی۔ چنانچہ صرف دو ماہ کے اندر ایسی رات پوٹیس
 پولیس کو کی گئیں مگر وہاں کان پر جون تک نہ رہی مسلمانوں نے پھر حکام بالا کو لکھا
 اس پر مسٹر جے ڈاللا ڈسٹرکٹ انٹرنٹ پولیس نے اپنے حکم مورخہ ۳ جون ۱۹۳۷ء میں
 یہ لکھا کہ ”مسلمانوں کو اطلاع دی جائے کہ اگر مسجد کے سامنے باجہ بند کرانے کا انہیں
 حق حاصل ہو تو وہ دیوانی عدالت کی طرف رجوع کریں“ یعنی پولیس سابقہ عملہ رابند اور
 روایات کے قیام میں مسلمانوں کی حفاظت نہیں کرے گی جس روز یہ حکم دھمتری پہنچاؤ

ہندوؤں کو اس کا علم ہوا۔ فوراً عورتوں کے ایک جلوس کا انتظام کیا گیا اور باجہ کے ساتھ اسے قصداً اُس گلی میں لے جانے کی کوشش کی گئی، جدھر مسجد کا ایک منہ پڑتا ہو اور اُدھر صرف مسلمانوں کی آبادی ہو۔ پولیس نے کوئی تعارض نہیں کیا۔ آخر مسلمانوں کا ایک وفد بھاگا ہوا ڈپٹی کمشنر مشرودرک کے پاس گیا جو اُس وقت دُوری میں کمپ کے ہوئے تھے اور اُن سے کہا کہ مسلمان اب زیادہ برداشت نہیں کر سکتے۔ باجہ برابر بند ہوتا آیا ہو پولیس کا ریکارڈ اس پر شاہد ہو۔ اگر دیوانی جانا چاہیے تو ہندوؤں کو۔ اگر حکام اس کی طرف توجہ نہ کریں گے تو حالات کے ابتر ہونے کا یقین ہو۔ اس پر ڈپٹی کمشنر نے بعد تحقیقات بذریعہ منادی اعلان کر دینے کا حکم دیا کہ:-

”باجہ حسب دستور مقررہ اوقات میں لازمی طور پر نید ہو کرے گا۔ تب جا کر اس بڑھتے ہوئے فتنہ کا سد باب ہوا۔

(۲) ۱۹۳۹ء میں جبکہ وزارت عظمیٰ شکلا جی کے قبضہ میں تھی ہر جگہ ہندو فساد پتلے ہوئے بیٹھے تھے اور ہر جگہ پولیس ہندوؤں سے چشم پوشی کرتی اور طرح دیتی اس تکلیف بیٹھی تھی کہ مسلمان اُچھیں اور انہیں پھانسو۔ بلوہ کرانے کے لئے جی ہر کر اشتغال انگیزیاں کی گئیں۔ یہی طرز عمل دھتھری میں بھی ہوا۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء میں، محرم کو مہرہ پاڑہ میں ”ڈنکے“ (مجلس ذکر و بیان مع ساز و موسیقی) کا انتظام ٹھیک اُس جگہ کے قریب کیا گیا جہاں محرم کی نماز رکھی جاتی ہو۔ پہلے کبھی بھی ایسا نہیں کیا گیا۔ پولیس نے کوئی تعارض نہیں کیا۔ تھوڑے شور و غل کے بعد خشت باری شروع کی گئی ایک مسلمان لڑکا مجروح ہوا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی مگر خاموشی رہی۔

(۳) ۹ محرم کو سواری نکلنے والی تھی پھر یہاں ”ڈنکے“ کی نشست اس شب کو شروع کرنے کا اعلان کیا گیا۔ دن کے وقت حکام نے چند ہندو اور مسلمان لیڈروں کو بلایا تاکہ مصالحت ہو جائے۔ ہندوؤں کے نمائندوں نے یہ یقین دلایا کہ

”ڈنکے“ کی نشست ۱۱ بجے رات کو ختم کر دی جائے گی۔ اس یقین دلانے کی بنا پر سواری ۱۲ بجے رات کو نکالی گئی۔ لیکن ڈنکے کا مجمع لاٹھیاں لئے ہوئے ڈیڑھ بجے رات تک بیٹھا رہا۔ پولیس یا حکام نے باوجود خلافت و ریزی معاہدہ انہیں منتشر کیا نہ تعارض کیا نہ پرس تو کیا کرتے مسلمان لیٹروں نے ہوا کا رخ سچا سنے ہوئے مسلمانوں کو قابو میں رکھا اور ڈیڑھ گھنٹہ نہ ہونے دی۔

(۴) ۱۰ محرم کو صدر روڈ پر پیر جی کے مکان کے پاس تعزلیوں پر پتھر پھینکے گئے۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ ایس۔ ڈی۔ اونسے مسلمانوں کے بیان لئے اور یقین دلایا کہ کارروائی کی جائے گی مگر کچھ نہ کیا گیا۔ پولیس نے اپنی آنکھوں سے مزدور سنگہ کے والٹیرٹوں اور ان کے سرغنہ رام لال کو بچلتے دیکھا۔ مگر خاموش رہی۔

(۵) جس روز مسلمانوں نے کمال ڈسے کے سلسلہ میں جلسہ کا انتظام کیا۔ اسی روز درمستی و جلسہ گاہ کے قریب ہندوؤں نے ہجیرٹوں کے تاج کا انتظام کیا۔ پولیس نے کوئی تعارض نہیں کیا۔

مراد برائی

(۶) ان تمام اشتعال انگیزوں کے باوجود بلوہ نہ ہو سکا تو باہر سے رد طلب کی گئی اس کی صورت یہ ہوئی کہ سنگو جلوائی کی لڑکی کی بارات ۲۵ جون کو راسے پور سے آنے والی تھی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اس بارات میں وہ چند ہندو غنڈے بھی راسے پور سے لائے گئے جو ہولی کے موقع پر راسے پور میں فساد کرانے میں پیش پیش تھے اور جن کا پولیس نے جالان کیا تھا۔ ادھر قحامی مزدور سیمو سنگہ کے والٹیرٹ بھی بن چلائے۔ مہمان ہوئے (مزدور سیمو سنگہ کا بانی ایک شخص رام لال جو کبھی مرتبہ دیوالیہ ہو چکا ہے۔ اس نے ایک مسلمان بیٹری کے تاجر کی تجارت کو ناکام بنانے کے لئے امداد باہمی کے اصول پر بیٹری کا کارخانہ کھول دیا۔ اور اپنے کارخانہ کی بیٹری کو مقبول بنانے کے لئے کارخانہ کے مزدوروں کا ایک سنگہ

بنا ڈالا ہے جو خدمت قوم کے بہانہ پر سنگامہ کے موقع پر مہیا کر دیئے جاتے ہیں) حلوائی نے عدالت میں خود بیان دیا کہ ”مزدور سیدوانگلہ کے والینٹروں کو ہم نے مدعو نہیں کیا تھا مگر وہ لاٹھیاں لئے بارات کی حفاظت کے لئے موجود تھے، قابلِ غور یہ امر بھی ہے کہ اس شادی کے قبل تقریباً بارہ شادیوں کے جلوس حال ہی میں دھمتری میں ہندوؤں کے نکلے مگر مزدور سیدوانگلہ کے والینٹر ”خدمت“ یا ”بارات کی حفاظت“ کے لئے ان میں موجود نہ تھے۔ یہ خدمت لاٹھیوں کے ساتھ صرف پگلا حلوائی کے بارات کے موقع پر مناسب سمجھی گئی جبکہ اپنا کے فتنے بھی آرہے تھے یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ۴ رجوں کو یہ بارات ”سنگائی“ کے لئے آئی تھی تو اس نے مسجد کے سامنے ممنوعہ اوقات میں باجہ بجا باٹھا اور پٹری مشکل سے اس نے باجہ بند کیا تھا۔ ہر حال ۲۵ رجوں کی شب کو جامع مسجد میں وعظ ہو رہا تھا۔ اس مسجد کے قریب ہی بارات ٹھہری ہوئی تھی، ۱۰ بجے شب کو یکایک مسجد میں پتھر آنے لگے وہ بھی بہت کافی تعداد میں کچھ مسلمان باہر دیکھنے کے لئے نکلے تو ان کو چھیڑا گیا۔

(۱) پتھر سے احمد علی نامی کے سر پر ضرب آئی اور خون بہنے لگا۔ کئی اور مسلمان کے چوٹیں آئیں رات کو اکا دکا حملہ ہوتے رہے اور ننھے اور بے خبر مسلمان پٹتے رہے۔ رات کو تھانہ تک پہنچا مشکل تھا۔ اس لئے صبح کو مفروب مسلمان تھانہ پر پہنچے اور رپورٹیں درج کرائیں۔

(۲) ایسی سولہ رپورٹیں درج ہوئیں، ۲ بجے رات تک قصبہ بھر میں ہندو لڑکیاں مسلمانوں کو ایذا پہنچاتی رہیں اور پولیس دیکھتی رہی۔ تمام ممتاز مسلمانوں کے مکان پر پتھروں کی بارش کی گئی۔

(۳) ایک مسلمان نور الحسن کو اس کی لکڑی کی ٹال میں پٹیا گیا اور اس کا صندوقہ اٹھا کر لے گئے پولیس نے طریقہ یہ اختیار کر رکھا تھا کہ متعدد ہندو اس پاس موجود رہتے اور جہاں کوئی مسلمان رپورٹ لکھانے آتا تو سب اس کی پکڑتا اچھا بیٹھ کر کہہ دیتے ہو جب کہ چمکا تو دو چار ہندو آکر رپورٹ لکھواتے اور رپورٹ لکھانے والے مسلمان کا نام

بتا دیتے۔ پولیس فوراً یہ رپورٹ درج کر لیتی اور غریب مسلمان شکایت کنندہ سے ملزم بن جاتا۔ یہی حال نور الحسن کا ۱۶۔ یہ غریب پٹا بھی مال بھی چوری کیا۔ جب رپورٹ کرنے گیا تو اس کی رپورٹ نہیں لی گئی۔ اس نے واپس آ کر تحریری رپورٹ لکھی اور دیئے گیا تو اس عرصہ میں اس کے خلاف رپورٹ موجود تھی اور جن لوگوں کے نام اس نے حملہ آوروں میں بتائے تھے وہی اس کے خلاف رپورٹ کرنے والے نکلے۔ پولیس نے اس کی رپورٹ نہ لے کر اسی کا چالان زیر دفعہ ۲۵۲ کر دیا اور تین اور مسلمان اس کے ساتھ ملزم بنائے گئے یہ سب مسلمان جھوٹا مقدمہ ہونے کے باعث مسٹر ارنیل آئی۔ سی۔ ایس مجسٹریٹ سکند کلاس کی عدالت سے اگست ۱۹۳۵ء میں بغیر جرم لگائے بری کر دیئے گئے۔

(۴) رسائی پاڑہ میں ایک ہندو ٹولی نے پانچ مسلمان پر حملہ کیا رپورٹ کی گئی مگر کوئی توجہ نہ کی گئی۔

(۵) حاجی ولی کے مکان کو گھر لیا گیا اور پولیس کے سامنے اس پر پتھر پھینکے گئے۔ صبح کو انہوں نے رپورٹ کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

(۶) صدر بازار کے ایک مسلمان دوکاندار رحیم بخش کو آدھی رات کے وقت چٹا کر لیا کہ شکہ خریدنی ہے۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا ہاتھ پر لاٹھی ماری گئی۔ اس نے فوراً دروازہ بند کر لیا۔ اس نے پولیس میں اطلاع دی ڈاکٹری معائنہ بھی ہوا۔ مگر کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

(۷) ایک معزز مسلمان عبدالحی کے مکان پر پتھروں کی بارش کر گئی، انہوں نے پولیس میں اطلاع دی کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

(۸) ۲۶ جون کو باضابطہ طور پر مسلمانوں کا بائیکاٹ اور ان کی دوکانوں اور کارخانوں پر پکٹنگ کی گئی مسلمانوں کے تمام ہندو ملازمین کو کام پر جانے سے روک دیا گیا۔ قصبہ کے اندر آتے والے تمام راستوں پر پہرہ بٹھا دیا گیا اور دودھ دہی بیچنے والوں اور ہر چیز پر

اور مزدور کو تنبیہ کے ساتھ ہدایت کی گئی کہ مسلمانوں کو سودانہ دینا اور مسلمانوں کا کام کرنا۔ یا شتم بیڑی والے کے کارخانہ پر پکٹنگ کی گئی اور عثمان ابا کے کارخانہ لاکھ پکٹنگ کی گئی۔ کسی ہندو کو اندرجانے نہ دیا گیا اور مسلمان تو حملہ کے خطرہ کے باعث خود ہی نکل نہیں رہے تھے۔ پولیس کو اطلاع دی گئی مگر پولیس نے نہ کوئی اس کی روک تھام کی نہ کسی کے خلاف اس سلسلہ میں کوئی کارروائی کی۔

(۹) اکا دکا اور بگڑا ہوا مسلمانوں پر حملہ کا سلسلہ صبح سے پھر شروع ہوا۔ مٹھ پاڑہ اور رسائی پاڑہ کے پاس جو جوا لہو ہندوؤں کے محلے ہیں ان میں حملوں کا زور تھا لیکن پولیس نے کوئی انتظام نہیں کیا۔

(۱۰) مٹھ پاڑہ کے قریب لطیف کچھی کو جو ایک کاروباری آدمی تھا بری طرح زخمی کیا گیا جب یہ بخانہ پرپورٹ درج کرانے گئے تو انہیں اسپتال بھیج دیا گیا۔ جب اسپتال سے یہ واپس آئے تو ان کے خلاف رپورٹ موجود تھی، انہیں کو زیر دفعہ ۵۲م گرفتار کر لیا گیا اور وہ ہزار کی ضمانت پر چھوڑا گیا۔ یہ معلوم کیوں پولیس نے چالان عدالت میں پیش نہیں کیا۔

(۱۱) ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پولیس کی سازش سے ہندو غنڈوں نے دھمتری کو فتح کر لیا جو چاہتے تھے کہ تھے۔ بائیکاٹ بھی ہو رہا ہو۔ ہندو ملازم اور پیشہ ور کو بہ جبر واکا بھی جا رہا ہو۔ محلے بھی ہو رہے ہیں۔ اُدھر ایک جلوس نکالنے کا بھی انتظام کیا گیا ۱۰ بجے دن کو تین جلوس نہ ماتا پوچا جانی، کے نام سے یکے بعد دیگرے نکالے گئے۔ جلوس کو واقعی تباہ کے لئے چند عورتوں کو بھی اس میں شامل کر دیا گیا۔ جلوس کے ساتھ باجہ بھی تھا۔ پولیس نے کوئی تعارض نہیں کیا کہ ایسے وقت جلوس کا اور وہ بھی عورتوں کے ساتھ کیا موقع ہے اس جلوس والوں نے صاحب علی نام کے ایک مسلمان کو بلیم سے زخمی کیا۔ انہوں نے رپورٹ لکھوائی جو یونہی سی لکھی گئی تب انہوں نے ایک تحریری رپورٹ بھیجی۔ ایک ہندو کا چالان کیا گیا جو استغاثہ کی سرسری پیروی کے باعث رہا ہو گیا۔

(۱۲) جلوس کا مقصد ظاہر تھا مسجد کے سامنے باجہ بجانا اور راستہ میں مار دھاڑ کر نادہ انہوں نے کیا تینوں جلوسوں نے واپسی ٹھیک نظر کی نماز کے وقت کی اور ممنوعہ وقت ہونے کے باوجود باجہ مسجد کے سامنے بجایا۔ پولیس کے منع کرنے پر بھی نہ مانے مگر پولیس نے اس عدول حکمی اور خلاف ورزی پر کوئی کارروائی نہیں کی۔

(۱۳) سیٹھ ہاشم کے باورچی پسینیا کے سامنے ۱۱ بجے دن کو حملہ ہوا گو اس کے چوٹ کافی تھی مگر اسے اسپتال میں رہنے کی اجازت نہ ملی۔ اس نے ۲۷ کی صبح کو جب وہ تھما تہ تک آسکا رپورٹ کی۔ جب رپورٹ کر کے واپس جا رہا تھا تو پھر اس پر حملہ کیا گیا۔ یہ زخموں کی تکلیف اور زخموں کے باعث باہر نہ نکلا کسی نے پولیس میں اس کی اطلاع کر دی۔ چار دن کے بعد پولیس نے لاری بھیجی۔ اس پر وہ آیا۔ اس کا بیان قلمبند ہوا۔ اس نے اپنے حملہ آور کے نام بتائے۔ دونوں حملوں کے متعلق لیکن پولیس نے کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

(۱۴) ایک شخص گلاب اور اس کے دو بھائی جو مٹی ڈھولنے کا اور مزدوری کا کام کرتے ہیں سیلجہ لئے ہوئے اپنی بہن کو دیکھنے رسائی پاڑہ کی طرف چلے۔ ان پر ایک مجمع نے حملہ کیا اور رگیدا۔ انہوں نے بھاگ کر ایک مسلمان کے گھر میں پناہ لی۔ مجمع نے گھر کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ نکلو ورنہ گھر میں آگ لگا دیں گے۔ یہ مارے خون کے نکل آئے۔ اور بھاگے ان کو زرد کو بکایا گیا اور ان کا پیچھا کیا گیا۔ یہ اپنے گھر تک کسی طرح پہنچے اور گھس گئے۔ ہندوؤں کی ٹولی نے مکان کے اندر گھس کر ان کو پکڑا اور مارنے لگے اتنے میں پولیس آگئی اور اس وقت انہیں موت سے رہائی ملی۔ انہوں نے رپورٹ درج کرائی مگر حسب دستور ان کے خلاف بھی ایک رپورٹ مہیا ہو گئی اور انہیں گرفتار کر لیا گیا اور ایک ہزار روپیہ کی ضمانت پر رہا کیا گیا۔ لیکن نہ معلوم کیوں پولیس نے عدالت میں چالان نہیں پیش کیا۔

(۱۵) باہر کا ایک مسلمان لڑکا جو نائٹک کا کام کرنا تھا میونسپل سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اسے شدید طور پر زخمی کیا گیا۔ اسے تھانہ پر لایا گیا۔ اسپتال بھیجا گیا۔ پھر اس کا پتہ نہ چلا۔ قرینہ یہ کہ پولیس نے اسے اٹا سیدھا کہہ سن کر دھمتری سے روانہ کر دیا اور اُس نے بھی خیریت اسی میں سمجھی ہوگی کہ یہاں سے نکل چلو، پر دسی اور وہ بھی غریب کہہ ہی کیا سکتا تھا۔

(۱۶) ایک مسلمان بخشش علی پرمیونسپل سرائے کے سامنے حملہ کیا گیا۔ دو مسلمان مسیٰ رؤف اور پاپا اس کے بچانے کے لئے دوڑے۔ ان پر بھی لائیووں اور لم سے حملہ کیا گیا۔ انہیں چوٹیں آئیں۔ انہوں نے تھانہ میں جا کر اطلاع دی۔ لیکن طے شدہ سازش کے مطابق ان کے خلاف رپورٹ پہنچ گئی اور انہی کو زیر دفعہ ۳۲۲ گرفتار کر لیا گیا۔ ضمانت پر چھوڑے گئے اگست میں عدالت نے انہیں فرد جرم لگائے بغیر رہا کر دیا

(۱۷) ایک بہت ہی متول، معزز اور مختیر مسلمان تاجر سیٹھ عبداللطیف جہاز امرتسری اپنے بال بچوں کے ساتھ سیٹھ عثمان ابا کی موٹر پر آ رہے تھے کہ ان کی موٹر گھیری گئی اور ان پر حملہ کیا گیا بڑی شکل سوہ عثمان ابا مالکدار کے مکان تک پہنچے۔ سیٹھ جہاز بہت ہی خدا ترس آدمی ہیں اور یہ ہر مقامی قومی تحریک میں امداد کیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی فیاضی و مقامی آرمی سلج اور ہندو سہا بھی محروم نہیں رہی ہے۔ مگر مسلمان ہونے کا قصور الیسا تھا کہ یہ سب سلوک کچھ کام نہ آیا اور ہندوؤں کی دست برد نہ پنج سکے موٹر چور چور کر دی گئی پولیس نے موٹر تباہ کرنے کے الزام میں جہاز صاحب کی شکایت پر پانچ ہندوؤں کا چالان کیا۔ (۱۸) ہندو ٹولی کو اس کا بڑا رنج ہوا کہ ایک موٹا شکار مع اپنے ساتھیوں کے جان بچا کر نکل گیا۔ اس لئے انہوں نے جہاز صاحب کا پیچھا کیا اور عثمان ابا کے مکان کو گھیر لیا۔ پھر کی بارش شروع ہوئی کھڑکی اور دروازے توڑ ڈالے گئے۔ اور اندر گھسنے کی کوشش کی گئی۔ قریب تھا کہ یہ لوگ گھس ہی جاتے کہ جہاز صاحب نے بندوق سے فیر کر دیا۔ اسی اشارہ میں ایک اور فیر بھی ہوا۔ جس میں دو مزدور جو جانور اسپتال کے چھپرہ پر کام کر رہے تھے

گولی کھا کر گر گئے اور بعد میں رخصت ہو گئے ان مردوروں کے مرنے کا الزام جہاز پر لگایا گیا۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا اور ان پر قتل کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ ہندوؤں نے خوب خوب جھوٹی گواہیاں دیں مگر مسٹر یادو مجسٹریٹ رائے پور کی عدالت سے مسٹر جہانگیر فرجی جرم لگائے بری کر دیئے گئے۔ فاضل مجسٹریٹ نے ہندو گواہوں کی کذب بیانی پر مدلل بحث کی جو اور سب انسپکٹر پولیس کے بغض طرز عمل کی نذر تھے جو مجسٹریٹ اس نتیجہ پر بھی پہنچے ہیں کہ سب انسپکٹر نے اس سلسلہ میں پولیس ڈائری میں جعل بنایا ہو اور بیان کے الفاظ کو اپنے مطلب کے مطابق بنانے کے بعد میں بدل ڈالا ہو۔ مجسٹریٹ نے سب انسپکٹر پر یہ بھی الزام لگایا ہو کہ گولی چلنے کے فوراً بعد ہی دو جائے وقوع سے گذر اے اگر حالات کی خبر ہو جانے کے باوجود رک کر صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش نہ کی نہ مجمع کو منتشر کرنے کی۔ بلکہ سیدھے تھانہ چلا آیا۔ مجسٹریٹ کے خیال میں انسپکٹر کا طرز عمل اس موقع پر نامناسب اور قابل اعتراض رہا اس غلط الزام کی پاداش میں اس عمر سید معزز اور صاحب غیر مسلمان کو دو مہینہ حالات میں بند رہنا پڑا۔

(۱۹) جب ہندوؤں نے کافی طور سے ہنگامہ مچالیا مگر ان کی توقع کے خلاف کسی مسلمان کی جان نہ لگئی، بلکہ اتفاقاً طور پر دو ہندو ہی جان سے گزر گئے اور مسلمان بھی اس عرصہ میں بہت کچھ مدافعت کے لئے تیار ہو گئے تو ہنگامہ کی ابتداء کے تقریباً انیس گھنٹہ بعد دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ۲۶ جون کو چار بجے شام کے وقت کیا گیا۔ لیکن ہندوؤں پر اس کا اطلاق برائے نام رہا وہ لاکھیاں لے کر کھومتے اور جمع ہوتے صرف کبھی کبھی لاکھیاں ان سے لے لی جاتیں۔ کسی کے خلاف دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی میں چالان کیا گیا۔

(۲۰) سیٹھ عباس نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو ۳ بجے دن کو رپورٹ کی کہ ہندو مجمع بڑھ رہا ہے۔ ان کی موٹر پر برمی طرح پتھر پڑے ہیں۔ انہیں ٹھہ پاڑہ سے اپنے عزیزوں کو لانا ہو اس کے لئے پولیس کی مدد دی جائے۔ افسر مذکور نے سب انسپکٹر کو ہدایت کی کہ وہ خود ساتھ جا کر ان کی حفاظت کرے۔ جب موٹر ٹھہ پاڑہ پہنچی تو سخت بارش پتھروں کی ہوئی سب انسپکٹر

نے نہ تو اس وقت مجمع کو تنبیہ کی نہ بعد میں اس سلسلہ میں کوئی کارروائی کی۔

(۲۱) رام پال سنگھ ماسٹر اردو پرائمری اسکول کو شہزادہ میں حصہ لیتے ہوئے خود سب ڈیوٹی پر بل مجسٹریٹ نے دیکھا۔ وہ خود اسے پکڑ کر تھانہ پرے گئے۔ انہیں تھوڑی دیر تھانہ پر روکا گیا۔ مگر تحصیلدار نے آکر مداخلت کی اور انہیں پھر آزاد دیئے جہاں سے جہاں کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

(۲۲) ۲۶ جون کی شام تک پولیس نے گیارہ مسلمانوں کو گرفتار کر لیا مگر ایک ہندو پر تھانہ ڈالا (۲۳) ہندوؤں کی شکایت پر مسلمانوں کے مکانات کی تلاشی لی گئی۔ مسجد کی تلاشی لی گئی ولی محمد نامی مسلمان کی خانہ تلاشی لی گئی اور مسجد پر چار مرتبہ دھاوا بولا گیا مگر مسلمانوں کی بہیم شکایتوں کے باوجود بلکہ پولیس کی آنکھوں کے سامنے ارباب مجرم کے باوجود کسی ہندو ادارہ سے یا مکان کی تلاشی نہیں لی گئی۔

(۲۴) دونوں قوموں کے لائسنس داروں کی بندوبست کی گئی مگر تمام ہندوؤں کی بندوبست ان کو فوراً واپس مل گئی مگر مسلمانوں کی بندوبست کی واپسی میں ٹال ٹول اور تاخیر سے کام لیا گیا اور بعض کی تین چار ماہ بعد تک بھی واپس نہیں ہوئیں۔

(۲۵) سیٹھ عثمان اباس کے اکوڑے کا رخانہ اور کوئلہ کے گودام میں ۲۶ جون کی شب کو آگ لگا دی گئی۔ یہ جل کر خاکستر ہو گئے۔ بلوہ کے ایک ہفتہ بعد مسٹر پنڈت روہن سب جی سکند کلاس کے سامنے دو ہندوؤں نے بیان دیتے ہوئے اس سازش کا پتہ لپکا۔ انہوں نے اس سازش زنی میں مقامی ہندو لیڈروں کی شرکت کی تفصیل بتائی اور بتایا کہ غنڈوں کو مفت شراب پلا کر مست بنایا جاتا اور آجھارا جاتا تھا۔ مگر چونکہ بڑے لوگ پھینکتے تھے اس لئے حسب دستور ایسے بیانات کے باوجود معاملہ گاؤں خود کر دیا گیا۔

(۲۶) ۲۵ جون کی شب کو مسجد پر چوہنشت باری ہوئی تھی اور رات بھر مسلمانوں پر حملے ہوتے رہے تھے اس سلسلہ میں پولیس نے ۱۹ ہندوؤں کے ساتھ ساتھ ۱۱ مسلمانوں کا بھی بلوہ کے الزام میں چالان کیا۔

(۲۸) دفعہ ۴۵ کے بعد بھی مسلمانوں پر حملہ کا سلسلہ جاری رہا۔ عبدالرشید نامی مسلمان پر ۲۶ مارچ کو سات بجے شام کے قریب حملہ کیا گیا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی مگر کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ (۲۸) محی الدین ماسٹر ہندی میونسپل اسکول جب ۲۷ مارچ کو اسکول گئے تو انہوں نے دیکھا کہ چن بنانے کے لئے جو چاقو اسکول میں رکھا رہتا ہوا وہ سامنے پڑا ہوا ہے۔ انہیں خیال گذرا کہ اس تمام ہندو ماحول میں وہ اکیلے مسلمان ہیں اس لئے ممکن ہو کوئی اسے ان کے خلاف استعمال کرے انہوں نے اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔ حریف ہندو ماسٹروں نے اس امر کی اطلاع فوراً ترمینی لال وکیل ہندوؤں کے لیڈر کو پہنچائی۔ وکیل صاحب تحصیلدار کے پاس گئے۔ اور ہندوؤں کے غمگسار تحصیلدار صاحب فوراً ان کے ساتھ اسکول آئے۔ ماسٹر موصوف کو تھانہ پر لایا گیا۔ ان کی تلاشی لی گئی اور چاقو برآمد کیا گیا۔ انہیں زبردفعہ ۴۵ کے تحت گرفتار کر لیا گیا اور دو ہزار کی ضمانت طلب کی گئی۔ اتنی بڑی ضمانت کا انتظام شام کے وقت نہ ہو سکا۔ رات بسر بے چارے کے حوالہ میں رہنا پڑا اور دوسرے روز صبح کو ضمانت دے کر ان کی رہائی ہوئی۔

(۲۹) دلی محمد آتش باز کے مکان کو تین سو ہندوؤں نے گھیر رکھا اور خوب خشت باری کی اس نے پولیس میں رپورٹ کی اور حملہ آوروں کے نام بتائے۔ ہندوؤں کی رپورٹ پر اسکے مکان کی تلاشی لی گئی مگر اس کی خوش قسمتی ہو کوئی قابل اعتراض چیز نہ نکلی۔ دو مہینہ کی تحقیقات کے بعد جبکہ شہادت اور ثبوت بہت کچھ متاثر ہو چکے اس کے مکان پر بلوہ کرنے کے الزام میں گیا۔ ہندوؤں پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس آتش باز سے ہندوؤں کو خاص بغض تھا۔ سبب یہ ہو کہ کانگریس اکثریت کے اسمبلیوں میں آتے ہی ہندوؤں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ ۱۹۳۷ء کے محرم میں مسلم حق استعمال کے باوجود اسے اپنا تعزیر اپنے مکان کے سامنے کھلی جگہ سے نکالنے پر اعتراض کیا گیا اور اس کے مکان کو جو راستہ جاتا ہے وہاں کچی دیواریں بنادی گئیں۔ پولیس نے دونوں فریق کے خلاف ۴۵ء کی کارروائی کی۔ تعزیر تین دن پڑا اور آخر فیصلہ یہ ہوا کہ سواری کے گزرنے کے لئے ۴۵ فٹ کا راستہ ہونا چاہیے۔ مالک زمین کو ورغلا یا گیا کہ وہ انچی

پکھلی زمین ناٹھ آئید کو دوسے مگر مالک نے عقل سے کام لیتے ہوئے ایسا نہ کیا اور اس نے چودہ فٹ راستہ چھوڑ دینے کے فیصلہ کو قبول کر لیا۔ اس زمین کے آگے ایک اور قطعہ زمین چمپابائی کا ہے جس کے بعد سرک آتی ہے۔ ۱۹۳۷ء کے محرم میں چمپابائی کو ابھارا گیا کہ تعزیر اپنی زمین سے نہ جانے دے۔ دفعہ ۱۴۷ کے تحت کارروائی شروع ہوئی اور ہم افٹ راستہ دئے جانے کا حکم ہوا۔ اب ہندوؤں نے دیوانی میں مقدمہ دائر کیا ہے۔ جون کے بلوہ میں اس سے انتقام لینے کی سعی بیخ کی گئی مگر اٹنے اسی کے گھر کی تلاشی ہوئی اور اس کے حملہ آوروں کے خلاف دو ماہ بعد مقدمہ چلایا گیا۔

(۳۰) پولیس نے حسب دستور مسلمانوں کے نقصانات کی کثرت کے باوجود فوجداری مقدمات میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کا بھی چالان کیا لیکن سب سے بڑی ستم ظریفی یہ کہ اکیس ہندوؤں اور ۱۹ مسلمانوں کے خلاف دفعہ ۱۴۷ کے تحت بھی مقدمہ دائر کر دیا۔ اس میں ہندوؤں کے تمام لیڈروں اور سرغنوں کو شامل نہ کیا بلکہ معمولی بدعاش اور مشتبہ ہندوؤں کو۔ مگر مسلمانوں کے سربراہ اور وہ اور معزز لیڈروں کو مانعہ کر ڈالا۔ مسٹر عبدالحکیم وکیل جو دھمتری کے سب سے زیادہ کامیاب وکیل ہیں (یہ امر بھی رنابنت خیر ہی) اور بار الیوسی الین کے صدر اور مسلمانان دھمتری کے سب سے زیادہ بااثر لیڈر ہیں۔ اُن کا بھی دفعہ ۱۴۷ کے تحت میں چالان کیا گیا ہے یہ امر واقعہ ہے کہ حکام نے ہر نازک موقع پر قیام امن کے سلسلہ میں اُس کو بلا بلا کر مدد طلب کی اور ان کے ہی تدبیر اور رسوخ کی بدولت منعقد بار صورت حال سنبھل گئی۔ مگر مسلمان ہونا اور کانگریس کے سیاسی مخالف ہونے کا جرم ایسا تھا کہ کیسے بخشا جاسکتا تھا

(۳۱) ہندوؤں کی یہ سازش کہ وہ بلوہ کو اپنے پرتلے ہوئے تھے اور پہلے سے سب نشاطات مکمل کر چکے تھے تین ناقابل تردید واقعات سے مکمل طور پر ثابت ہو جاتی ہے (۱) رات میں وہ ہندو غنڈے بلوہ اُسے گئے جو راتے پور میں فساد کے باقی مباحی تھے (۲) مزدور سیوا سنگھ

کے والٹیر بلا دعوت لائٹھیاں لیکر بارہات کی بد خدمت کے لئے موجود ہو گئے حالانکہ اس سے پہلے بارہ شادیوں میں انہوں نے کوئی خدمت نہیں کی (۳) مقامی سینما کا سکند شہو اس روز بند رکھا گیا۔ مالک سینما مشہور رہا سیہالی ہے۔ ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے مسلمان معززین پر بے لگائی کا رویہ لازمی سمجھی گئی۔ اس سلسلہ میں دھمتری کے بعض حکام کے متعلق بھی جو اس وقت وہاں متعین تھے۔ چند باتوں کا تذکرہ ضروری ہو گا مگر سیسی وزارت کی مرکزی پالیسی اور طرز عمل نے ہر افسر کو ہندو پرست اور ہندوؤں کا طرفدار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر دھمتری کے تحصیلدار صاحب اس سعادت مندی کی ناکش میں زیادہ جوش دکھانے کے عادی تھے حیدر آباد سٹیٹ گروہ کے سلسلہ میں مقامی سینما نے ایک ”بینیفٹ ٹائٹ“ (کھیل کی آمدنی بغرض امداد دے دینا) دیا۔ تمام مقامی غیر مسلم حکام نے اس میں شرکت کی تحصیلدار صاحب سب انسپکٹر وغیرہ، سیدو سنگھ کی امداد کے سلسلہ میں بھی اس سینما نے ایک ”بینیفٹ ٹائٹ“ دیا۔ اس کی سرپرستی حکام نے کی تحصیلدار صاحب نے جو اس وقت میونسپلٹی کے افسر انچارج تھے میونسپل اسکول کے اسٹروں کو ہدایت کی کہ وہ اس کھیل کے ٹکٹ فروخت کریں۔ سب انسپکٹر صاحب کی ذہنیت تو اوپر دیئے ہوئے واقعات سے ظاہر ہو لیکن یوں بھی یہ بہت ہی نیک نام پولیس افسر تھے۔ ۳۵-۱۹۳۲ء میں جبکہ یہ لکھنؤ میں تعینات تھے ایک ناگوار واقعہ کے باعث سرکل انسپکٹر سے سب انسپکٹر بنا دیئے گئے تھے۔ مسٹر یادو مجیٹ نے سیٹھ جہاز کے مقدمہ قتل کے سلسلہ میں ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہو اس کا تذکرہ کیا جا چکا ہو۔ فساد کے بعد ان کا تبادلہ کر دیا گیا تھا۔ بلوہ کے بعض مقدمات میں ان کی گواہی تھی اس کے لئے انہیں ۱۹ ستمبر ۳۹ء کو دھمتری کی عدالت میں طلب کیا گیا تھا۔ یہ رائے پور پٹھانہ سے جہاں یہ متعین تھے ۸ ستمبر کو روانہ ہو گئے۔ مگر ۱۹ کو عدالت حاضریہ ہوئے مگر لوگوں کا بیان ہے کہ یہ رات ہر اردون بہر منصب کی ایک آوارہ دلالہ مسماۃ امٹھی کے مکان پر فروکش رہے اور شراب و عیش کی مستی میں عدالت آنے کا خیال نہ رہا۔ ۲۰ ستمبر کی صبح کو یہ حاضری عدالت

ہوئے۔ انہیں عدالت سے گیارہ بجے دن کو فرصت ہو گئی۔ اور انہوں نے اپنی روانگی بھی لکھا دی مگر شام کو یہ نشہ میں بدست اُسی عورت کے مکان پر پائے گئے۔ ہمدردوں نے ایک خاص لاری کر کے ۲ بجے رات کو انہیں رستے پور چلتا کیا تاکہ راز طشت از بام نہ ہو جائے۔ ایسے قابل اور نیک نفس انصروں کے ذمہ لمناؤں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا انتظام تھا۔

(۳۱) بھٹا پارہ :-

ناگ پنچمی ۳۹ء کے موقع پر یہاں کے ہندوؤں نے چھپر چھاڑ کی کوشش کی ایک بہت بڑے جلوس کا انتظام کیا گیا اور منادی کراوی گئی کہ اُس روز دکان بند رکھی جائے مگر پولیس نے کچھ شرائط ایسی لگا دیں کہ ارادوں میں کامیابی کی توقع نہ رہی۔ مقصد سلطان دستور مسجد کے سامنے باجہ بجانا تھا پولیس نے اس کی اجازت نہ دی اس لئے جلوس کو خیرباد کہہ دیا گیا۔ ناگ پنچمی سے آٹھ دن پہلے دیوالی یٹلی سے ایک درخو است دیوادی گئی کہ ایک مسلمان عبدالحمید نامی اُس کی گائے چرا کر لے گیا ہو۔ پولیس کی تحقیقات پر یہ بات غلط نکلی۔ سب انسپٹر نے افسران بالا کو لکھا کہ نیلی پر چھوٹی رپورٹ دائر کرنے کے جرم میں مقدمہ چلایا جائے۔ - مقامی کانگریسی لیڈروں نے اوپر تنگ دود شروع کر دی کہ ایسی اجازت نہ ملے اور معاملہ کو لیمٹ دحل میں ڈال دیا گیا۔

(۲) دُرگ :-

(۱) یہاں مسلمان چھپرٹنے کے لئے مسلمان ہی کو الہ کار بنایا گیا ایک آدار دانش اور بے وزن شخص منظم الدین سے یہ کام لیا جاتا کہ یہ مسلمانوں کے جلسوں میں ہنگامہ مچائے اور مسلمان لیڈروں کو مسرہاہ گایاں دے۔ کانگریس کے مخالف مسلمانوں کو تنگ کرے۔ - مسلم اداروں کے انتظام کے متعلق غلط فہمیاں پھیلا کر نفاق پیدا کرے۔ اس کے خلاف پولیس میں بے شمار رپورٹیں کی گئیں مگر کانگریسیوں نے کے باعث یہ ہمیشہ بچتا رہا۔ ۱۹۳۸ء

میں ایک شخص لطیف نے اس کے خلاف زیر دفعہ ۳۲۳ استغاثہ دائر کیا۔ اس پر اسے عدالت زیر دفعہ ۵۷ تیس روپیہ جرمانہ کی سزا ۱۹ نومبر ۱۹۳۸ء کی ہوئی۔ اس نے نہ صرف مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کیا بلکہ پولیس افسروں کی بھی پگڑی اچھالنی شروع کی۔ ۲۰ اگست ۱۹۳۸ء کو اس نے عدالت کے اندر بڑا ہنگامہ مچایا اور افسروں کو خوب خوب گالیاں دیں۔ پولیس نے اس کے خلاف زیر دفعہ ۵۷ افسروں کو گالیاں دینے کے جرم میں اور زیر دفعہ ۴۲ دعوئے ہنگامہ کرنے کے جرم میں دو مقدمات قائم کئے مگر کانگریسی حکومت نے یہ دیکھتے ہوئے کہ (۱) یہ کانگریسی ہو (۲) مسلمانوں کو پریشان کرتا ہو (۳) جن افسروں کو اس نے گالیاں دیں وہ بھی مسلمان تھے دونوں مقدمات کے اٹھائے جانے کا حکم صادر کر دیا۔ قصبہ کے مسلمان اس کا بایکٹ کر چکے تھے حکومت نے یہ بتا دیا کہ مسلمانوں کے دشمن حکومت کی نظر میں کتنے محبوب ہیں، خواہ وہ پرلے درجہ کے بد معاش کیوں نہ ہوں۔ اس کے خلاف زیر دفعہ ۳۶۶ اغوا کا مقدمہ بھی چلا تھا وہ بھی اٹھا لیا گیا۔

(۲) ایک مالک مقبوضہ اراضی جس کا رقبہ $2\frac{1}{2}$ ایکڑ سے کچھ کم تھا عرصہ دراز سے مسلمانوں کے قبضہ میں بہ حیثیت قبرستان چلی آ رہی تھی۔ مسلم جماعت نے اسے خارجہ دارالحدیث سے گھر دیا تھا اور اس میں بہت سی پُرانی قبریں موجود تھیں۔ یہی ایک قبرستان اس قصبہ کے مسلمانوں کے لئے تھا۔ موجودہ مالک دارلحدیث نے جو ماشار اللہ کانگریسی دوست ہو ۱۹۳۸ء میں مسلمانوں کے خلاف قبضہ دہانی کا دعویٰ دائر کر دیا۔ عدالت نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے سوا کل زمین کی ڈگری دے دی۔ معاہدہ کے وقت عدالت نے جو حد بندی مقرر کی تھی اسے بھی بدل ڈالا۔ یعنی ڈگری میں تو بہت سی قبریں مدعی کو دے ہی دی تھیں قبضہ دلاتے وقت حد بندی اس طرح کر دی کہ مسلمانوں کا اور زیادہ نقصان ہو گیا۔ دیوانی ڈگری پاتے ہی اس شخص نے نہ صرف اس زمین کو مع قبروں کے جوت ڈالا جو اسے ڈگری میں ملی تھی، بلکہ مسلمانوں کی زمین میں واقع قبروں پر

بھی ہل چلا دیا۔ پولیس اور سب کے نمائندہ کانگریسی لیڈروں نے کوئی تعارض نہیں کیا غریب مسلمان اپنے ابا و اجداد اور اعز کی قبروں کی یہ بے حرمتی آنکھوں سے دیکھتے رہے اور آہ سرد ہر کر رہ گئے مسلمانوں کے بہت شور مچانے اور احتجاج کرنے کے بعد جب قبرستان پر اچھی طرح ہل چل چکا تو پولیس نے شخص مذکور کا زیر دفعہ ۲۹۷ توہین مقابر کے الزام میں چالان کیا۔ اس سلسلہ میں یہ تذکرہ بے جا نہ ہو گا کہ جس محال میں یہ زمین واقع ہو اس کی زمین داری صوبہ متوسط و برار کی اسمبلی کے کانگریسی صدر مسٹر گنیشام داہن گپتا و برادران کے قبضہ میں ہے۔ اور گپتا جی کا بھی مسکن درگ ہی میں ہے۔ قانون بنیروست کے مطابق اس اراضی کا لگان عہدہ سالانہ ہے۔ خان بہادر مرزا ظہور الحسن بیگ صاحب مالک اور درگ راوی ہیں کہ جب گپتا جی کے والد آنجنابی کے پاس مسلمان یہ لگان ادا کرنے کے لئے گئے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ”ہمارے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکا لگانا چاہتے ہو۔ ہم مسلمانوں کے قبرستان کی آمدنی کھائیں اور قبروں کی زمین کا لگان وصول کریں۔“ وہ کانگریسی نہ تھے۔ لیکن گپتا جی اور ان کے بھائی ”قوم پرست“ ہیں۔ چنانچہ جس لگان کا مسلمان سمجھے ہوئے تھے کہ معاف کر دیا گیا ہے۔ گپتا جی کے بھائیوں نے نالاش واپار کے وصول کر لیا۔ انہوں نے ہو کہ حیدر آباد سنیہ گروہ کے روح رواں کے خاندان کے خاندان کو اپنے گھر میں مسلمانوں کے ساتھ اس سے زیادہ قوم پرستانہ سلوک کرنے کا موقع نہ مل سکا کہ ان کے محال کا مالک مسلمانوں کے قبرستان پر ہل چلا دے اور وہ خود معمولی رقم کا لگان بھی جو پہلے نہ لیا جاتا تھا کانگریسی دور میں بطور مجزیہ وصول کر چھڑیں

(۳) ضلع بلاسپور :-

(۱) بلاسپور :-

(۱) ۱۹۳۸ء میں اس شہر کے اندر چھتر چھاڑ شروع ہو گئی۔ چلو سوں کے سلسلہ میں تعلقات کشیدہ ہونے لگے۔ یہاں باجہ مسجد کے سامنے نہیں بجا کرتا ہی۔ لیکن چھڑنے کے

لے یہ ترکیب نکالی گئی کہ مسجد کے سامنے ”گھنٹہ“ بجانے کی کوشش کی گئی کہ یہ تو باجہ نہیں ہو۔ اس طرح آپس میں فرنگی بھلائی گئی پولیس نے اسی کی آم میں ۱۶ جون ۳۸ء کو آٹھ مسلمانوں پر زیر دفعہ ۱۲۱ء مقدمہ قائم کر دیا۔ اس میں ایک مقامی معزز انکم ٹیکس دینے والے مسلم لیڈر محمد اسحاق جان کو بھی ماخوذ کیا گیا۔ لیکن کسی ہندو کا چالان نہیں کیا گیا۔ مسلمان ملزمین ثبوت نہ ہونے کے باعث ستمبر میں بری ہو گئے۔

(۲) اپریل ۳۹ء میں اس جرم پر کہ مسلمانوں نے اپنی شکایات بار بار حکام کے کانوں تک اور اخبارات میں پہنچائیں جو ۱۴ مسلمانوں کے خلاف زیر دفعہ ۱۲۱ء کارروائی کی گئی، اور ان سے مچلکے لے لئے گئے۔

(۳) ۱۲ ستمبر ۳۹ء کو ایک جلوس کے موقع پر مسجد کے سامنے ”گھنٹہ“ بھیک نماز کے وقت (۱۰ بجے شب کو) بجایا گیا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی مگر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ بلکہ معتبر اصحاب کے بیان سے پتہ چلا کہ خود سب انسپکٹر پولیس نے اس حرکت کے لئے آم بھارا تھا۔ اس امر کی اطلاع بھی حکام بالا کو دے دی گئی۔

(۲) کنگھورا: —

جولائی ۳۹ء میں ہندوؤں نے مسجد کے سامنے خوب باجہ بجا یا جیکارے لگائے اور مسلمانوں کا تمسخر اڑایا۔ بعض مسلمان بھی مدافعت کے لئے مجبور ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۶ مسلمانوں کا چالان کر دیا گیا۔

(۳) اکل تارا: —

۱۹۳۹ء میں محرم کے موقع پر مسلمانوں کو قدیم راستہ سے تعزیر لے جانے میں مزاحمت کی گئی اور ہندو آمادہ فساد ہو گئے۔ تین روز تعزیر سڑک پر پڑا رہا۔ آخر ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے آکر تعزیر اٹھوا یا۔ ان ہندوؤں کے خلاف جنہوں نے شرانگیزی کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

(۴) مونگیلی :

یہاں ایک ہی شخص ہیں جو مسلمانوں کی ہر تحریک کے روح رواں ہیں۔ ملا عبدالقیوم کو ہر تاجر و کوشش انہی کو پریشان کرنے کی کی گئی۔ ایک معمولی پٹوا بتوئی نامی جو شرک کے کنارے دوکان لگا کر تاتھا ملاجی سے لین دین کیا کرتا تھا۔ ایک روز اس سے کچھ حجت ہو گئی۔ فوراً پولیس میں رپورٹ کی گئی۔ یہ امر قابل غور ہے کہ باب پہلی رپورٹ کو پولیس نے نظر انداز کر دیا تو دوسری رپورٹ کو مسٹر دیوت سکریٹری تفصیل کانگریس کمیٹی نے کی اور شہادت بھی دی۔ زیر دفعہ ۳۷۳ ملاجی کے خلاف مقدمہ چلا۔ تمام ممتاز کانگریسیوں نے حصہ لیا مسٹر تیواری ممبر اسمبلی بطور وکیل پیش ہوئے۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ ملاجی پر ۳۷۳ جرمانہ ہو گیا۔

ناگپور روڈوین

(۱) ضلع چھند وارہ

(۱) سیونی

۱۹۳۷ء سے یہاں اشتغال انگیزی اور چھپر چھاڑ کی پوسٹ شروع ہوئی جب کانگریسی وزارت نے قلمدان سنبھال لیا تو اس میں تیزی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ اگست ۱۹۳۷ء میں ہندوؤں نے ایک بہت بڑی ٹینک کی جس میں گائے کی حفاظت کی ۴۷ لکیر مسلمانوں کے خلاف خوب زہریلی تقریریں کی گئیں مسٹر جٹار کانگریسی ممبر اسمبلی نے بھی اس میں سرپرستانہ طریقہ پر شرکت کی۔ اس جلسہ کے سلسلہ میں جو اشتہارات تقسیم کئے گئے ان میں ہندوؤں کو اشتغال دلانے اور مسلمانوں کی توہین کرنے کے لئے یہ جملہ بھی درج تھا۔

”گاؤ گشتی اور انسان گشتی ایک ہی سکتے کے دو رخ ہیں“

مسلمانوں کے صبر و ضبط اور بعض سنجیدہ ہندوؤں کی دانشمندی کے سبب بات بڑھنے نہ پائی لیکن پولیس نے ان تمام اشتغال انگیزوں کی روک تھام کی ضرورت نہ سمجھی اور نہ لیسے

اشنہ رات نکلنے والوں سے باز پرس کی گئی۔

(۲) چھپا رہا :-

یہاں پہلے مسجد کے سامنے باجہ بند کیا جاتا تھا۔ مگر ۳۲ء سے اس طریقے کی پابندی نہ رہی، لیکن کانگریسی حکومت کے زمانہ میں نہ صرف باجہ بجا نا ضروری سمجھا گیا بلکہ اسے مسلمانوں کو چڑھانے کا ذریعہ بھی قرار دیا گیا۔ وہ اس طرح کہ ٹھیک نماز کے وقت مسجد کے سامنے باجہ بجانا دینک وہیں کھڑے رہنا اور دل آزار نعرے لگانا۔ ۹۳ء کے دسبرہ کے موقع پر کالی کالوس بڑی دھوم دھام سے نکالا گیا۔ جلوس چار بجے شام کو نکلا اور رات بھر گشت کرتا رہا اور صبح کی نماز کے وقت مسجد کے سامنے واپس پہنچا اور خوب شور مچانے لگا۔ کوشش یہ تھی کہ مسلمان سمجھیں۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ نمازی مسلمان مسجد کے اندر ہی دروازہ بند کر کے بیٹھے رہے۔ مجبوراً جلوس آگے چلا گیا۔ جلوس کے بہ خیریت چلے جانے کے بعد سرکل انسپکٹر پولیس مع نین چار کانسٹیبلوں کے ہتھکڑی لئے ہوئے مسجد کے اندر گھس آئے۔ کانسٹیبل صحن میں کھڑے رہے مگر انسپکٹر صاحب جو توں سمیت اندر چلے گئے۔ اور قاضی حسین علی صاحب پیش امام جو تلاوت کر رہے تھے ہر ا بھلا کہتے ہوئے ہاتھ پکڑے صحن میں لے آئے اور تھکڑی پہنا دی کہ تم گرفتار کئے گئے۔ کسی گھنٹے حوالات میں بند رکھنے کے بعد تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ان کو رہا کیا گیا۔ سرکل انسپکٹر نے کانسٹیبلوں کے ساتھ قاضی صاحب کو تو حوالات بھیج دیا۔ مگر خود مسجد میں ہی رہے۔ باوجود استدعا اور اصرار کے جو تہ نہیں آتا۔ پھر انہوں نے موڈن سے ڈانٹ کر چابی لی اور دلیسے ہی جو تہ پہنے تمام اندر گھس کر معائنہ کیا اور طاقتوں اور الماریوں کو کھول کر ان کی تلاشی لی۔ تلاشی لیتے ہوئے کلام مجید اور پاروں کی بے دردی کے ساتھ اٹھا پٹک کی۔ موڈن نے احتجاج کرتے پر اسے سخت مسست کہا گیا۔ ان تمام امور کی اطلاع حکام کو دی گئی مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ دسبرہ کے جلوس سے ایک دو روز پیشتر ہندوؤں نے اکھارہ کے ساتھ جلوس نکالا جس میں مسلمانوں کا مذاق اڑانے

کے لئے چند شیر بھی بنے جیسے کہ مسلمان محرم میں بنتے ہیں اور انتہائی اشتغال انگیز اور
دل آزار نعرے لگائے مثلاً ”کالے پیلے یا حسین۔ لمبے چوڑے یا حسین۔ بھوکے ننگے
یا علی“ وغیرہ۔ مگر پولیس نے کارروائی تو کجا اسے روکا تک نہیں۔ ایک دو مسلمان کا نسب
نے منع کیا مگر ان کی کون سننا تھا۔

(۳) پانڈھرنا: —

(۱) مارچ ۱۹۳۹ء میں منظم سازش کے تحت یہاں بھی بلوہ کرانے کی کوشش
کی گئی۔ یہاں مسجد کے سامنے باجہ نہیں بچتا لیکن ڈنڈی بجائی جاتی ہے۔ اس سال
جبکہ اپنی حکومت تھی مسجد کے جبر سے احترام کو خیر باد کرنے کا پروگرام کر لیا گیا۔ یکم مارچ
ہی سے انتظامات شروع ہو گئے۔ سرگوشیاں اور خفیہ جلسے ہونے لگے۔ مسلمانوں کو بھی اطلاع
ہو گئی۔ انھوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ لیکن پولیس نے کسی پیش بندی کی ضرورت نہ
سمجھی۔ ۵ مارچ کی شب کو ہندوؤں کا ایک بہت بڑا جلوس نکلا اور بارے قصبہ میں
گشت کرتا ہوا چلا۔ جب یہ جلوس مسلمانوں کی دوکانوں کے سامنے سے گزرتا تو انہیں
گالیاں سناتا ہوا جاتا۔ کہوں کہ ہولی کا تو جلوس تھا۔ گالی بکنے اور گانے کی کوئی ممانعت
نہ تھی نہیں۔ چوک بازار میں پہنچ کر اس جلوس میں بہت کافی اضافہ ہو گیا۔ جلوس چوک
مسجد کے سامنے رکا۔ یہاں جی ہر کہ مسلمانوں کو گالیاں دی گئیں۔ باجہ بیٹا گیا اور
مسجد پر سنگ باری شروع کر دی گئی۔ تین مسلمان سنگ باری سے زخمی ہوئے۔ اتنے
میں پولیس آگئی۔ اس نے صرف مجمع کو آگے بڑھا دیار است کو ہندوؤں نے قبرستان
کے اطراف کے تار اور لکڑی کے کھمبے اکھاڑ کر ہولی کے آلات میں ڈال دئے دوسرے روز
مسجد کے سامنے پولیس کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ لیکن مسلمانوں کو گالیاں دینے والے نقص
امن کرنے والے مسجد پر سنگ باری کرنے والے۔ مسلمانوں کو زخمی کرنے والے اور
قبرستان کی چار دیواری اکھیر کر لکڑیاں جلا دینے والے ہندوؤں میں سے کسی

کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

(۲) مگر ہندوؤں کے خیال کے مطابق ہولی کے موقع پر جو صلیے ابھی طرح پورے نہ ہوئے اس لئے اور موقع کی تاک میں رہے۔ ۲۸ جون کو کانگریسی اور ماسہائی لیڈر ایک سفری سینما کے قریب دوکانوں پر شب بیکٹھ گئے۔ اس سینما کا شرکت دار منظم مسلمان تھا۔ اس لئے عالم خیال یہ تھا کہ سینما مسلمان کا ہے۔ ان لوگوں نے ایک ہندو والٹیر امباد اس کو بھیجا کہ سینما کے اندر بلا ٹکٹ داخل ہونے کی کوشش کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ لازمی طور پر اسے روکا گیا۔ اس نے چھوٹے ہی گالی دے دی۔ اس پر تکرار بڑھی۔ یہاں انتظام پہلے سے تھا ہی فوراً بگل بجادیا گیا اور دو ہزار ہندوؤں کا مجمع اکٹھا ہو گیا اور اس نے مسلمانوں کو مارنا شروع کیا۔ ایک معزز مسلمان عبد الحمید صاحب کا ہاتھ لٹ گیا۔ تقریباً بیس مسلمان زخمی ہوئے جن کو لاشیوں اور بجالے کے زخم تھے پولیس نے ان میں سے کسی کو ڈاکٹری معائنہ کے لئے نہیں بھیجا۔ البتہ اس غلغلا میں چند ہندو بھی زخمی ہوئے جس میں ایک لڑکے کو زیادہ چوٹ آئی۔ اسے فوراً ناگپور اسپتال بھیجا گیا۔ ہندوؤں کی ٹولی نے متعدد مکانات اور دوکانوں کو بھی نقصان پہنچا یا اور ایک مسلمان کے ٹھیلے کو لوٹ لیا۔ پولیس کی تحقیقات شروع ہوئی کسی ہندو کا قصور وار ہونا ثابت ہو سکا۔ دو مسلمان فوراً گرفتار کر لئے گئے۔ جن کی ضمانت بھی پولیس کے یہاں سے نہ ہو سکی۔ اور انہیں چھند واڑہ جیل بھیج دیا گیا۔ بعد میں چھ مسلمان اور گرفتار کئے گئے فساد کے دوسرے روز ہندوؤں نے مکمل ہڑتال کی اور مسلمانوں کے بائیکاٹ کی تحریک شروع ہوئی۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی دنوں تک بڑی تکلیف رہی جب پولیس طرفدار ہی پرتی ہوئی ہو اور اکثریت جان کی دشمن ہو رہی ہو تو قانون کی ضرورت کے مطابق شہادت ملنی کو نسی مشکل بات ہو لیکن جھوٹ کو مکمل فروغ نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے نتیجہ حسب مراد نکلنے میں اکثر کمی

رہ جاتی ہے۔ اس مقدمہ میں بھی باوجود سعی و سعی بلینے کے صرف ایک مسلمان کے خلاف سنگین جرم ثابت ہوا جسے مجسٹریٹ کے فیصلہ و رخصۃ ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے مطابق ۹ ماہ کی سزا ہوئی۔
بقیہ کے چمکے لئے جانے کا حکم ہوا۔ مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ وہ امر تعجب انگیز ہو کہ پولیس نے ہندوؤں کا چالان کیوں نہیں کیا۔

(۲) بیتول :-

۱۸۸۶ء میں یہاں کے ہندو مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا کہ ہندو مسجدوں کے سامنے باجہ نہیں بجائیں گے اور مسلمان چند مندروں کے سامنے باجہ نہیں بجائیں گے مسلمانوں نے اس بات تک معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی لیکن ہندوؤں نے متعدد بار اس کی کوشش کی۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء میں پھر معاہدہ کی تجدید کی ضرورت پڑی۔ بیتول اسپیشل کے پاس عرصہ چودہ سال کا ہوا مسلمانوں نے ایک مسجد بنائی۔ اس کے اطراف میں آبادی کم تھی۔ اس لئے ادھر سے جلوس وغیرہ نہیں نکلتے تھے۔ اب آبادی زیادہ ہو گئی ہے جلوس نکلتے لیکن گزشتہ چودہ سال میں اس مسجد کے سامنے کبھی باجہ کے ساتھ جلوس نہیں گیا۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں ہندوؤں نے کالی کا جلوس اس راستہ سے لے جانے پر اصرار کیا۔ مسجد جس سڑک پر ہو وہ نہ صبر راستہ ہے نہ ادھر ہندو محلہ ہے صبر راستوں اور ہندو محلوں کے راستوں کو چھوڑ کر یہی راستہ جلوس کے لئے منتخب کیا گیا۔ اس لئے کہ اس پر مسجد واقع تھی۔ مسلمانوں نے حکام کو اطلاع دی۔ دفعہ ۱۴۱ نافذ ہوئی۔ بڑے بڑے ہندوؤں نے پیروی شروع کر دی۔ ادھر ادھر آدمی اور بڑے لگے۔ اور یہی ہوا کانگریسی راج میں تمام ہندو آیا ہی لینے باوجود اس کے کہ یہ سچو چودہ سال سے موجود ہے اور ۱۹۳۹ء کے معاہدہ کا اطلاق اس پر یہ کیا ہوتا ہے انتظامی حکام نے اس کو نظر انداز کرتے ہوئے ہندوؤں کو مسجد کے سامنے باجہ بجانے کا حق دے دیا۔ اور انہوں نے اپنے اپنے دل کا بخار بھی بھر کر نکال لیا۔ ہندوؤں سے یہ نہیں کہا گیا کہ دیوالی کی طرف

رجوع کر دو۔

(۳) ضلع چاندہ :-

(۱) چاندہ :-

جولائی ۱۹۳۸ء میں پولیس کی تحقیقات کی بنا پر چنگی کے دو محرروں ایک ہندو مسلمی ناناجی اور ایک مسلمان امام علی نامی پر زبردستی مقدمہ چلا۔ دونوں کو عدالت ماتحت نے چار ماہ قید سخت کی سزا دے دی۔ دونوں نے سیشن جج کے یہاں اپیل کی، ناناجی کے بھائی ضلع کانگریس کمیٹی کے سکریٹری تھے۔ امام علی کے بھائی بھی تعلقہ کانگریس کمیٹی کی مجلس انتظامیہ کے ممبر تھے۔ دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے بھائی کے کانگریسی حلقے کے ذریعہ وزراء کے کان تک معاملہ کو پہنچایا۔ مسٹر منٹا وزیر عدالت نے ڈپٹی کمشنر منگہ کٹی کے ذریعہ جبکہ ڈسٹرکٹ جج کے یہاں اپیل زیر سماعت تھی کا غذا متنگوالے سیشن جج کے یہاں سے فیصلہ صادر ہونے سے پہلے وزارت کے دربار سے ہندو وزیر ناناجی کی رہائی کا حکم ہو گیا اور کا غذا واپس کر دیے گئے کہ ناناجی کے معاملہ کو چھوڑ کر امام علی کے متعلق اپیل کا فیصلہ معمول کے مطابق کر دیا جائے۔ سیشن جج نے عدالت ماتحت کے فیصلہ کو بحال رکھا۔ ناناجی تو وزیر عدالت کی عنایت سے بری ہو ہی چکے تھے۔ میاں امام علی کو جیل جانا پڑا۔ امام علی کے کانگریسی بھائی نے الہ آباد بمبئی اور کلکتہ میں رہنے والے ”ہائی کمان“ کے تمام دروازے کھٹکھٹا ڈالے مگر باوجود کانگریسی ہونے کے کسی نے بات تک نہ پوچھی۔

(۲) نورگاؤں (تھمیل بہار پوری) ضلع چاندہ :-

اس گاؤں میں ہندوؤں کی آبادی تین چار ہزار کے قریب ہے۔ مسلمانوں کی تعداد پچاس سے ساٹھ تک ہے۔ یہاں ایک مسجد بھی ہے۔ ۱۹۳۹ء میں یہاں بھی شورش کی گئی، پہلے تو مسجد کے سامنے باجہ بھایا گیا۔ پھر ناز کے وقت باجہ سجائے اور مسلمانوں

کی چیٹرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور بالآخر ایک ہونہر طے کر لیا گیا کہ مسلمانوں پر اپنے
 برسر حکومت ہونے کا سکہ بٹھا دیا جائے۔ چنانچہ ظہر کی نماز کے وقت ایک بڑا جلوس
 باجہ کے ساتھ لایا گیا اور مسجد کے سامنے رک کر خوب جے کارے لگائے باجہ بچایا
 اور دل آزار نعرے لگانے لگے۔ اس وقت مسجد میں صرف دو مسلمان نماز پڑھ رہے
 تھے۔ انہوں نے جلوس والوں سے کہا کہ اس شور اور ہنگامے سے حاصل ہی کیا
 ہو۔ بس اتنا کہنا غضب تھا۔ ہندو سوراٹن کے پیچھے دوڑے۔ وہ بے چارے مسجد
 کے اندر گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ ہندوؤں کا ایک بڑا اجتماع بھی مسجد کی طرف
 بڑھا دروازہ توڑ ڈالا اور اندر گھس گئے۔ ایک ٹولی نے تو ان دونوں مسلمانوں پر
 بے رحمی کے ساتھ حملہ شروع کر دیا۔ اور دوسری ٹولی نے تمام جھاڑ کاٹوس۔ ٹوٹا لٹا
 اور مسجد کا دیگر سامان چور چور کر دیا۔ مسجد کی عمارت کو بھی نقصان پہنچایا۔ دونوں مسلمان
 کسی طرح موت کے منہ سے بال بال بچے۔ ان دونوں زخمی مسلمانوں کو نزدیک ترین
 اسپتال میں جو مل میں ہوا لایا گیا مگر ڈاکٹر نے کوئی توجہ نہ کی اور کہا کہ زخم معمولی ہی چلے جا
 اس پر یہ دونوں زخمی چاندہ لائے گئے۔ یہاں چند مسلمان ہندو مددگار گئے اور ان کو
 لے کر پلوہ بجے شب کے وقت ڈی۔ ڈی۔ ایس۔ پی۔ کے ہنگامہ پر پہنچے۔ اور سارا
 حال سنایا۔ دونوں سے ایک مسلمان کو اسپتال میں داخل کیا گیا اور ایکس رے سے
 معائنہ کرتے معلوم ہوا کہ اس کی پسلی ٹوٹ گئی ہے۔ سات ہندوؤں کا متعدد دفعات
 کے تحت چالان ہوا مجسٹریٹ نے ان تین ہندوؤں کو جو سرغنہ مانے جاتے ہیں فرد
 جرم لگائے بغیر بری کر دیا۔ صرف چار معمولی ہندوؤں کے خلاف مقدمہ چلایا گیا
 اس کے ساتھ ساتھ ان دو مجروح مسلمانوں کا بھی ہندوؤں کے جلوس میں خلل
 انداز ہونے کے جرم میں چالان کر دیا گیا۔ کسی ہندو کو ضرب نہیں آئی۔ دو مسلمان
 مجروح ہوئے۔ ایک کی پسلی توڑ ڈالی گئی۔ مسجد کی توہین کی گئی۔ دروازہ توڑ ڈالا گیا۔

سلمان برباد کر ڈالا گیا۔ اور ملزم دو مسلمان، اور چار ہندو۔

(۴) ضلع ناپگور: —

(۱) رام ٹمیک: —

(۱) یہاں مسلمان آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اس وجہ سے ہندو مسجدوں کے سامنے باجہ بجانے میں آ زاد ہوتے ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں قاسم علی شاہ کے مزار کا تعویذ توڑ ڈالا گیا۔ مسلمانوں میں بڑا ہرجاں ہوا۔ احتجاجی جلسہ کر کے حکام کو اطلاع دی گئی مگر حکام قمر کی توہین کرنے والے کا پتہ نہ چلا سکے۔

(۲) ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو رمضان کے دنوں میں جبکہ مسلمان کافی تعداد میں افطار کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہوتے ہیں عین نماز مغرب کے وقت ہندوؤں نے جلوس میں مسجد کے سامنے باجہ بجا یا۔ پولیس کو مسلمانوں نے پہلے سے اطلاع کر دی تھی کہ ہندو ایسا کرنے والے ہیں مگر پولیس نے کوئی تعارض نہ کیا۔

(۳) یہ جائزے کی جگہ ہے۔ ۱۹۳۹ء کے جائزے کے موقع پر مسلمانوں کی دوکانوں پر ہندو والینٹیر تعینات کئے گئے کہ وہ ہندوؤں کو مسلمانوں کی دوکانوں سے سودا خریدنے سے باز رکھیں۔ پولیس نے ان والینٹروں سے کوئی تعارض نہیں کیا۔

(۲) کاٹول: —

(۱) یہاں میونسپل حدود کے اندر میونسپلٹی کے حکم کے مطابق گائے ذبح کرنے کی اجازت نہیں۔ یہاں کے قصاب گائے میونسپل حدود کے باہر ذبح کرتے ہیں۔ اور وہیں فروخت بھی کرنا چڑتا ہے۔ ۱۹۳۹ء میں ایک روز یہ خبر مشہور ہو گئی کہ دو قصابوں نے اپنے گھر میں گائے ذبح کر ڈالی ہے۔ ہندوؤں میں ایک شومعوج گیا اور ان ضرورہ مجرمین کے گھر پر دھاوا کیا گیا۔ ایک قصاب کا گھر جلادیا گیا اور مکان میں گھس کر اناٹہ لوٹ لیا گیا۔ پولیس نے ان ہنگامہ کرنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی البتہ

ان دونوں قضایوں کا خلاف ورزی قواعد کے جرم میں چالان کر دیا گیا۔
 (۲) دولت گیر نامی ایک ہندو ایک مسلمان مسیحی چھوٹو کی عورت کو بہ جبر بھگالے
 گیا۔ بڑی جدوجہد کے بعد عورت کی واپسی ہوئی۔ اغوا کرنے والے کے خلاف کوئی
 کارروائی نہیں کی گئی۔

(۳) مواظ : —

۱۹۳۸ء کے اخیر میں ایک روز ایک ہندو تیلی کی سولہ سالہ لڑکی بھیت میں مردہ
 پائی گئی۔ اس کے جسم پر جلنے کے نشانات تھے اور گردن کے قریب چاقو کا زخم تھا
 اس کی تحقیقات دو ہندو سب انسپکٹروں نے ایک مسلمان سرکل انسپکٹر کی نگرانی میں کی
 ہندوؤں کی طرف سے درخواست دی گئی کہ مسلمان سرکل انسپکٹر نہیں ہونا چاہیے۔ فوراً
 ناگپور سے ایک سنٹر انسپکٹر چاؤ جی بھیجے گئے۔ چاؤ جی نے ایک ماہ کے بعد گواہ پیدا کئے۔
 اس قصبہ میں مہاسبھا۔ کانگریس اور مسلم لیگ تینوں کی سرگرمیاں کافی ہیں۔ تحقیقات کے
 بعد تین مسلمان نوجوانوں کا جو مسلم لیگ کے زبردست حامی اور کارکن تھے قتل اور زنا بالجبر
 کے الزام میں چالان کر دیا گیا۔ جب سیشن میں یہ مقدمہ چلا تو بنائے ہوئے گواہوں کے
 میرزے اڑنے لگے۔ فاضل جج نے ان تمام گواہوں کو جھوٹا بتاتے ہوئے سخت دیکھیں
 کئے ہیں تحقیقات کرنے والے ایک ہندو سب انسپکٹر جب جرح میں ٹھہر سکے تو یہ
 کہہ دیا کہ ڈائری کے جن بیانات پر دونوں ہندو سب انسپکٹروں کے دستخط ہیں جھوٹی ہیں اور
 ہم لوگوں نے سرکل انسپکٹر کے کہنے سے چھوٹی ڈائری لکھی۔ یہ تینوں ملزم سیشن سوحان
 برسی ہو گئے اور جج نے سب انسپکٹر کے طرز عمل پر سخت زہار کس لکھے۔ اور یہ بھی لکھا کہ گواہ
 سب بنائے ہوئے ہیں۔ ہندو سب انسپکٹر کے خلاف ڈیپارٹمنٹل تحقیقات ہوئی۔ اس
 میں سب انسپکٹر نے کہا کہ عدالت میں جو میں نے ایسا کہا کہ میں نے جھوٹی ڈائری سرکل
 انسپکٹر کے کہنے سے بنائی وہ بیاں غلط ہے میں نے مسٹر نائٹڈ واسٹنٹ پبلک

پراسیکوٹر ممتاز کانگریسی لیڈر اور ناگیور سینیٹل بورڈ کے وائس پریذیڈنٹ کے کہنے سے
ایسا کہہ دیا۔ اب تماشا دیکھئے کہ نہ جھوٹ بولنے والے ہندو کو (ہوس کے خلاف کوئی
کارروائی کی گئی۔ نہ جھوٹا گواہ پیدا کرنے والے ہندو انسپکٹر چارجی پر کوئی آنکھ آئی۔ نہ
اس متعدد بار صریحاً جھوٹ بولنے والے ہندو سب انسپکٹر کو عہدہ کے لئے نااہل سمجھا
گیا۔ نہ ہندو اسسٹنٹ پبلک پراسیکوٹر سے کوئی باز پرس کی گئی۔ البتہ مسلمان سرکل
انسپکٹر پر نزلہ گرا اور انھیں وارننگ دیدی گئی !

(۴) پاٹن ساونگی :-

اس قصبہ میں ہندوؤں کی آبادی چار ہزار کے قریب ہے اور مسلمانوں کے چھپیس
گھر ہیں۔ یہاں ستر پچھتر سال کی پُرانی ایک مسجد ہے۔ اس مسجد کے سامنے ہر وقت باجہ
چالیس قدیم ادھر ادھر بند کر دیا جاتا تھا۔ کانگریسی راج قائم ہونے پر ہر جگہ کی
طرح یہاں بھی ہندوؤں نے سر اٹھایا اور ہر مقام کی طرح یہاں بھی پولیس اور حکام نے
ہندوؤں کی طرف داری اور مسلمانوں کے ساتھ بے انصافی کی۔ یہاں ہندوؤں کے
سرفنہ گاؤں کی کانگریس کمیٹی کے ایک ممبر اندراؤ پٹیل ہیں۔ یہ سرفنہ فتنہ بھی ہیں۔
ضابطہ نو جداری کی دفعہ ۱۱ کے تحت ان کا چلک اور پولیس کی نگرانی بھی ہوتی ہے
اور توہین عدالت کے جرم میں بھی سنو رو پیہ بھرمناہ کی سزا پانچکے ہیں۔

(۱) ۲۲ اپریل ۱۹۳۸ء کو اندراؤ پٹیل اور متعدد دیگر کانگریسی اور سہائی

ہندوؤں کی سرکردگی میں ہندوؤں کا ایک جلوس بنیڈ بجاتا ہوا مسجد کی طرف آیا۔
سینا رام ہنڈکانٹیل اس جلوس میں بلاوردی شریک تھا۔ مسجد کے پاس چند بادوردی
کانٹیل کھڑے تھے۔ جب باجہ مسجد کے سامنے بھی بجا جانے لگا تو ایک مسلمان گل محمد
نے آگے بڑھ کر اس پر اعتراض کیا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ آج کیوں ایسا کر رہو ہو۔
اسے گھونسنے اور دھکے مار کر کنارے کر دیا گیا۔ جلوس کے اکثر لوگ بھڑکے اور برچھپے

سے مسلح تھے (۲) ۲۹ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہندوؤں کا ایک عام جلسہ ہوا جس میں کانگریسی لیڈروں نے بھی تقریریں کیں اور ۳۰ اپریل کو ایک جلوس باجہ کے ساتھ نماز کے وقت مسجد کے سامنے لے جانے کا فیصلہ ہوا۔ اس کی اطلاع وقت سے قبل سائبر ہٹخانہ میں دے دی گئی۔ ۳۰ اپریل کو سب انسپکٹر آئے اور انھوں نے جلوس کو دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس چیز نے ہندوؤں کو بہت چراغ پا کر دیا۔ اور مسلمانوں کے بائیکاٹ کی تحریک شروع کر دی گئی۔ یہ بائیکاٹ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رہا بلکہ ان ہندوؤں پر بھی نزلہ گرا جنہوں نے پولیس کے سامنے مسلمانوں کی حمایت میں حق بات کہنے کی جرأت کی تھی۔ اس بائیکاٹ کا سلسلہ بہت دنوں تک جاری رہا (۳) دو مہینہ گزر جانے کے بعد ہندوؤں نے پھر یہ فیصلہ کیا کہ ۱۲ جولائی کو بہت بڑا جلوس بینڈ کے ساتھ مسجد کے سامنے سے لے جایا جائے۔ مسلمانوں نے اس کی اطلاع وزیراعظم، ڈپٹی کمشنر، ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ہٹخانہ دار سائبر کو یر وقت دی۔ سب انسپکٹر اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس آئے اور ۶ جولائی سے ۸ جولائی ۱۹۳۸ء تک تحقیقات کرتے رہے۔ ۱۰ جولائی کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ ہوا جس پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی موجودگی میں دونوں قوموں کے لیڈروں نے دستخط کئے۔ اس کی رو سے مسجد کے سامنے جلوس کے گزرنے کے سلسلہ میں چند پابندیاں عائد کی گئی تھیں اور باجہ بند کرنے کے متعلق مسلمانوں کا حق مان لیا گیا تھا بعض حکام اور چند کانگریسی ہندوؤں کو معاہدہ کی اطلاع اور تفصیل سے تکلیف ہوئی اور ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں۔ ۱۲ جولائی کو ہندوؤں کی دستخط سے سب ڈویژنل مجسٹریٹ کے پاس اس معاہدہ کے خلاف ایک یادداشت بھیجی گئی مجسٹریٹ صاحب اسی روز پاٹن ساؤنگی آئے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو طلب کیا۔ مسلمانوں نے تحریری معاہدہ دکھایا۔ وہ واپس چلے گئے۔ شرانگیز ہندوؤں

نے جن کو بعض حکام کی طرف سے شدید ریل رہی تھی کھلبلی پیدا کر دی۔ ۱۸ جولائی کو معلوم ہوا کہ پولیس نے متعدد ہندوؤں اور مسلمانوں کے خلاف عکس کے تحت چالان پیش کیا ہے۔ مجسٹریٹ صاحب تاریخیں پرتا رہیں دیتے رہے اور سبکے اکثر ہندوؤں کو بلاتے رہے۔ تعلقات کے سدھ جانے کے بعد بعض لوگ جو شدید گپی پیدا کر رہے تھے اُس کے سدباب کی کوشش حکام نے نہ کی (۲۲ اگست ۳۵ء کو ہندوؤں نے سب ڈیویژنل مجسٹریٹ کی عدالت میں درخواست دی کہ انھیں ۲۴ اگست کو مسجد کے سامنے مینڈ بجاتے ہوئے جلوس لے جانے کی اجازت دی جائے۔ مسٹر محتاسب ڈیویژنل مجسٹریٹ چند پولیس افسروں کے ساتھ پاٹن ساؤنگی آئے اور مسجد کے سامنے کے چوتھے پر کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کو مسجد سے چلے جانے کے لئے کہا گیا اور مسلمانوں کے گھروں سے لے کر مسجد تک پولیس کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ جلوس مسجد کے سامنے پہنچا اور کافی دیر تک مسجد کے سامنے کھڑا رہا اور مینڈ زور سے بجاتا رہا۔ ہندوؤں نے بچتے ہوئے مینڈ مسجد کی عمارت اور ڈپٹی کمشنر کی موجودگی کے منظر کا ایک فوٹو لیا۔ مسلمان اپنے گھروں سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ جو مسلمان اپنی فریاد لے کر حکام تک جانا چاہتے تھے انھیں پولیس کانسٹیبل جانے نہیں دیتے تھے اس طرح تحریری معاہدہ کی موجودگی میں اور سکتہ روایات (جن پر پولیس اور حکام کا خود عملدائر تھا) کے باوجود کانگریسی راج میں ہندو حکام نے اختیار کے بعض ناجائز استعمال کے ذریعہ ہندوؤں کی طرفدار ہی کھلے بندوں کی اور مسلمانوں کو کڑھاکر اپنی فرقہ پرستانہ دہنیت کو تسکین دی (۵) حکام کی اس نامنصفانہ سرپرستی نے ہندوؤں کو اور شیر کر دیا اور انہوں نے ۲۴ یا ۲۵ ستمبر کو اسی مجسٹریٹ کو اطلاع دی کہ وہ ۷ ستمبر کو پھر اسی طرح جلوس نکالیں گے۔ مسٹر محتاسب ڈیویژنل مجسٹریٹ، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ایک بڑے پولیس دستہ کے ساتھ پاٹن ساؤنگی آئے اور ۷ ستمبر کو چھ بجے شام کے وقت (جو تقریباً

مغرب کی نماز کا وقت ہے) اسی شان سے بینڈ بجاتا ہوا جلوس مع ان افسروں کے مسجد کے سامنے سے گذرا (۶) مجسٹریٹ نے جلوس کے ختم ہونے کے بعد قصبہ کے باشندوں کو تحفہ پر طلب کیا اور جب کافی لوگ جمع ہو گئے تو اس مفہوم کا اعلان سنایا۔ وہ اس اختلاف کے معاملہ میں جو ہندو اور مسلمانوں کے درمیان موضوع پارٹن سائنس میں مسجد کے سامنے بینڈ بجانے کے متعلق ہو، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر خٹا نے ۱۸ ستمبر ۱۹۳۷ء کو یہ حکم صادر کیا کہ ہندوؤں کو چوبیس گھنٹے کی نماز کے وقت بھی مسجد کے سامنے بینڈ بجانے کا حق بطرح حاصل ہو مسلمان اس میں کسی طرح تھاراض نہیں کر سکتے۔ جو مسلمان اس میں مداخلت کرے گا اس کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا۔

یہاں بھی بغیر مسلمانوں سے ثبوت مانگے (اور ثبوت کی ضرورت کیا تھی جبکہ سابقہ عملہ آف خود پولیس کامیوچو دھنڈا) دو مہنامہ ہندو انتظامی افسروں نے جن میں ایک سب ڈیویژنل افسر تھا اور دوسرا ڈپٹی کمشنر دیوانی کے استیارات بھی غیر قانونی طور پر اپنے ذمہ لے کر ہندوؤں کو استمراری حق عطا کر دیا اور مسلمانوں کے پچھتر سال سے قائم شدہ حقوق کو پامال کر کے رکھ دیا۔ ظاہر ہو کہ اس کے بعد عسکری جو کارروائی یہ نہیں سی جاری تھی اسے داخل دفتر کر دیا گیا۔ (۷) جب حکام کی جانب سے ایسی بے جا تازشیں ہوں اور اس طرح سرپرستی کی جائے تو جو صلے کتنے نہ بڑھ جائیں گے۔ اس قصبہ میں آبادی سے باہر سڑک کے کنارے مسلمانوں کی ایک عید گاہ ہو۔ عید کے پیش نظر ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء کو اس عید گاہ کی قلعی کرادی گئی۔ جب ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو مسلمانان نماز پڑھنے کے خیال سے عید گاہ پہنچے تو یہ دیکھا کہ تمام دیواروں پر گوبر جایہ جاتھپک دئے گئے ہیں۔ اور صحن اور ممبر پر انسانی غلاطت کئی جگہ پڑی ہوئی ہے۔ عید گاہ کا دروازہ کلہاڑیوں سے توڑ کر برباد کر دیا گیا ہے۔ غریب مسلمانوں کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ عید گاہ سے

دور ایک خالی میدان کو صاف کر کے عید کی نماز ادا کریں پولیس نے اس سلسلہ میں متعدد ہندوؤں کا چالان کیا۔ سوامہینہ چالان مکمل ہونے میں لگے اور چھ مہینہ میں استغاثہ کا ثبوت ختم کیا گیا۔ مسلمانوں نے وکیل رکھنے یا سرکاری وکیل کو استغاثہ کی طرف سے مقرر کئے جانے کی اجازت ڈپٹی کمشنر سے مانگی تھی یہ نامنظہر ہوئی (۸) پانچ سو لگی کے ہندوؤں نے سیتارام مہیڈ کا نسٹیش کی خدمت میں کو سر اسٹیج ہوئے ۲۰ نومبر کو جلسہ عام میں چھوڑوں کے بارہنہ اسے، اسی جلسہ کے چار روز بعد عید گاہ کی بے حرمتی کا واقعہ ہوا (۹) چونکہ ہندوؤں کی شرانگیزی کے سد باب کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ اس لئے ان کی مسلم دشمنی سرورہ ہوئی ۲۰ مارچ ۱۹۳۹ء یعنی ۱۰ محرم کو ٹھیک تعزیر کے جلوس کے وقت ہندوؤں نے اپنی دوکانیں بیک بہ بیک بند کر لیں اور جب جلوس بازار میں پہنچا تو ہندوؤں کی ٹولیاں ہولی کی مستعل گالیاں بکنے لگے۔ پولیس نے کوئی تعارض نہیں کیا۔ (۱۰) ۵ مارچ ۱۹۳۹ء کو ہولی کے موقع پر مسلمانوں کو خوب چھیڑا گیا۔ ان کا مذاق اڑایا گیا۔ رات بھر مسلمان گھر وں میں اس پاس گھوم کر گالیاں بکی گئیں۔ ان کا باہر نکلتا مشکل کر دیا گیا، پولیس نے ان تمام شرارتوں کے سد باب کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کی۔

(۱۱) ناگپور:-

چونکہ یہ شہر صوبہ کی حکومت کا صدر مقام ہے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ کانگریسی راج میں ہندو نفوذ و برتری اور رام راج کی شان حکومت، و شکوہ اقتدار کا علی مظاہر بہت ہی نمایاں طریقہ پر پیش کیا جاسکے۔ چنانچہ عدل و انصاف کا خون اور محکمہ قیام امن و قانون کی کھٹی ہوئی فرقہ پرستی اور جانبداری کے واقعات جس قدر واضح اور جس قدر کثیر تعداد میں یہاں دستیاب ہو سکتے ہیں مشکل سے کہیں اور ملیں گے۔ اس شہر کی کوثرالی کی باگ حکومت نے ایک ایسے مشتاق تیراگہ ماسکے ہاتھ میں دے رکھی تھی

کہ مسلمانان ناگپور کو تو اپنی سخت جانی کے باوجود بوقت آزمائش جگہ یہ مان لینا پڑا کہ کوئٹہ شہر کا جو حصہ ستم آرائی اُن کی طاقتِ جفا پسندی سے کسی طرح کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے۔ اس شہر کے مسلمانوں کے محبوب سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا نام نامی رائے بہادر تارا چند ہے۔ ان کے دور کے کارناموں اور مسلمانوں پر نواز شہنائے بے پایاں کے واقعات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

(۱) مسلمانوں کی ایک بارات رخصتی کے بعد واپس ہو رہی تھی کہ جب یہ فائر بریکسٹ اسٹیشن کے پاس پہنچی تو ہندو غنڈوں نے اس پر ہشت باری کی اور حملہ کر دیا۔ پیٹر میکس کی کئی بتیاں توڑ ڈالی گئیں۔ پالکی کی چادر بھاڑ ڈالی گئی۔ بہت سے دوسرے سامان کو نقصان پہنچا۔ اور کئی آدمیوں کو چوٹیں آئیں۔ انصاف پسند سٹی پولیس نے ہندوؤں کے ساتھ ساتھ بلوہ کے الزام میں مسلمان کا چالان بھی کر دیا اور ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ سرکاری ملازم مسٹر عبداللطیف بی۔ اے مسلمان کو بھی جس کا گھر اتفاق سے اسی جگہ واقع تھا جہاں پر یہ واقعہ ہوا ملازم ہاٹو الا حبیبہ دیکھا گیا کہ ہر طرح کی کوشش کے باوجود مقدمہ ہندوؤں کے خلاف مضبوط ہونا جا رہا ہے اور یہ بھی تیرہ چلا کہ ایک مسلمان ملازم جس کے متعلق گواہوں نے شرکت واقعہ کی شہادت دی ہے اپنے فرائض منصبی کے سلسلہ میں اُس وقت ایک جج ہائی کورٹ کے بنگلہ پر موجود تھا تو مسلمان ملازم سے اصرار کیا گیا کہ مفاہمت کر ڈالیں اور فریقین کی درخواست پر مقدمہ بری غوثی کے ساتھ اٹھالیا گیا۔ (مقدمہ ۱۹۵۶ء با جلاس مسٹر بیلیہ)

(۲) ایک مسلمان نابالغ لڑکی سہاۃ حلیمہ بنت اسمعیل کو ایک فتنہ پرور از ہندو چھوٹے لال عرضی نے ناگپور کامٹی سے بھگا کر لے آیا۔ لڑکی کی ماں اسکی تلاش میں ناگپور آئی۔ لڑکی کا پتہ اُسے مل گیا اور وہ لڑکی کو اپنے ساتھ لے کر کامٹی جانے کے لئے اتوارہ اسٹیشن آئی۔ چھوٹے لال کو خبر پہنچی وہ بھی اتوارہ اسٹیشن آیا اور ماں سے لڑکی

کو چھین کر یہ جبر سے جانا چاہا لڑکی کی ماں نے شور مچایا۔ چند مسلمان اس کی التجا پر مدد کو دوڑے۔ پولیس نے نابالغ لڑکی کو ماں کے اعتراض کے باوجود ماں کی بجائے چھوٹے لال کی تحویل میں دے دیا۔ اور جو مسلمان لڑکے مدد کو گئے تھے ان کا اغوا کے الزام میں چالان کر دیا۔ کافی پریشانی کے بعد مقدمہ جھوٹا ہونے کے باعث یہ عدالت سے بری ہو گئے۔ چھوٹے لال کے خلاف مسلمانوں کے گھروں میں گھسنے اور انہیں تنگ کرنے کی پہلے سے بھی کئی شکایتیں پولیس کو دی جی چکی تھیں۔ مگر چھوٹے لال کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

(مقدمہ ۱۲/۳ سرکار بنام نذیر علی۔ بعدالت مسٹر دیو بس منصفہ ۱۰ رجون ۳۸)
(۳) ایک مسلمان لڑکے کا ایک ہندو لڑکی سے بہت دنوں سے تعلق تھا۔ یہ اکثر اُسکے ساتھ گھومنا کرتی تھی۔ ایک روز یہ لڑکا اُسی لڑکی ساتھ محلہ محل سے سینما دیکھ کر آ رہا تھا کہ ہندو غنڈوں نے اسے گھیر کر خوب پٹیا۔ کو تو ال صاحب کا مکان قریب ہی تھا۔ لڑکے نے بھاگ کر دباں پناہ لی۔ لڑکی پر ہندوؤں نے قبضہ کیا اور اسے بخولیف دتھریس کے ذریعہ ہموار کیا گیا۔ مسلم دوست سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس لڑکے کو اپنے ساتھ کو تو ال لے گئے جسم پر ضربات کے نشان موجود تھے۔ نہ اس کا بیان لکھا اور نہ اسے ڈاکٹر کے پاس بھیجا بلکہ حوالہ میں بند کر دیا۔ ابھی تک اس کے خلاف کوئی رپورٹ بھی نہیں ہوئی تھی۔ دو گھنٹہ کے بعد لڑکی کے بھائی کی طرف سے ایک رپورٹ فراہم ہو گئی کہ یہ لڑکا اغوا کا مجرم ہے اُس وقت لڑکی بھی کو تو ال میں موجود تھی مگر چونکہ ابھی ہموار نہیں ہوئی تھی اور ہندوؤں کی ہدایت کے مطابق بیان دینے سے انکار کر رہی تھی اس لئے اُس کا بیان نہیں لیا گیا۔ لڑکے کا چالان ذریعہ ۲۶/۶ کر دیا گیا عدالت میں لڑکی نے اقبال کیا کہ لڑکے کے ساتھ اُس کا تعلق بہت دنوں سے ہوا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ نابالغ ہے۔ عدالت ماتحت نے پھر بھی لڑکے کو دو سال کی سزا دے دی۔ لیکن سیشن جج مسٹر اسپنیلز نے اپیل پر اسے رہا کر دیا۔ جن ہندوؤں نے زد و کوب

کیا تھا اور ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ ضربات کے متعلق مسل پر موجود تھی اُن کے خلاف پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

(مقدمہ ۳۷/۳۸ سرکار بنام حنیف - بعدالت مشرد بدین منفصلہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۸ء)

(۲۶) ایک گویہ خاندان عرصہ ہوا مسلمان ہو گیا تھا اس خاندان کی کل لڑکیوں کی شادی مسلمانوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک نابالغ لڑکی ابھی غیر شادی شدہ تھی۔ ہندو مہاسیجھا کے تنخواہ دار غنڈوں کی مدد سے اس لڑکی کو بھڑاٹھا لایا گیا۔ ہندوؤں نے اس کی شادی کر کے اس کی شادی بیچر ہندو لڑکے کے ساتھ کر دی۔ لڑکی کے بھائی بہنوں نے ٹھکانہ میں اطلاع دی۔ مگر ایسی لڑکیوں اور لڑکوں کا پتہ پولیس کو کیسے مل سکتا تھا۔ نہ ملا بعد میں لڑکی کے رہنے والوں کو معلوم ہوا کہ لڑکی امپیارڈ میں سیمہ ہشتہ داروں نے سٹی مجسٹریٹ مشر جوگیلکر کی عدالت میں زیر دفعہ غناضابطہ فوجداری لڑکی کو برآمد کئے جانے کے لئے پتہ نشان بنا کر درخواست دی۔ مجسٹریٹ صاحب نے درخواست بفرض تحقیقات سٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس بھیج دی۔ یہاں اس درخواست کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو مسلمانوں کی درخواستوں کے ساتھ اس دور میں ہوتا رہا ہو۔ پولیس اور مجسٹریٹ کی امداد سے ناامید ہو کر لڑکی کا بھائی اس کی تینوں جوان بہنیں اور اُن کے شوہر لڑکی کی تلاش میں خود امپیارڈ گئے اور مکان کا پتہ چلا لیا۔ ہندوؤں نے اُن کی زد و کوب کے ساتھ خوب تو اذیت کی انہوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ ڈاکٹر نے بھی ضربات کی تصدیق کی۔ سٹی سپرنٹنڈنٹ نے اغوا کی تحقیقات تو نہ کی نہ پتہ بنا لئے پر بھی لڑکی کو عدالت میں حاضر کرنے کی کوشش کی۔ نہ اغوا کرنے والوں اور ان غریبوں کو زد و کوب کرنے والے ہندوؤں کے خلاف کوئی کارروائی کی، البتہ لڑکی کے بھائی اس کی تینوں بہنوں اور شوہروں کے خلاف زیر دفعہ ۱۷۷/۱۷۸ مقدمہ قائم کر دیا کہ لڑکی کی تلاش میں کیوں گئے تھے مجسٹریٹ نے ان سب پر جمانہ کر دیا۔ غریبوں کے پاس اتنا روپیہ کہاں جو اپیل کرتے پھر میں۔ اور حکام اڈ

پولیس کے رویہ کے بعد انصاف کی توقع کیسے ہو سکتی تھی۔

(مقدمہ ۲۲۰۰ باجلاس مشریلے۔ سرکار بنام رسول وغیرہ)

(۵) ۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے کہ ہندو غنڈوں کی ایک جماعت ایک مسلمان عورت کلثوم بی زوہرہ عبد الصمد کو شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے مکان واقعہ لینڈی تالاب سے بہ جبر اٹھا کر لے گئے۔ شوہر اطلاع ملنے پر کو تالی رپورٹ کرنے کے لئے گیا۔ اس کی رپورٹ درج نہیں کی گئی۔ دوسرے روز اس نے تحریری رپورٹ بھیجی۔ پولیس کو پتہ نہ چلا۔ چند آدمیوں کو سراغ معلوم ہو گیا اور بڑی مشکل سے عورت کو غنڈوں کے ہتھ سے نکالا گیا۔ عورت نے بھی اپنی داستان درد کی رپورٹ پولیس کو دی اور یہ مماشوں کا پتہ نشان بتایا۔ کوئی کارروائی پولیس نے نہیں کی۔ ایک ماہ بعد چاؤجی انسپکٹر آئے اور کچھ پوچھ پانچھ کر چلے گئے۔ اور حسب دستور معاملہ داخل دفتر ہو گیا۔

(۶) محمد یوسف نامی ایک درزی ساکن موضع چچپھون نزد ناگپور کے ساتھ ایک بالغ نو مسلم عورت مسماۃ موری کی شادی ہو گئی تھی۔ یہ زن و شوہر تین سال اگٹھے رہتے چلے آ رہے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں ہندو غنڈوں کی جماعت لاری میں بیٹھ کر آئی اور عورت کو زبردستی اٹھا کر لے گئی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں نے اس عورت کی شادی کر کے اس کی شادی بہ جبر نتھو نامی ایک ہندو کے ساتھ کر دی۔ محمد یوسف نے اس واقعہ کی اطلاع پولیس کو دی۔ وہاں سے کیا کارروائی ہوتی جبکہ بھگانے والے ہندو اور عورت مسلمان تھی۔ کسی طرح یہ عورت خود بھاگ کر اپنے شوہر محمد یوسف کے پاس چلی آئی۔ ہندو غنڈوں نے یوسف کا پیچھا کرنا شروع کیا۔ دسمبر ۳۹ء میں یہ بے چارہ چاند میاں کے ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک موٹر میں ہندو سبھا والے گھیر کر کے کپتان مرتند جوگ مع ایک جماعت کے آئے اور یوسف کو گھیر لیا۔ غنڈوں نے بعد ثبوت داد سب انسپکٹر پولیس وہاں پہنچے۔ بلا کسی جرم کے یوسف کو پکڑ کر کو تالی لے جایا گیا۔ وہاں اس پر دباؤ ڈالا گیا اور دھمکیاں دی گئیں کہ عورت کو ہندوؤں کے حوالہ

کر دے۔ عورت شہر سے جدا ہونے پر راضی نہ ہوئی اور عورت کے والدین نے بھی سخت احتجاج کیا۔ اس طرح یہ درزی چالان ہوتے ہوتے بچ گیا۔ اغوا کرنے والوں ماجہریہ شادی کرنے والوں اور یوسف کے ستائے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

(۷) ۱۹۳۹ء میں ایک مسلمان شیخ عید دے جو بی۔ این ریلوے میں ملازم تھا اور بمقام موتی باغ ریلوے کپاؤنڈ میں رہتا ہی، چھوٹے لال پاسی کے خلاف رپورٹ کی کہ یہ شخص اس کی نو مسلمہ بیوی کو جو عرصہ پندرہ سال سے اس کے ساتھ رہتی آئی ہے جبر بھگا کر لے گیا ہے۔ پولیس کو حسب دستور عورت کا پتہ نہ چلا اور نہ چھوٹے لال پر کوئی آنکھ آئی۔ پولیس کی اس سرپرستی نے چھوٹے لال کی ہمت بڑھائی اور وہ عورت کو جسے تجو لیت بے جا کے ذریعہ اپنے قابو میں کر چکا تھا ناگپور لے آیا۔ یہ پتہ دے جانے پر بھی پولیس نے کوئی کارروائی نہ کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت نے قبضہ میں سے نکل جانے کی کوشش کی جس کا پتہ چھوٹے لال کو چل گیا اور اس نے عورت کو کنوئیں میں لٹکا دیا پولیس کو اس کی اطلاع بھی ملی مگر خاموش رہی۔ پولیس سے ناامید ہو کر عید دے نے عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ چھوٹے لال کو نو پولیس کی سرپرستی کا یقین تھا ہی۔ استغاثہ کی اطلاع نے اسے چراغ پا کر دیا اور اس نے عید دے کے گھر میں آگ لگا دی۔ اس کی بھی اطلاع پولیس کو ہوئی، تحقیقات کے لئے جو سب انسپکٹر آئے انہوں نے ہمسایہ گھروں کے لڑکوں کا جو سچ سچ واقعہ بیان کر رہے تھے اظہارِ قلم بند نہیں کیا۔ چھوٹے لال کے خلاف کوئی کارروائی پولیس نے نہیں کی۔

(۸) ۱۹۳۵ء میں رامپور کی ایک فرم کے چند آدمی سفری لاری پر ناگپور آئے اور گانجہ کھیت میں مقیم ہوئے۔ ایک دو زنان کے ایک ملازم لڑکے اور ایک ہندو لڑکے سے کچھ جھگڑا ہو گیا۔ دونوں ہندو لڑکیاں لے کر آئے اور ان کے مکان کو گھریا اور آدمیوں کو زد و کوب کرنے لگے۔ ایک رامپوری نے مداخلت میں چاقو نکالا۔ ہاتھ پائی اور بارہ پیٹ میں دو ہندوؤں کو بھی زخم لگے۔ پولیس نے پانچ رامپوریوں کو چالان کر دیا مگر منہ

بلوایوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ عدالت سے چار راپوریں کو جو مانہ اور ایک کو ۳ ماہ قید کی سزا ہوئی (مقدمہ ۲۹۴ بعد الت سٹر مہر تحصیلدار)

(۱۹) ۱۰ جنوری ۱۹۳۹ء جیلر باڈے منانے کے سلسلہ میں چٹنس پارک میں ہندوؤں کا ایک عام جلسہ ہوا۔ جس میں سخت اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں۔ چند ہندو غنڈے اس جلسہ سے نکل کر بہالدار پورہ کی طرف آئے اور بڑے پر مسلمانوں کو گالی دینے لگے۔ یہ لاطھیوں اور پھیلے سے مسلح تھے ایک لڑکا گلاب خاں نامی اس پر معترض ہوا۔ ہندوؤں نے اسے لاطھیوں اور برہچھے سے زخمی کیا۔ گلاب خاں کی حالت اسپتال میں کئی دنوں تک نازک رہی اس کا بیان قبل موت بھی کیا گیا۔ اس کی زندگی بھی بچ گیا۔ پولیس آئی۔ حملہ آور موجود تھے چشم دید گواہاں بیانات دے رہے تھے اور ملزموں کو تیار ہے تھے مگر سب انسپکٹر نے ہندو حملہ آوروں سے گفتگو کی اور وہ چلتے ہو گئے۔ چند ذمہ دار مسلمانوں کے شور مچانے اور اصرار پر ایک ملزم کے مکان کی تلاشی کی گئی۔ اب ملزموں کا پتہ نہ تھا۔ پولیس کو ان کے گرفتار کرنے کے ہدایت ہوئی۔ صبح کو وہ ہی ہندو ملزم جس پر قتلانہ حملہ کا الزام تھا اور ظاہر جس کی تلاش میں پولیس تھی۔ کو توالی ہینچا اور مسلمانوں کے خلاف ایک اطلاع لکھوائی۔ اس کی بھی تحقیقات شروع ہوئی۔ جن کو پہلے مسلمانوں نے ملزم بتایا تھا ان سبھوں نے مسلمانوں کے خلاف الزامات لگائے۔ وہ تمام مسلمان جنہوں نے واقعہ کو آنکھ سے دیکھا تھا اور ہندو غنڈوں کے نام بتانے کی جرأت کی تھی بلوہ کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے۔ ان میں ایک تعلیم یافتہ معزز مولوی حکیم عبدالوہاب شیرازی بھی تھے اور دوسرے شہری مسلم لیگ کے صدر چاند میاں بھی تھے۔ ان کے علاوہ تین اور مسلمان جن کی موجودگی ہندوؤں کو من مانی کارروائی نہیں کرنے دیتی تھی۔ اس طرح مسلمان گواہ فوراً ملزم بنادے گئے۔ اب تقریباً ہر تعداد میں ہندو بھی گرفتار کر کے ضمانت پر چھوڑ گئے۔ پولیس نے چالاکی یہی کہ ہندوؤں کا چالاں زیر دفعہ ۳ کیا۔ یعنی اقدام قتل۔

ظاہری طور پر تو یہ معلوم ہو گا کہ بڑا سنگین جرم لگایا۔ لیکن اس میں نکتہ یہ تھا ۳۰۴ میں جوہری کی مدد سے سماعت ہوتی ہے اور جوہری کی اکثریت کا ہندو ہونا لازمی ہے۔ جوہری کی رائے کے بعد جج کا اختلاف کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ نتیجہ یہی ہوا جس کے لئے یہ سب داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ غیر مسلم جوہری نے تمام ہندو ملزمین کے خلاف (NOT GUILTY) قصور وار نہیں ہیں) کی رائے دی اور جج نے اس رائے کو مانستے ہوئے انہیں رہا کر دیا۔ مسلمانوں کے خلاف مقدمہ مسٹر پاٹھک مجسٹریٹ فرسٹ کلاس کی عدالت میں چلائی گئی۔ حدینہ کی سماعت کے بعد ایک کو نو ماہ قید سخت اور چار کو چھ ماہ قید سخت کی سزا کا حکم ہوا۔ مجسٹریٹ صاحب نے لکھا کہ ”فرقہ دارانہ فسادات کے سلسلہ میں سبق آموز سزا کی ضرورت ہے“ مجسٹریٹ کا یہ کہنا صحیح ہے بشرطیکہ ملزم مسلمان ہو، سیشن جج کے یہاں اپیل کی گئی مسٹر کلارک سیشن جج نے کل مسلمان ملزمین کو بری کر دیا۔ فیصلہ میں سیشن جج نے لکھا ہے کہ ”واقعات سے یہ امر ثابت ہو کہ“ بلوہ کرنے والے ہندو تھے“ فاضل جج نے پولیس کے خلاف ریمارکس بھی کئے ہیں اور لکھا ہے کہ ”یہ امر تعجب خیز ہے کہ وہ ملزم (ہندو) جس کی تلاش میں پولیس رات سے تھی جب صبح کو کوٹوالی رپورٹ درج کرنے کے لئے پہنچا تو پولیس نے اس کی آزدی میں مداخلت کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی“ سیشن جج کی انصاف پسندی کی بدولت چند معزز مسلمان جن کو پھانسنے میں پولیس نے کوئی کسر اٹھانا نہ رکھی تھی جیل جانے سے بال بال بچ گئے۔

(۱۰) ۱۹۳۹ء میں پولیس نے ایک شخص جواد حسین نامی پراغوا کا مقدمہ چلایا ایک ہندو عورت بھی اعانت جرم میں مانوڑ کی گئی تحقیقات سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ لڑکی راجنی خوشی گئی تھی اور کئی روز اس کے ساتھ رہی۔ صفائی کی طرف سے میونسپلٹی کے اندراج کی نقل باضابطہ پیش کی گئی کہ لڑکی کی عمر سترہ سال سے زائد ہے۔ اس مقدمہ میں ہندو مہاسا نے بڑی دلچسپی لی مہاسبا کے والٹیر لارڈی میں بیٹھ کر لڑکی کی تلاش میں مگھتے رہے۔ انہیں

پتہ چلا کہ لڑکی ایک گاؤں میں ایک مسلمان کے گھر پر ہے۔ یہ والنٹیروں کا دستہ لاری لے کر وہاں پہنچا۔ مکان کے اندر گھس کر تلاشی لی اور عورتوں کو باہر کر دیا مسلمان نے پولیس میں رپورٹ کی۔ مقدمہ زیر بحث کے دوران سماعت ہندو کوٹوار (ایک طرح کا پولیس چوکیدار) نے اپنے بیان میں کہا کہ وہ ہندو والنٹیر لاری پر آئے تھے اور مکان کی تلاشی لی تھی، لڑکی وہاں نہ نکلی پولیس نے ان ہندو والنٹیروں کے خلاف مسلمان کی رپورٹ اور کوٹوار کی شہادت یعنی کے باوجود کوئی کارروائی ضروری نہ سمجھی۔ عدالت نے ہندو عورت کو بری کر دیا۔ اور مسلمان کو قید اور جربانہ کی سزا دے دی۔ سیشن جج کے یہاں اپیل کی گئی جسٹس کلارک سیشن جج نے جواد حسین کو بری کر دیا۔

(۱۱) ۱۹۳۹ء ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان لڑکا بیرخاں ساکن محلہ ٹمکی اسی محلہ کے ایک ہندو دوکاندار کے پاس سودا لینے گیا۔ اُس نے سودا جلدی دینے کو کہا اس پر دوکاندار نے سخت کلامی اور زبانی جھگڑت کے بعد دوکاندار اور اُس کے ہمدردوں نے لڑکے کو خوب مارا اور اُس کا گلا گھونٹنے لگا۔ بعض لوگوں نے چھڑا دیا۔ لڑکے نے پولیس میں رپورٹ کی پولیس نے اسپتال بھیجا۔ ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ اُس کے گلے کے گرد مسلسل خراش کے نشانات تھے اور ضربوں کے جسم پر اور بھی نشانات تھے۔ مگر پولیس نے ہندو دوکاندار اور اُس کے ہمدردوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ لڑکے کے مارنے کی اطلاع اُسی وقت محلہ کے چند مسلمانوں کو بھی ملی۔ بعض اشخاص نے بننے سے کہا کہ ایسی حرکت بے جا تھی۔ بنے اور اُس کے ہمدرد ان سے اُلجھ پڑے اور باغیاپائی پر اتر آئے۔ معمولی تکرار ہوئی۔ بنے کے ایک ہمدرد کالی چرن نے پولیس میں رپورٹ کی اور آٹھ ایسے مسلمانوں کے نام بتائے جو اُس محلہ میں مسلمانوں میں سب سے زیادہ صحت مند اور تندرست تھے اور مسلمانوں کی طاقت سمجھے جاتے تھے پولیس کو تو اللہ ایسا موقع دے فوراً اُنھوں نے جوائن کو گرفتار کر کے ان کا چالان کر دیا

گیا۔ ضرب کے متعلق پولیس نے جس ڈاکٹر کو گواہی میں پیش کیا اُس نے بیان دیا کہ کالی چرن کے جسم پر ضرب کا صرف ایک نشان تھا۔ وہ بھی ہاتھ کی مٹھی پر بہت معمولی کسی پتلی لکڑی سے لگایا ہوا۔ ایک رورن ملزمین کے مارنے کے لئے ہندوؤں نے بڑا انتظام کیا کچری سے آنے والی سڑک پر لاٹھیاں لے کر چھپے بیٹھے۔ مگر ملزمین نے دیکھ لیا۔ کچری واپس گئے۔ وہاں انہیں ایک انگریز پولیس افسر (بی۔ ڈی۔ ڈی۔ ایس پی تھے) نظر آیا۔ اُس سے سب حالات کے اُس نے ایک سب انسپکٹر کو ساتھ کر دیا جو انہیں مکان تک پہنچا گیا۔ سب انسپکٹر کو دیکھ کر حملہ آور ادھر ادھر ہو گئے۔ رات کو انہیں دروازہ شام ہی سے بند رکھنا پڑا ہندوؤں کی ٹولیاں پولیس کی شے پاکر اُن کی تاک میں گھومتی ہیں اور مکان کے بھی کئی چکر کاٹے۔ صبح انہوں نے پولیس میں اطلاع دی وہاں کوئی شنوائی نہیں ہوئی اس واقعہ کے بعد مقدمہ کی دوسری تاریخ پر جب یہ لوگ کچری جانے لگے تو گذشتہ واقعہ کے پیش نظر بطور احتیاط دو آدمیوں نے اپنے ہاتھ میں مداخلت کی فرض سے لکڑی رکھ لی جب یہ کچری سے شام کو واپس ہوئے تو ان کے جانے کے بعد ہی سٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب اپنی موٹر لے کر ان کے پیچھے ہوئے اور راستہ میں مسٹر شریف صاحب کے بنگلہ کے پاس انہیں روک کر خوب مغلظات سنائیں، جوش میں نہ صرف ان کو بلکہ تمام مسلمانوں کو بد معاش پتھے اور مکینہ کہہ ڈالا۔ ان سے دو لکڑیاں جو ان کے پاس تھیں چھین لیں، ان ملزمین نے اُسی وقت ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ پر جا کے سارا حال کہہ سنایا۔ مگر حکومت کے لاڈلے پولیس افسر کا خدو صفا ایسی حالت میں جبکہ وہ حکومت کے مدعاے ذہنی کی تکمیل کر رہا ہو کون کچھ لگاڑ سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ اب بھی قابل تذکرہ ہو کہ واقعہ کے تیسرے روز مسٹر شریف نے جو کانگریس اسمبلی پارٹی میں واحد مسلمان ممبر تھے اس واقعہ کے متعلق تحریک التوا پیش کرنے کا نوٹس اسمبلی کے اسپیکر کو دیا مگر انٹرنیشنل آرین لیگ کے صدر مسٹر گپتا نے جو اسمبلی کے اسپیکر ہیں اس کے پیش کرنے

کی "عارضی رضامندی" دینے سے بھی انکار کر دیا۔ مقدمہ کی سماعت کئی جینے ہوئی رہی۔ دوران مقدمہ میں محلہ کے بعض صلح کل ہند مسلمانوں کے بیچ میں پٹنے سے یہ طے ہوا کہ مقدمہ اٹھالینے کی درخواست دی جائے۔ چنانچہ مستفیث تمام ہندو گواہوں، اور ملزمین کے دستخط سے ایک درخواست ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو دی گئی کہ طرفین میں مفاہمت ہو گئی ہو اس لئے تعلقات کے بہتر بنانے کے مفاد میں مناسب یہی ہے کہ مقدمہ اٹھایا جائے۔ ہمارے سٹی سپرنٹنڈنٹ نے اس امر کی سخت مخالفت کی اور ان کی مخالفت کی وجہ سے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر مہرا نے جن کے حوالہ یہ درخواست عرض فیصلہ کی گئی تھی مقدمہ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ مقدمہ کو کامیاب بنانے میں پولیس نے ایٹری چوٹی کا دور لگایا مگر مقدمہ کے جھوٹے اور بناوٹی ہونے کے باعث مسٹر اگرول مجسٹریٹ نے ملزمین کو بری کر دیا۔ مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ میں اس واقعہ کو صحیح مانا ہے کہ وہ ہندو دوکاندار نے مسلمان لڑکے کو بری طرح مارا تھا، یعنی اس طرح زیادتی کا مرتکب وہ ہندو دوکاندار ہوا جس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ اور بے گناہ مسلمان کو جیل بھیجے اور پریٹن کرنے کے لئے ہر طرح کی تدبیریں کی گئیں۔

(۱۲) ۱۹۳۹ء کا محرم بخیر و عافیت گزر گیا اگرچہ ہندوؤں کی طرف سے کئی جگہ اشتعال انگیزی ہوئی اور تعزیر کی توہین کی بھی کوشش کی گئی۔ اب ہولی آئی۔ ۲۰ اپریل ۱۹۳۹ء کو ہندوؤں کا ایک بڑا جلوس صبح کے وقت چٹنس پارک سے نکلا۔ مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا محمد علی روڈ میں پورہ پہنچا۔ اس سڑک پر دو مسجدیں ہیں، اور یہ بالکل مسلمانوں کا محلہ ہے مسلمانوں کا بیاں ہے کہ اس سڑک پر کوئی جلوس کبھی باجہ کے ساتھ نہیں گزرا۔ اس کے ثبوت میں وہ یہ بتاتے ہیں کہ کئی سال ہوئے حکومت نے ایک کمیشن اس غرض کے لئے مقرر کیا تھا کہ ناگپور شہر کے اندر مسجدوں کے سامنے باجہ کے مسئلہ کی تحقیقات کر کے حکومت کو رپورٹ پیش کرے۔ اس کمیشن کے ممبر ایک انگریز

ایک مسلمان اور ایک ہندو ممبر سب کے سب اعلیٰ اہمہ داری تھے، مقرر کئے گئے تھے۔ حکومت نے یہ رپورٹ شائع نہیں کی لیکن مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کمیشن کی اکثریت نے یہ مان لیا تھا اور حکومت کو یہی رپورٹ کی تھی کہ محمد علی روڈ پر باجہ کبھی نہیں بجا ہو اور یہاں کی مسجدوں کے سامنے کسی وقت باجہ بجنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ بہر حال جب یہ جلوس محمد علی روڈ پر آیا تو جلوس والوں سے اور مسلمانوں سے کچھ جھگڑا ہو گیا۔ کئی ہندو اور مسلمان زخمی ہوئے۔ سٹی سپرنٹنڈنٹ، ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس، اور ڈپٹی کمشنر جائے وقوع پر پہنچے، بہت سے ہندو مسلمان کارکن بھی پہنچے۔ جس وقت یہ تمام افسر آگئے تھے مولانا حکیم اسرار احمد، مسٹر سعید حیات وکیل اور سیّد صلاح الدین جمالی مقامی لیگ کے سرگرم ارباب اثر کارکن بھی وہاں پر موجود تھے۔ یہ تینوں اصحاب اس دو دیا مندرہ ستیہ گرہ کی دار کونسل کے ممبر تھے جو اس واقعہ سے ایک ماہ قبل ناگپور میں تقریر یا پندرہ روز جاری رہی تھی اور جس میں دوسو سے زائد مسلمانوں نے حکومت کے خلاف ستیہ گرہ کر کے اپنے کو گرفتار کر لیا تھا۔ ان افسروں نے ان اصحاب سے مسلمانوں کو جمع نہ ہونے دینے اور امن قائم رکھنے میں امداد کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ آپ لوگ یہیں پر رہیں تو اچھا ہو تاکہ کوئی بات نہ ہونے پائے۔ مسلمانوں نے ناکہ پر جا کر رپورٹ کی، اور سٹی سپرنٹنڈنٹ کی ہدایت کے مطابق گواہوں کو بھی لے گئے۔ ہندوؤں کی طرف سے بھی مسلمانوں کے خلاف رپورٹ ہوئی جو مسلمانوں کی رپورٹ کے آدھ گھنٹہ بعد آئی تاکہ پر جبکہ یہ تینوں حضرات اور بہت سے دوسرے مسلمان بیٹھے ہوئے سٹی سپرنٹنڈنٹ سے بات کر رہے تھے سٹی صاحب نے اسپتال سے مجروحین کو بلوایا اور کہا کہ آپ لوگ دیکھ لیجئے کہ مسافر بھی زخمی ہوئے ہیں۔ ان اصحاب سے اور مجروحین سے بات چیت ہوئی۔ اسی روز شام کو تقریباً ان تمام مسلمانوں کی تاکہ پر طلبی ہوئی۔ جنہوں نے دن کو پولیس کے سامنے بیان دیا تھا اور انہیں ہندوؤں سے شناخت کرایا گیا۔ تین

مسلمان اُس روز گرفتار کئے گئے۔ جن کی ضمانت سید صلاح الدین نے کی۔ دوسرے روز صبح کو چند ہندوؤں کی شناخت مسلمانوں سے کرائی گئی۔ صلاح الدین جالی پولیس کی اجازت سے شناخت کے وقت موجود تھے انہوں نے پولیس سب انسپکٹر سے کہا کہ مسلمان رنجیوں کو شناخت میں شامل کیا گیا تھا۔ مگر ہندو رنجیوں کو اس شناخت میں نہیں بٹھایا گیا ہے انسپکٹر نے کہا کہ آپ صحت دیکھیے ہمارے کاموں میں دخل مت دیجئے۔ عرصہ تک شناخت کا سلسلہ چلتا رہا۔ ستر سید حیات وکیل نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو درخواست دی کہ گواہوں کو تیار کیا جا رہا ہے اور چھپا کر انہیں مسلمانوں کو دکھایا جاتا ہے۔ بہر حال آٹھ ہندوؤں کا زبردفعہ ۱۹۷۷ء چالان کیا گیا اور گیارہ مسلمانوں کا جن میں تینوں حضرات اور بہت سے وہ مسلمان جنہوں نے رپورٹ دی اور پولیس کے سامنے واقعہ کے روز بیان دیئے بھی تھے (زبردفعہ ۱۹۷۷ء - ۳۲۵ اور ۱۱۷۱ تقریرات ہند چالان کر دیا گیا سید حیات صاحب وکیل اور صلاح الدین جالی کی شناخت واقعہ کے سوا مہینہ بعد کرائی گئی اور اُسی روز گرفتار کئے گئے انہیں تین پولیس کانسٹیبل اور دو میٹرو کانسٹیبل سے بھی شناخت کرایا گیا۔ ان کانسٹیبلوں نے کسی اور شناخت پر بیس کسی کو شناخت نہیں کیا تھا۔ حکیم اسرار احمد صاحب کی گرفتاری کے لئے دہلی پولیس کو اطلاع دی گئی کیوں کہ وہ اُس زمانہ میں دہلی میں تھے۔ مگر حکومت کی اطلاع پہنچنے سے پہلے حکیم صاحب دہلی سے روانہ ہو چکے تھے۔ عدالت میں چالان پیش ہونے پر عدالت کو یہ کہہ دیا گیا تھا کہ حکیم صاحب موصوف فلان تاریخ تک حاضر ہوں گے عدالت نے ان کی حاضری کے لئے ایک تاریخ مقرر کر دی تھی حکیم صاحب تاریخ پیشی سے کئی روز قبل ناگپور آئے تھے انہیں حاضری کی تاریخ سے پہلے عدالت سے وارنٹ حاصل کئے بغیر گرفتار کر لیا گیا سید حیات صاحب وکیل صلاح الدین صاحب اور حکیم اسرار احمد صاحب نے اپنی اپنی گرفتاری کے وقت ضمانت دینے سے انکار کر دیا تھا اور کئی دنوں تک جیل میں رہے بعد میں دوستوں

اور سہمدرد و کلاء کے اصرار سے ضمانت پر رہا ہوئے۔ اس مقدمہ میں پولیس نے مسلمانوں کے خلاف ۳۶ گواہان استغاثہ کی فہرست پیش کی اور چھ مزیگواہ طلب کرنے کی درخواست بعد میں دی۔ ہندوؤں کے خلاف بائیس گواہ تھے جن میں وہ پانچوں کانسٹیبل اور میڈیکل انسٹیبل بھی تھے جو اپنا موقع پر موجود ہونا بتاتے ہیں۔ ہندوؤں کے مقدمہ میں ان کانسٹیبلوں کو سمن دینے کے بعد فہرست گواہان سے خارج کر دیا گیا کہ ان کا نام اس مقدمہ میں غلطی سے بطور گواہ دے دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کے مقدمہ میں ان میں سے کئی کی گواہی ہو چکی ہو۔ سعید حیات صاحب وکیل اور صلاح الدین کو ضلع کی حوالات سے عدالت کے کمرہ تک ہتھکڑی پہنا کر لایا گیا۔ چونکہ یہ مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے اس لئے موٹے موٹے واقعات بیان کر دیئے گئے جو واقعات اور نکات زیر بحث ہیں انہیں بیان کرنے سے اجتناب کیا گیا ہے اور نفس مقدمہ پر کوئی نکتہ چینی کرنے اور پولیس کے طرز عمل کا تار پود بکھیرنے سے بھی اسی باعث معذور می ہو۔ صرف اتنا اور بتانا ہے کہ ہندو گواہوں نے جتنے نام بتائے تھے ان میں سے دو کو چھوڑ کر سب گرفتار کئے گئے۔ مگر مسلمان گواہوں نے جتنے نام بتائے تھے ان میں سے بڑی تعداد کو نہیں گرفتار کیا گیا۔

نوٹ:- دسمبر ۱۹۴۷ء میں جبکہ تمام ملنے میں کہ پورے ۲۰ ماہ اچھی طرح پریشان اور زیر بار کر لیا گیا تو حکومت نے یہ مقدمہ اٹھالیا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہندوؤں کے خلاف بھی مقدمہ اٹھالیا گیا۔

(۱۳) جولائی ۱۹۴۹ء میں ہندو غنڈوں کی ایک ٹولی نے صدر بازار میں ایک مسلمان کے گھر پر دھاوا کیا۔ یہ لوگ لاری میں بیٹھ کر مہلک ہتھیاروں سے مسلح آئے تھے۔ یہ غنڈے شوہر کی عدم موجودگی میں غریب مسلمان کی بیوی کو بہ جبر اٹھا کر لے گئے۔ پولیس میں اطلاع دی گئی۔ چند روز بعد وہ عورت کسی طرح سے بھاگ کر اپنے شوہر کے پاس آ گئی۔ یہ خود ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس گئی اور سارا حال اور ملزمان کا پتہ نشان بتایا

ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اس کی تحقیقات ایک خاص افسر کے سپرد کی اور متعدد ہندو گمراہ ہوئے۔ جب ان کے مکان کی تلاشی لی گئی تو کافی تعداد میں مہلک ہتھیار اور قابل اعتراض سامان برآمد ہوا۔ محکمہ پولیس سے معاملہ میں بغیر برابر یا زائد تعداد میں مسلمانوں کا چالان کئے ہوئے ہندو غنڈوں کو گرفتار کرنے کی غلطی اس وجہ سے سرزد ہوئی کہ ان دنوں جناب رائے بہادر تارا چند صاحب چھٹی پر گئے ہوئے تھے۔ ورنہ کانگریسی دور میں ناگپور کے اندر ان کا یہ بلا استثنا اصول رہا کہ فرقہ دارانہ معاملات میں یا صرف مسلمانوں کا چالان ہو یا ہندو مسلمان دونوں کا جیسا کہ اوپر مذکور ہے ہوئے واقعات سے ثابت ہو۔

(۱۴۱) ۲۵ جون ۱۹۳۹ء کی شب کو متعدد ہندو غنڈوں نے ایک مسلمان شیخ محی الدین پر اطمینان دے کے قریب قاتلانہ حملہ کیا۔ اس حملہ میں ایک بزرگ کا مزار بھی اس غریب کو بہت عقیدت تھی اور وہ اکثر وہاں جایا کرتا تھا۔ ان پر کلہاڑے اور دیگر دھاردار ہتھیاروں سے حملہ کیا گیا۔ یہ جس وقت اسپتال لائے گئے تو زخموں کی شدت کے سبب بات کرنے کے قابل نہ تھے۔ بالآخر یہ زخموں سے جاں بحق ہو سکے اور چند روز بعد اسپتال ہی میں انتقال کر گئے۔ مرنے سے پہلے انہوں نے اپنے حملہ آوروں کا پتہ دیا تھا۔ رائے بہادر تارا چند ابھی چھٹی پر تھے اس لئے مقدمہ کی تفصیل میں تھوڑی سی سرگرمی رہی اور چند گرفتاریاں اور خانہ تلاشیاں ہوئیں بعض مشتبہ میں فراہم ہو گئے۔ پولیس نے ان کی تلاش شروع کی۔ بقیہ گرفتار شدہ ملزمین حوالہ میں رہی۔ تھوڑے دنوں کے بعد ان ملزمین کی ضمانت ہو گئی۔ اور اس کے کچھ دنوں بعد ثبوت فراہم نہ ہونے کے باعث مقدمہ اٹھایا گیا۔ جس وقت گرفتاریاں ہوئی تھیں اس وقت کو تو ال شہر رائے بہادر صاحب کے چھٹی پر ہونے کے باعث سردار ارجن سنگھ تھے اور جس وقت ملزمین کی ضمانتیں ہوئی ہیں اور مقدمہ اٹھایا گیا ہے اس وقت رائے بہادر

تاہم چند صاحب مسلمانوں کی سخت مخالفت اور شدید احتجاج کے باوجود حکومت کی عنایت سے پھر ناگپور کو ذوالی کے انچارج ہو چکے تھے۔

(۱۵) رائے بہادر صاحب کے آنے کے بعد صدر اور گڈی گو دام کے محلوں میں ہندوؤں کی شورشیں بہت بڑھ گئیں۔ ہر وقت بلوہ اور فساد کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ مسلمانوں نے حکام کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ لیکن کانگریسی حکومت نے رائے بہادر صاحب کو شہر کا ٹینک دار بنادیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے وہی اپنا پیرانا نسخہ استعمال کیا۔ یعنی مسلمانوں کی طرف سے کسی جارحانہ واقعہ کے ارتجاب کا ثبوت نہ ہونے کے باوجود ان دونوں محلوں کے متعدد ہندوؤں کے ساتھ بہت سے شریف۔ تعلیم یافتہ اور تاجر مسلمانوں کا بھی دفعہ ۱۰ میں چالان کر دیا۔

(۶) بھنڈارہ :-

فروری اور مارچ ۱۹۳۹ء میں ہندو غنڈوں نے مسلمانوں کو چھڑنے کا یہ نرالا طریقہ نکالا تھا کہ کیسر پورہ میں سینارام کے اکھاڑہ کے پاس دو چار ہندو دھڑے ہو جاتے اور تیرا جانے والے مسلمان سے پوچھتے کہ بتاؤ اورنگ زیب اچھا تھا یا شیواجی اور مسلمان کے جواب پر کہ اورنگ زیب اچھا تھا اسے طمانچہ لگا دیتے۔ ایسے واقعہ کی تقریباً ایک درجن رپورٹ پولیس کو کی گئیں مگر پولیس نے کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

برار ڈپوین

(۱) ضلع اکولہ :-

(۱) مہمک :-

یہاں مسجد کے سامنے باجہ نہیں بجا کرتا تھا۔ یہاں صدر سڑک پر دو مسجدیں ہیں

بقیہ گلیوں میں ہیں چند کمنہ مسجدیں بھی ہیں۔ باجہ ان کے سامنے بھی نہیں بجتا تھا۔ ہندوؤں نے اس سلسلہ میں کئی بار پاؤں پھیلائے کی کوششیں کی مگر زیادہ دال نہ گلی لیکن کانگریسی راج میں انہیں اپنے دل کا حوصلہ اور وہ بھی پورے انتقام کے ساتھ نکالنے کا موقع مل گیا۔ جب ہندو درخواست دیتے تھے کہ وہ باجہ بجائیں گے تو حکام پانڈیا عالمہ کہہ دیتے تھے۔ کبھی مسلمانوں کی عذر داری کے سبب حکام بیچ میں پڑ جاتے تھے۔ اور انہیں کھل کھیلنے کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔ ۱۹۳۹ء میں ہندو سیدھے وزارت کے پاس پہنچے کہ ان پر مسجد کے سامنے باجہ بجانے میں حکام کی طرف سے رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں، رام راج میں یہ کیسے مناسب ہو۔ ہر قوم کی نمائندہ اور انصاف و صداقت کی مددگی کانگریسی وزارت نے ہندوؤں سے یہ نہیں کہا کہ تم دیوانی سے اپنے حق میں فیصلہ کرالو۔ بلکہ ایک سرکاری بیان اگست ۱۹۳۹ء میں جاری کیا کہ ہندوؤں کو مسجد کے سامنے باجہ بجانے کا حق ہو اور اس حق کے استعمال میں حکومت ان کی ہر طرح محفوظ کرے گی۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء کے گاندھی جنم دن اور گاندھی کے جلوس کے موقع پر اس فتح کا منظر اس دھوم دھماکے کیا گیا کہ مسلمانوں کو اپنے محکوم ہونے کا پورا پورا احساس ہو جائے۔ ہندوؤں نے ایک بہت بڑا جلوس نکالا جس میں شہر کے تمام معززین، تاجر، اور ہندو افسران نے حصہ لیا مقامی سب جج نے اپنی موٹر عاریتاً دی۔ اور اس جلوس کے ساتھ برسر حکومت قوم کے طاقت و جبروت کے اظہار کے لئے اس چھوٹے سے قصبہ میں جہاں مسلمانوں کی آبادی مرد و عورت بچے ملا کر ایک ہزار کے قریب ہی۔ آٹھ سب انسپکٹر۔ پندرہ ہیڈ کانسٹیبل چالیس بندو قوں سے مسلح چالیس پولیس مین، اور بیس کانسٹیبل ہمراہ ہوئے حکومت کا فرمان موجودہ مقامی افسروں کی حمایت حاصل اور مسلح پولیس کا دستہ ساتھ۔ اندازہ کیا جاسکتا ہو کہ ان کے جوش و خروش کا کیا عالم ہوگا۔ جلوس کو ہر مسلمان کے مکان کے سامنے لے جانا اور وہاں پہنچ چھج کر اور رک کر نہرے لگانا لازمی قرار دیا گیا۔ ایسی ایسی گلیوں

سے گزرا گیا۔ جہاں آج تک کوئی جلوس نہیں گزرا تھا۔ مسجد کے سامنے دیر تک ٹھہرنا اور خوب خوب جے کارے لگانا تو قطعی ضروری تھا۔ ایک مسجد بہت ہی تنگ گلی میں ہو جس کا نام حنفیہ مسجد ہے۔ یہ گلی اتنی تنگ ہو کہ موٹر یا گاڑی کیا ٹھیلہ تک نہیں جاسکتا ہو۔ محض اس مسجد کے سامنے باجہ بجانے کے لئے جلوس کو اس گلی میں لیجا یا گیا۔ تمام گاڑیاں موٹر پر روک لی گئیں اور باجہ اور ہندوؤں کا ہجوم تیرنگے جھنڈے کے ساتھ مسجد کی طرف گیا اور مسجد کے سامنے خوب اچھی طرح باجہ بجانے کے بعد تنگ گلیوں سے ہوتا ہوا سڑک پر آیا جہاں گاڑیاں وغیرہ کھڑی کی گئی تھیں۔ جامع مسجد کے سامنے ایک بار کی بجائے تین بار کنپٹی کے جلوس کو باجہ کے ساتھ لایا گیا اور رک کر باجہ بجا گیا۔ اس تمام چڑھانے کا مقصد اپنی فتح کا ڈنکا بجانے کے علاوہ یہ بھی تھا کہ مسلمان اچھیں تو انہیں مجھوں جیاجا۔

(۲) مرتضیٰ پور :-

(۱) جیسے ہی کانگریسی حکومت برسرِ اقتدار ہوئی یہاں کے ہندوؤں نے شرارتیں شروع کر دیں۔ پہلے یہ کہا گیا کہ صرف ہندو جلوس کے ساتھ باجہ بجا یا جائے گا۔ چنانچہ پہلے ہی ۱۹۳۷ء دسہرہ کے موقع پر سیدوک سنگھ کے والٹیروں نے مسجد کے سامنے باجہ بجا یا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ دو چار جلوس اور نکالے گئے جب مسلمانوں کے احتجاج کی شنوائی نہ پولیس میں ہوئی نہ حکومت میں تو جلوس کو باجہ بجاتے ہوئے مسجد کے سامنے لے جانے کا ایک تاننا بندھ گیا۔ مقصد صرف جلوس نکالنا نہیں بلکہ مسلمانوں کو چڑھانا ہوتا ہو۔

(۲) ۵ مارچ ۱۹۳۹ء کو محرم کے سووم کے سلسلہ میں کچی بازار میں وعظ ہو رہا تھا۔ ہندوؤں کا ایک ہولی کا جلوس جس کے ساتھ ۱۹۳۹ء کے ہر مقام کے ہولی کے جلوس کی طرح پولیس نہ تھی ہنگامہ کرتا ہوا قصد اُس طرف سے گزرا۔ پہلے گالی گلوچ اور زبردستی رنگ ڈالنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اُس کے بعد مار پیٹ شروع کر دی گئی ساٹ

مسلمان بہت بڑی طرح زخمی ہوئے۔ ایک مسلمان شکوہ نامی کی ٹانگ اس طرح ٹوٹی کہ وہ ہمیشہ کے لئے معذور ہو گیا۔ یوں تو مسلمان بہت زیادہ زخمی ہوئے لیکن ان کو پولیس نے ڈاکٹر کے پاس نہیں بھیجا۔ اور مال دیا۔ بہت سے مسلمان اس ڈر سے ڈاکٹر یا پولیس کے پاس نہیں گئے کہ جو جاتا تھا اس کے ملازمین جانے کا قوی خطرہ تھا۔ یہ سارا وہ ہیں جن کو طواغیت کا ہاشد یہ ضربات کی سٹریٹکٹ مل گئی۔ ہندوؤں کے محض معمولی خراش کے نشان رکھنے والوں کو بھی ڈاکٹر کی سٹریٹکٹ عنایت کی گئی اور اس طرح ہندو خیموں کی تعداد ۱۵ تک پہنچائی گئی۔ ان میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جسے شکوہ کی طرح ضرب آئی ہو۔ قصور وار صرف مسلمان تھے اور چھپالیس مسلمانوں کا چالان زیر دفعہ ۱۴۹-۱۴۸-۳۲۵ اور ۳۲۶ کر دیا گیا۔ مقصد ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔

(۳۱) محلہ مبارک پور میں مسلمانوں کا ایک قبرستان ہے۔ ۸ اپریل ۱۹۳۹ء کو ایک ہندو لڑکی کو یہاں دفن کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے احتجاج کرنے پر انہیں گالیاں، اور دھمک دینے کی دھمکی دی گئی، پھر ان میں رپورٹ کر کے وقت سب انسپکٹر نے رپورٹ کر کے والے مسلمان کو بہت بڑا بھلا کہا۔ ڈی۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ پی اور وزیراعظم کو تحریری درخواستیں دی گئیں۔ حکومت نے تو یہ مستقل پالیسی اختیار کر رکھی ہے کہ مسلمانوں کو کہے کہ دیوانی جاؤ مگر ہندوؤں کے لئے دیوانی کے تمام مراحل خود ہی طے کر دے۔ اس لئے وہاں سے یہ جواب ملا کہ یہ مشترکہ قبرستان ہے۔

(۳۲) باسٹم :-

یہاں پہلے مسجد کے سامنے باجہ بالکل نہیں بچتا تھا۔ ہندوؤں نے بلوہ فساد کر کے اتنی ترقی کر لی کہ باجہ بچے مگر نماز کے اوقات میں نہ بچایا جائے۔ کانگریسی راج میں یہ پابندی بھی ختم ہو گئی۔ اور اب دھڑکے کے ساتھ نماز کے وقت بھی باجہ بچایا جاتا ہے۔ بلکہ جلوس قصد آئین نماز کے وقت مسجد کے سامنے لائے جاتے ہیں ۱۹۳۹ء

میں پولا کے تہوار کے دوسرے دن ایک جلوس جس کی رہنمائی کانگریسی حضرات کر رہے تھے عین نماز کے وقت جامع مسجد اور قلعہ کی مسجد کے سامنے باجمہ بجاتے ہوئے جلوس روکا گیا۔ ستمبر ۱۹۳۹ء میں دسہرہ کے دوسرے دن سیوک سنگھ کے والدین عصر کی نماز کے وقت جلوس لے کر نگینہ مسجد کے پاس پہنچے اور دیر تک باجمہ بجاتے رہے۔

(۴) اکولہ :-

بارہ سہ ماہیتی کے احاطہ میں ایک پڑانا قبرستان ہے۔ اس میں چند مزارات بزرگوں کے ہیں جن پر برابر فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ اس قطعہ زمین کو ایک ہندو سیٹھ نے خرید لیا اور ۱۹۳۹ء میں مقامات کی تعمیر کے سلسلہ میں کئی قبروں پر بھی پھاڑے چلا دیئے۔ تو یہیں مقابر کی دفعہ سے یہ مستثنیٰ ہے۔ باوجود اطلاع پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

(۵) کارہ سنجہ :-

(۱) ۲۸ جون ۱۹۳۹ء کو چند غریب مسلمان عورتیں ایک ہندو محلہ سے گذر رہی تھیں، ایک جگہ چند ہندو لڑکے کھیل رہے تھے اور چند ہندو بیٹھے ہوئے تھے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اتفاقیہ طور پر یا دانستہ، بہر حال پھر ایک مسلمان عورت کو لگا۔ عورت نے کہا کہ راستہ ہے۔ دیکھ کہ کھیلو۔ لڑکوں نے مذاق اڑانا اور تہسنا کرنا شروع کر دیا۔ اس پر جب عورت بگڑی تو چند اور ہندو لڑکے اور سخت کلامی کرتے ہوئے کہا کہ ”ابھی کیا ہے؟ تم سب کو تو گھروں میں سے کھینچ کھینچ کر بے عزت کیا جائے گا۔“ عورتیں آبرو بچا کر چلی گئیں پولیس کو اطلاع دی گئی۔ صدا سے برخواست۔

(۲) اگست ۱۹۳۹ء میں بارہ واڑی پورہ کے ایک مندر کے دروازہ کے سامنے ایک غلیظ سے بھری ہوئی ہینڈ یا پانی گئی۔ اس مذہوم حرکت کے کرنے والوں کی تلاش ہوئی چند وڑوں کی طرف سے چشم دید گواہ پیش ہوئے کہ انہوں نے دو مسلمانوں کو ایسا کرتے

دیکھا ہو جن دو مسلمانوں کے نام لئے گئے وہ اُس خاندان کے فرد تھے جو قبضہ کے مسلمانوں پر اثر رکھتے ہیں، اور مسلمانوں کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ ایک منصب علی صبا کے کم عمر لڑکے عبدالرحمن کا نام بتایا گیا اور دوسرا زاہد علی کا۔ ان کے مکانات جس جگہ واقع ہو اتھو وہاں سے تقریباً ۱۰ افراد انگ و در پہنچیں۔ پولیس نے ان دونوں کا چالان یہ دفعہ ۲۹۵ کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں ایس۔ ڈی۔ او کو لہ کی عدالت نے فرد جرم لگائے بغیر ان کو سری کر دیا۔ یقیناً غلط رکھنے والے کی حرکت خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہو عدویہ قابلِ نفرت ہو اور وہ سزا کا مستحق لیکن ایک معزز گھر کے دو افراد پر جو وہاں سے بہت دور رہتے ہوں صرف اس لئے تہمت لگانا کہ وہ سربراہ اور وہ مسلمان ہیں ان کو پھانسا چاہیے ہندوؤں کی ذہینیت کو واضح کرتا ہے۔ پھر ہندو کسی پر الزام لگا دے پولیس چالان کے لئے تیار بیٹھی رہتی ہے۔ مگر مسلمان ثبوت پر ثبوت دے تب بھی معاملہ گاؤں خود رہ کر رہ جاتا ہے۔

(۱۳) اسی زمانہ میں چند مسلمان پر وہ نشین عورتیں ایک لڑکے کے ساتھ ایک تقریب میں شرکت کر کے سارے دس بجے شب کو واپس ہو رہی تھیں۔ جب وہ ایک ہندو ہوٹل کے سامنے سے گزریں تو رام کنور کانسٹیبل نے جو وہاں کھڑا تھا اور چند ہندوؤں نے جن کے ساتھ یہ کانسٹیبل منسی مذاق کر رہا تھا ناگفتہ بہ کلمات ان عورتوں کی شاں میں استعمال کئے مسلمان لڑکے نے اعتراض کیا۔ اس پر تنہا اور بڑھا اور لڑکے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ عورتیں مع لڑکے جلدی آگے بڑھ گئیں۔ پولیس میں اطلاع دی گئی۔ مگر یہ ہندو کا معاملہ تو تھا نہیں کہ فوراً کارروائی کی جاتی۔ ہندو نے مسلمان کو گالی دی تھی اور چھیڑا تھا وہ بھی رام داج کا کانسٹیبل۔ معاملہ داخل دفتر کر دیا گیا۔

(۱۴) عبدالرزاق ڈرامیور کی موٹر سے ایک معمولی سا سانحہ ہو گیا۔ پولیس نے بعد

تحقیقات معاملہ قابل چالان نہ سمجھا۔ ہندوؤں نے حرت اس وجہ سے کہ اس ڈپٹی
کا بھائی مسلمانوں کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتا ہے، ڈی۔ ایس۔ پی کو درخواست
دی۔ ہندو کی ہرات پر کان دھنا حکام کا فرض تھا۔ اس لئے دوبارہ تحقیقات کا حکم ہوا
اور مقدمہ زیر دفعہ ۲۹۹ اس کے خلاف چلایا گیا لیکن عدالت نے فرد جرم لگائے بغیر
بری کر دیا۔ اس معمولی واقعہ کے تذکرہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ہندوؤں کی معمولی
معمولی درخواست پر کتنی جلد اور کتنی موثر کارروائی کی جاتی ہے لیکن مسلمان سرپرست یا رہتا
ہو کا حق جوں تک نہیں رہتی۔

(۶) کیوٹو مختال (پرگنہ دھمنی۔ تحصیل مرتھی پورہ)

اس گاؤں میں ایک مزار ہے جو وزیر شاہ اور راجی شاہ کی درگاہ کے نام سے موسوم
ہے۔ ہندوؤں نے اس پر پنڈ لاکر رکھ دیا اور زبردستی قبضہ کر لیا۔ پولیس نے کوئی کارروائی
نہیں کی حسب دستور مسلمانوں کو دیوانی عدالت جانے کے لئے کہا گیا۔

(۲) ضلع بلڈانہ :-

(۱) ملکا پور :-

(۱۱) ۵ مارچ ۱۹۳۹ء کو مسلمانوں کے ندی میں دفن کئے ہوئے تعزیر کی ہولی
چلائی گئی۔ مسلمانوں نے جب آگ اور دھواں دیکھا تو اس طرف گئے اور آگ بجھانی چاہی
ان پر لالٹھیوں اور بھالوں سے حملہ کیا گیا۔ کئی مسلمانوں کو شدید زخم آئے اس خلفشار
میں چند ہندوؤں کو بھی خفیف چوٹیں آنا لازمی تھیں۔ ہندوؤں کی زیادتی کے باوجود
۱۹۳۹ء کے ہولی کے فسادات کے سلسلہ میں جو پہلے سے طے شدہ پالیسی پر عمل اختیار
کی گئی تھی۔ یہاں بھی برتی گئی۔ یعنی تین ہندوؤں کے ساتھ بارہ مسلمانوں کا بھی بلوہ میں
چالان کر دیا گیا۔ زخموں کی نوعیت کے سبب پولیس کو مجبوری یہ ہوئی کہ مسلمانوں کے
خلاف علاوہ ۱۲۸ کے دفعہ ۳۲۳ سے زیادہ سنگین دفعہ نہ لگائی جاسکی۔ ہندو

کے خلاف علاوہ ۱۴۸، ۱۴۹ کے ۳۲۶ کی دفعہ لگانی پڑی۔ مقدمات چلتے رہے جب سماعت تقریباً ختم ہو گئی اور فیصلہ کا وقت آیا اور روڈا مقدمہ سے یہ اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ مسلمانوں کے خلاف مقدمہ کمزور ہو اور سنرائیں اگر ہوئیں بھی تو معمولی ہوں گی، اور ہندوؤں کے خلاف مقدمہ مضبوط ہو اور فرد جرم کی نوعیت کے لحاظ سے سنرا کانگرس ہونا لازمی ہو تو ذرائع کے پاس دڈر دھوپ کی گئی اور دروازے جاتے جاتے یہ بے لسانی کی کہ حکام ضلع کے ذریعہ مقدمات اٹھائے گئے۔ کانگریس راج میں اگر ہندوؤں کی اتنی طرفداری بھی نہ کی جائے تو پھر اسے رام راج کیسے کہا جاسکتا ہو۔

(۲) مقامی لیگ کے سیکرٹری حکیم غلام احمد کا چالان زیر دفعہ ۱۸۱ اس جرم میں کیا گیا کہ انہوں نے ایک کانگریسی مسلمان کو لیگ میں شریک ہونے کی دعوت باصرہ دی عدالت ماتحت نے ان سے منجملہ لئے جانے کی سنرا بھی دیدی۔ لیکن اپیل سے یہ بری ہو گئے۔ اب کسی کانگریسی کو دوسری جماعت میں شرکت کی دعوت دینے سے بھی نقض امن کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔

(۲) مکھام گاؤں :-

(۱) یہاں مسجد کے سامنے باجموعہ ما نہیں بجا کرتا تھا اور نماز کے وقت تو قطعاً نہیں جتنا تھا لیکن ۱۹۳۸ء میں آریہ سماج کا نفرنس کے موقع پر جس کے صدر مٹر گھنٹام داس گپتا اسپیکر سی۔ پی اسمبلی تھے مسلمانوں کو چڑھانے کے لئے مسجد کے سامنے سے جلوس نکالا گیا۔ اس کے بعد ہی شیواجی کا جنم دن منانے کے سلسلہ میں جمعہ کی نماز کے وقت جلوس نکالا گیا۔ اس کے بعد سینہ گریہوں کی جماعت نے سایہ شہر کا گشت لگایا جس میں انتہائی دل آذر نعرے لگائے گئے اور ایسی ایسی سرکوں پر گھومے جس پر سے کبھی کوئی ہندو جلوس نہیں گزرتا تھا لیکن پولیس نے نہ نقض امن کا خطرہ محسوس کیا نہ ان سے کوئی تعارض کیا۔ یہ تمام باتیں نہ صرف خلاف قانون کی جا رہی تھیں۔

بلکہ تمام گاؤں کے ہندو مسلمانوں کے درمیان ایک مدت سے جو معاہدہ چلا آ رہا تھا اس کی بھی خلاف ورزی کی جا رہی تھی لیکن رام راج میں ہندوؤں سے باز پرس کون کر سکتا تھا۔ (۲) محرم ۱۹۳۹ء کے موقع پر فساد کرنے کی ٹھان ہی لی گئی۔ چنانچہ محرم کا بائیکاٹ

کیا گیا کہ کوئی ہندو اس میں شریک نہ ہو۔ اشتغال انگیزی کی متعدد تدبیریں کی گئیں۔ مولانا علی کی سواری کے پاس ہی ایک ٹینٹ لاکڑ بٹھایا گیا۔ سواری کے قریب ہی کرتن سبھا کی گئی جس میں مسلمانوں کو جی بھر کر برا بھلا کہا گیا۔ محرم کے ایک جلوس پر سنگ باری کی گئی جس میں پولیس افسروں کو بھی چٹیں آئیں۔ مگر کسی ہندو کے خلاف کوئی کارروائی کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ جب ان ترکیبوں سے بلیہ نہ ہو سکا تو ایک جلوس نکال کر محرم کے اجتماع کی طرف لے جایا گیا جس میں خوب خوب دل آزار نعرے لگائے جا رہے تھے۔ پولیس نے اسے روکنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ جلوس جس ارادے سے لایا گیا تھا اُس کی تکمیل شروع ہوئی۔ سواریوں پر دھاوا کیا گیا۔ اُن کی بے حرمتی کی گئی اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا گیا۔ اس ہنگامہ میں متعدد ہندو مسلمان زخمی ہوئے لیکن ۱۹۳۹ء کے فسادات پانچ کے سلسلہ میں طے کی ہوئی پالیسی کے مطابق صرف مسلمانوں کو قصور وار ٹھہرایا گیا اور مختلف دفعات کے تحت متعدد مسلمانوں کا چالان کر دیا گیا۔

(۳) یہاں کے ہندو مسلمانوں کے درمیان مدت دراز سے ایک معاہدہ چلا آ رہا جس کی رو سے پچھانک پورہ فائل روڈ پر سے ہندوؤں کا جلوس نہیں گزر سکتا اور صرافہ روڈ پر سے مسلمانوں کا جلوس نہیں جاسکتا۔ جب اِدھر یہ قضیہ نئے سرے سے پیدا ہوا اور متعدد بار مسلمانوں کو شکایت کا موقع پیدا ہوا تو اس پر پھر گفت و شنید ہوئی اور جولائی ۱۹۳۹ء میں اس کی تجدید کی گئی جس میں ہر خیال کے ہندوؤں نے شرکت کی۔ اس کے باوجود گنپتی کے جلوس کے موقع پر اس کی خلاف ورزی کی کوشش کی گئی۔ حکام ضلع نے یہ احکام جاری کر دیئے کہ گنپتی کے جلوس کو ان معاہدوں کے شرائط

کی پابندی کرنی پڑے گی۔ ہندوؤں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان کے جلوسوں پر پابندی عائد کی جاتی ہے اپنے لمبا و ماویٰ وزارت کا رخ کیا اور وہاں سے کامیاب واپس آئے حکام گاؤں کے مسلمانوں کو یکم اکتوبر کو نصف شب کے وقت یہ چونکا دینے والی اطلاع ملی کہ ”صدافت اور اہسا“ کے دعویدار (گاندھی جی) کے پیرائش کے دن صدافت و انصاف کا خون کرتے ہوئے مسلمانوں پر یہ تشدد کیا جائے گا کہ گاندھی جی کے تصویر کا جلوس تمام مسجدوں کے سامنے باجے کے ساتھ گزرے گا سب قوموں کے حقوق کی حفاظت کی دعویدار کانگریسی حکومت نے اس کی اجازت دے دی ہے۔ چنانچہ ۲ اکتوبر کو گاندھی جی کی تصویر کا جلوس بڑی دھوم دھام سے نکلا اور اس کے ساتھ کانگریسی حکومت کی طاقت کے مظاہرہ کا بھی پورا انتظام کیا گیا۔ تمام بڑے چھوٹے حکام کے علاوہ تین سو مسلح پولیس اور کانستبلوں کے جلوس یہ جلوس چلا۔ اور ہر مسجد کے سامنے رک کر باجہ بجایا چند مسجدوں کے سامنے متعدد مسلمانوں نے سول نافرمانی کی۔ ۳ مئی مسلمان اس سلسلہ میں گرفتار کئے گئے اس کے دو روز بعد جلیاتر کا جلوس نکالنے کا اعلان کیا گیا کہ نماز کے وقت بھی مسجدوں کے سامنے باجہ بجایا جائے۔ لیکن مقامی حکام نے نماز کے وقت باجہ بجانے کی اجازت نہ دی۔ وزارت ان کی ہر گز بات کو مان لینے کے لئے تیار بیٹھی تھی جس میں مسلمانوں کے حقوق کی پامانی اور ان کی دل آزاری ہوتی ہو۔ یہ وہاں پہنچے اور ۲ اکتوبر کو ایک سرکاری بیان شائع ہو گیا کہ نماز کے وقت بھی باجہ بجانے کا حق ہندوؤں کو حاصل ہے۔ چنانچہ ٹھیک عصر کے وقت ۱۴ بجکر ۲ منٹ پر نکلا اور مسجد کے سامنے پہنچ کر نماز ہو رہی تھی رکا اور جی بہر کر باجہ بجایا۔ یہ جلوس پھر اسی راستہ سے واپس ہوا تاکہ عشاء کی نماز کے وقت مسجد کے سامنے پہنچ جائے عشاء کے وقت پھر مسجد کے سامنے رکا اور اپنی فتح کا اعلان باجے جے کارے اور زمروں کے ساتھ کرنے لگا۔ پولیس نے مسجد کے اندر جا کر بہت سے سامان پر قبضہ کر لیا۔ تیل

بدھنا۔ کلونج وغیرہ اور انہیں بند کر کے کوٹھری مقفل کر دی تاکہ مسلمانوں کو نماز میں بھی دقت ہو۔ صرف یہی نہیں ہوا بلکہ نماز کا وقت ہونے کے باوجود بہت سے مسلمانوں کو مسجد کے اندر نہ جانے دیا گیا اور انہیں جماعت میں شریک ہونے سے روکا گیا۔ دو روز بعد پھر گینتی کا جلوس نکالا گیا۔ جس میں دور دور کے اکھاڑے بلائے گئے۔ اور جس جس شہرک پر مسجد نظر آئی اُس پر ضرور گزرا اور رک کر باجمہ سجایا اور دل آزار نعرے لگائے خصوصاً نماز کے وقت مسجد کے سامنے لازماً ٹھہرایا گیا۔ کیا مسلمانوں کا بڑے سے بڑا دشمن اس سے زیادہ دل آزاری اور ظلم کا مرتکب ہو سکتا ہے؟

(۳) بسوا چاندور کا تاریخی مقدمہ:۔ انسانیت سونہ

پروری اور بربریت کی ایک ہولناک داستان

اگر کانگریسی دور کی تمام ظالمانہ عجوبہ کاریوں سے قطع نظر کر بھی لیا جائے تو صرف چاندور بسوا کا ایک ہی واقعہ ایسا ہے کہ اس کی تفصیل جاننے کے بعد اس کے سوا دوسری کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی کہ اس جماعت کے ہاتھ میں حکومت کی باگ دے دینا ویسے ہی ہو جیسے ”بچہ ستھ“ کو انتظام مملکت کا مدار المہام بنا دینا۔ چاندور بسوا کا حادثہ فاجعہ نہ صرف ان کی انسانیت سونہ بربریت کا موقع ہو بلکہ اس سے آپ امر کا بھی پورا ثبوت مہیا ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو ایند اپنچانے، ذلیل کرنے، بچکنے اور تباہ کرنے میں وزیر اعظم سے لے کر گاؤں کے پٹیل تک اور صوبہ کانگریس کمیٹی کے صدر سے لے کر معمولی کانگریسی ممبر تک کس طرح ہم آواز اور متحد ہو کر سازش کا جان بچھا سکتے ہیں اور حکومت کی ساری مشنری کو حرکت میں لا کر اپنے وحشیانہ جذبات بغض و انتقام پسندی کی تسکین کا سامان پیدا کر سکتے ہیں۔ ذیل میں اس واقعہ کا ضروری خلاصہ درج

کیا جاتا ہے :-

پچھلے واقعات | اس قصبہ کی کل آبادی تین ہزار کے قریب ہے جس میں مسلمانوں کی آبادی مرد، عورت بچے ملا کر ایک ہزار کے قریب ہے۔ یہاں صرف چند گھر کھاتے پیتے مسلمانوں کے ہیں، جو کچھ کھیت وغیرہ رکھتے ہیں درہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد مزدور پیشہ ہے جو ہندوؤں کے کھیتوں میں عموماً کام کرتے ہیں۔ سوائے دو بچیوں کی دوکانوں کے بقیہ تمام قابل ذکر دوکانیں بھی ہندوؤں کی ہیں۔ یہاں ۱۹۲۷ء میں مسجد کے سامنے باجہ بجانے کے سلسلہ میں بلوہ ہوا تھا جس میں پولیس نے صرف مسلمانوں کا چالان کیا تھا اور انھیں سزائیں ہو گئی تھیں مسلمانوں نے ہندوؤں کے خلاف پولیس سے نا اُمید ہو کر استغاثہ دائر کیا تھا جس میں مسٹر ایسٹن ہوپ سب ڈویژنل مجسٹریٹ بلڈانہ نے ہندوؤں کو سزائیں دے دی تھیں مگر اپیل پر راج صاحب چٹنویس نے جو اس وقت ایڈیشنل سیشن جج تھے تمام ہندوؤں کو بری کر دیا تھا مسلمانوں نے جن ہندوؤں کے خلاف اس وقت استغاثہ دائر کیا تھا ان میں سے دو یہ تھے (۱) جگد یو پیٹیل ہندوؤں کی مسلم آزار ٹولی کا سرغنہ اور (۲) لکشن جو اس وقت اس گاؤں کا پیٹیل ہے۔ اس وقت کاغداد اس ٹولی کے دلوں میں ہمیشہ باقی رہا۔ جگد یو پیٹیل نے اس گاؤں میں ایک مرہٹی پولیس قائم کیا اور ۱۹۲۹ء میں ایک دل آزار کتاب موسوم بہ قرآن کی غزل، لکھی جس میں مسلمانوں کے مذہب خدا، پیغمبرؐ کی مقدس کتاب کا مضحکہ اڑایا۔ یہ شخص ان غزلوں کو ملکاپور بازار بسوا اور دیگر مقامات پر چار پانچ لڑکوں کو ساتھ لے کر گاگا کر پڑھا کرتا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں پولیس نے اس سلسلہ میں زیر دفعہ ۲۹۵ اس کا چالان کیا اور اسے دوسو روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی۔ اس کی اشتعال انگیزی کا سلسلہ برابر جاری رہا اور تھوڑے دنوں بعد اس نے ڈنڈی کا ستوا تر جلسہ نکالنے کی ایجاد کی۔ ڈنڈی کا جلسہ اس گاؤں

میں مہینہ میں دوبارہ نکلا کرتا تھا جگہ پوٹیل کے ہندوؤں کے لیڈر ہو جانے، اور کانگریس کے وزارت قبول کرنے کے بعد یہ روزمرہ کا مشغلہ ہو گیا خصوصاً جس روز مسلمانوں کا کوئی ہتھوار یا جلوس ہو ڈنڈی کا جلوس نکالنا لازمی تھا۔

اشتعال و بے حرمتی ہر جگہ کی طرح مارچ ۱۹۳۹ء میں یہاں بھی فساد کر کے مسلمانوں کو کچلنے کی ترکیب پر عمل کیا گیا۔ جب محرم میں تعزیرے کا جلوس نکلا تو اس پر گوبر اور غلیظ پھینکے گئے مسلمانوں نے ضبط اور سختی سے کام لیا پولیس کو اطلاع دی مگر پولیس حسب دستور شرارت کرنے والے کا پتہ نہ جاسکی دوسری مرتبہ جب پھر مسلمانوں نے تعزیرہ کا جلوس ہر سال کے رواج کے مطابق نہالنا چاہا تو ٹھیک اس جلوس کے وقت جو عموماً شب کو نکلتا ہو ڈنڈی کا جلوس بھی کالجز کی تیاریاں کی گئیں مسلمانوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ بلوہ کرانے کا پیش خیمہ ہو تعزیروں کا جلوس نہیں نکالا۔ اس موقع کے دستیاب نہ ہونے نے جگہ پوٹیل اور اس کے ساتھیوں کی آتش فساد کو اور تیز کر دیا۔ ۵ مارچ کو مسلمانوں کی لائبریری میں انسانی غلاطت پھینکی ہوئی پانی گئی۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ مردوجہ پالیسی کے مطابق کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

مسلم آزار کا درجہ کانگریس میں جگہ پوٹیل گذشتہ انتخاب میں کانگریس کا مخالف تھا چنانچہ اس حلقہ سے یہ کانگریسی امیدوار کے مقابلہ پر کھڑا ہوا تھا اور ٹھوڑے سے دوڑوں سے شکست کھا گیا تھا۔ کانگریس کے برسر اقتدار آتے ہی اس کے ساتھ کانگریس نے مفاہمت کر لی کیوں کہ ایک پتیزروں میں مایہ الاشرار کھٹی یعنی مسلم آزادی۔ اس کی یہ قدر افزائی کی گئی کہ اسے ملکا پورہ کانگریس کمیٹی کا صدر بنا دیا گیا اور ملکا پورہ لوکل بورڈ کا پریسیڈنٹ بھی۔

مڈ بھٹار اور مار پیٹ ہولی اور محرم کے موقع پر باوجود سخت ترین اشتعال کے بلوہ کے

نہ ہونے سے جگہ پوٹیل اور اُس کے ساتھیوں کے دیوں میں ایک بخار پیدا کر دیا۔ جاوے جا مسلمانوں کو چھیڑنا اور اشتعال دلانا ایک مشغلہ تھا۔ ۱۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو یہ جگہ پوٹیل اپنے چند (تقریباً آٹھ نو) ساتھیوں کے ساتھ اسٹیشن سے اتر کر بستی کی طرف چلا۔ جب یہ ٹولی مسجد کے پاس پہنچی تو مسجد میں چند مسلمانوں کو بیٹھا دیکھ کر مسلم آواز اور دل خراش نعرے لگانے شروع کر دیے اور مسجد پر گوبر اور گلاب پھینکے ساڑھے پانچ بجے شام کا وقت تھا اور چار مسلمان مسجد میں تھے۔ ان مسلمانوں کے معترض ہونے پر جگہ پو اور اُس کی پارٹی نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے مدافعت میں ہاتھ چلا دیے اس جھگڑے میں بعض مسلمان زخمی ہوئے اور جگہ پو کی پارٹی کے بھی چند لوگ مجروح ہوئے اتفاق سے جگہ پو کو زیادہ چوٹیں آئیں اور اُسی روز شب کو ناندورہ اسپتال میں اُس کا انتقال ہو گیا۔

حکام کی آمد | اس باہمی جھگڑے اور جگہ پوٹیل کے زخمی ہونے کی اطلاع اسٹیشن ماسٹر بسوا چاند ورنے بذریعہ فون ناندورہ ملکا پورا اور دیگر مقامات پر کر دی۔ یہ گاؤں ناندورہ تھانہ کے اندر ہی۔ اُس وقت تھانے دار ایک مسلمان نظام اندین تھے۔ وہ اطلاع ملتے ہی ایک مال گاڑی پر سوار ہو کر بسوہ پہنچے۔ چار گھنٹہ بعد تحصیلدار ملکا پورا اور سرکل انسپکٹر پولیس ملکا پور بھی بسوہ آگئے۔ ایک مہاسبہائی وکیل مٹر کلکرنی جو حکام گانوں سے ملکا پور جا رہے تھے بسوہ اسٹیشن پر واقعہ کی اطلاع سن کر اتر پڑے یہ واقعہ کے آدھ گھنٹہ بعد ہی بسوہ پہنچ گئے تھے۔ جگہ پوٹیل کو زخمی ہونے کے بعد ایک مقامی اسکول میں رکھا گیا تھا۔ مٹر کلکرنی اور دیگر حکام جو آچکے تھے وہیں جمع تھے۔ تقریباً تین گھنٹہ بعد جگہ پو کو ایک مال گاڑی کے ذریعہ ناندورہ بھیجا گیا جہاں وہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اسپتال پہنچنے کے بعد رخصت ہو گیا۔ دوسرے ہندو زخمیوں کو جن کی تعداد تقریباً آٹھ تھی۔ ابجے رات کو پارسل ٹرین کے ذریعہ ناندورہ بھیجا گیا۔ مسلمان زخمیوں

کی کوئی پرواہ نہ کی گئی

مقدمہ بنانے کی ابتداء | نرمل اسپیکر پولیس تھیمبلر وہاں پر موجود تھے لیکن ان اٹھوں زخمیوں میں سے جو اچھے خاصے بول چال رہی تھے

اسپتال بھیجے سے قبل کوئی بیان نہیں لیا گیا۔ حالانکہ واقعہ کو دیکھنے ہو چکے تھے۔ اس فیض میں اور بھی دکلا اور دیگر اشخاص ملکا پور سے آگے اور زخمیوں کے ساتھ ناندورہ تک گئے جب یہ زخمی اسپتال پہنچے جو تھانہ ناندورہ کے بالکل قریب ہی وہاں بھی پہنچنے پر ان کا بیان نہیں لکھا گیا۔ بلکہ زخمیوں کو اور ان کے ہمدردوں کو پورا موقع دیا گیا کہ اپنی خواہش کے مطابق صلاح مشورہ سے افسانہ تیار کر لیں ایک ہندو سب انسپکٹر مشر اتھارڈے جلب سے ناندورہ بھیجے گئے۔ اور بعض زخمیوں کا بیان پہلی مرتبہ انہوں نے ۲ بجے رات کو لیا یعنی واقعہ کے تقریباً نو گھنٹے بعد اور بعض زخمیوں کے بیانات دوسرے روز بعد پھر لئے گئے۔ تاکہ ایک کے بیان میں کوئی خامی ہو تو دوسرے کے بیان میں وہ دور بھائے۔

ایک بہت ہی اہم تار | واقعہ کے روز ہی یعنی ۱۱ مارچ کو مشر صوبہ دار اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس حکام گاؤں اور مشر پٹیل آئی۔ سی۔ ایس سب ڈویژنل مجسٹریٹ حکام گاؤں بھی ۱۰ بجے رات کو بسوہ پہنچے۔ اتنے بے شمار حکام کی آمد کا سبب یہ ہوا کہ اطلاع ملنے کے بعد ملکا پور۔ حکام گاؤں اور ناندورہ کے کانگریس نے تمام حکام اور اصحاب اختیار کو ادھر ادھر تار اور ٹیلیفون اس کثرت سے دیئے کہ وہ لوگ بھی گھبرا گئے کہ شاید بہت ہی بڑا ملودہ ہوا ہے یا شہداء جیسا غدر ہو گیا ہے۔ یوں بھی کانگریسی عہدیداروں کے تار پر پوچھ نہ کرنا وزارت کی سرنش اور انتقام کو دعوت دینا تھا۔ سب ڈویژنل مجسٹریٹ مشر پٹیل نے جو ایک تجربہ کار آئی۔ سی۔ ایس افسر ہیں اور اس سب ڈویژن کے سب سے بڑے حاکم اور انچارج تھے دو بجے رات کو اپنے اپنے آفس کے چار گھنٹے اور واقعہ کے نو گھنٹے بعد جو تار ڈپٹی کمشنر بلڈر انہ کو دیا

وہ بہت ہی اہم اور قابل غور ہے۔ اس تنازعہ سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ اصل واقعہ کیا تھا اور بعد میں سازش کے ذریعہ اسے کیا سے کیا بنایا گیا۔ یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ مسٹر پٹیل موصوف جس وقت پہنچے اس وقت بہت سے دوسرے حکام جو پہلے آچکے تھے وہاں پر موجود تھے۔ جگد یو کے ہمدردوں کا قافلہ بھی حاضر تھا۔ یقیناً مسٹر پٹیل نے کافی تحقیقات اور اپنا اطمینان کرنے کے بعد یہ تاہم دیا تھا اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ اس وقت تک واقعہ کے تل کو پہاڑ بنانے والے افراد پہنچے نہ تھے اور جو تھے بھی انہیں اس کا موقع نہ مل سکا تھا تاہم ترجمہ حسب ذیل ہے:-

”چند مسلمانوں نے جگد یو پر برسرِ ولانہ حملہ کیا۔ کوئی فرقہ دارانہ کشیدگی نہیں ہے۔ کوئی فرقہ دارانہ حملہ نہیں ہے۔ بلکا پور اور کھام گاؤں میں اس کے اثرات کی نگرانی رکھی جائے“ (تاریخ سب ڈویژنل مجسٹریٹ کھام گاؤں بنام ڈپٹی کمشنر بلڈانہ از بیوہ مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۳۹ء) یہ تاہم ڈپٹی کمشنر بلڈانہ کو ۱۸ مارچ ۱۹۳۹ء کو ساڑھے دس بجے دن کے وقت ملا۔ اس میں ڈپٹی کمشنر کو نہ حجت دینے کی بھی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی۔

ابتدائی گرفتاریاں | سب ڈویژنل مجسٹریٹ مسٹر پٹیل نے دوسرے روز صبح یعنی ۱۸ مارچ ۱۹۳۹ء کو اپنی تحقیقات کے بعد چار مسلمانوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ اس روز سرکل انسپکٹر نے اسٹیشن پر اُن دو ہندو کیلوں سے بھی ملاقات کی جو واقعہ کے روز شب کو زخمیوں کے ساتھ نامزد ورہ گئے تھے۔ اور لوگوں کے آنے جانے اور سرگوشیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ بطور احتیاط مسلمان سب انسپکٹر کو ایک معمولی بھانہ بنا کر نانہ ورہ بھیج دیا گیا۔ جن مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا۔ گرفتاری سے پہلے نہ اُن کا کوئی بیان لیا گیا۔ نہ صفائی پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ اب بسوہ میں سب کے سب ہندو حکام ورہ گئے۔ ۱۲ بجے دن تک کوئی

گرفتاری نہیں ہوئی۔ سرکل انسپکٹر نے ناندوہ فون کیا کہ سید اکرام الدین کو بسوہ لے آ یا جائے۔ سید اکرام الدین بسوہ کے ایک مغز ممتول اور با اثر باشندے ہیں اور ناندوہ میونسپل کمیٹی کے منتخب شدہ ممبر ہیں۔ یہ سیاسی اعتبار سے کانگریس کے مخالف تھے اور میونسپل ایکشن میں کانگریسی امیدوار کو شکست دی تھی۔ ان سے اور ناندوہ میونسپل کمیٹی کے پریسیڈنٹ رادھا کشن تو سینوال سے جو مسٹر برج لال بیانی صدر برابر پراشل کانگریس کمیٹی کے دوست اور دوست راست ہیں پُرانی مخالفت چلی آ رہی ہے اور ہمارے چرچ کو سخت کلامی اور توہین میں کی نوبت بھی آگئی تھی جس کے متعلق حکام کو تاڑ تک دیئے گئے تھے۔ اکرام الدین صاحب سب انسپکٹر کے ساتھ بسوہ آ گئے۔ ۱۸ مارچ کو دوپہر کے بعد سرکل انسپکٹر مسٹر تیواری نے قصبہ کے ممتاز اور با اثر اصحاب کو جن میں سید اکرام الدین کے بھائی سید عین الدین اور محمد علی جمعدار بھی تھے بلوایا اور اسکول میں بیٹھنے کو کہا اور مع ان کے چھ معزز اور با اثر مسلمانوں کو اور گرفتار کر لیا۔ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی کمشنر بھی اسی روز بعد دوپہر بسوہ پہنچ گئے۔ مسٹر اکرام الدین بھی اسی ٹرین سے بسوہ آئے، اتنے ہی ان کو بلوایا گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ واقعہ کے روز کچھری برخواست ہوئی تک مسٹر اکرام الدین بلڈانہ میں تھے اور واقعہ کے وقت ان کا بسوہ پہنچنا امر محال تھا ان کے بلڈانہ میں ہونے کی ڈپٹی کمشنر کے ریڈر اور کچھری کے دیگر اہلکاروں سے تصدیق بھی دوسرے ہی روزہ کر لی گئی۔ مگر پھر بھی انہیں گرفتار نہ ہی رکھا گیا۔ کیوں کہ ان کا نام اطلاع اول میں لے لیا گیا تھا۔

وزیر اعظم کا پارٹ | گیارہ گرفتار شدہ مسلمانوں کو کھام گاؤں بھیج دیا گیا۔ ایک ملزم محمد عقیل بہار تھے۔ انہیں کسی پر جھکا کر سوا کر لیا گیا مگر متکدہ ہی نہیں کھولی گئی۔ جتنے بڑے چھوٹے حکام تھے سوائے سرکل انسپکٹر کے سب یہ سمجھے ہوئے کہ اب کوئی خاص بات نہیں رہی بسوہ سے چل دیئے اور بلڈانہ تار بھی

دے دیا گیا کہ سب اپنے اپنے کام پر آرہے ہیں۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس نانہ ورہ میں تھے۔ اُن سے ڈی۔سی۔ اور ڈی۔ایس۔ پی کو اطلاع ملی کہ وزیراعظم پنڈت رونی سنگھ شکلا بسوہ تشریف لے آرہے ہیں۔ اس پر ان حکام نے بلدانہ جانے کا پروگرام منسوخ کر دیا۔ پنڈت شکلا اس ضلع کے ممبران اسمبلی کے ساتھ لکھنپور آئے انہوں نے یہاں مقامی کانگریسیوں اور آرہیہ سماجیوں سے گفتگو کی۔ یہ بسوہ ۱۹ مارچ کی صبح کو پہنچے تاکہ متوفی جگدپور کی تعزیت میں شرکت کریں متوفی کا لاشہ وزیراعظم کی آمد کے انتظار میں چلایا نہیں گیا تھا۔ جگدپور اُن کے ارہتی کا جلوس اُسی جگہ سے نکالا گیا جہاں وزیراعظم ٹھہرے ہوئے تھے۔ پنڈت شکلا اب کچھ دن کو نانہ ورہ واپس ہو گئے۔ اور مٹر رادھا کشن اور اُن کی پارٹی کے ساتھ کھانا کھایا۔ یہ لوگ مسلمانان بسوہ کے مسلمہ لیڈر سید اکرام الدین کے زبردست مخالفین میں سے ہیں۔ یہ شام کو پھر کھام گاؤں آئے اور رات کا کھانا اپنے دن کے میزبانوں کے ساتھ کھا کر اُسی روز ابجے رات کو روانہ ہو گئے۔ اپنے مختصر قیام کے وقفہ میں اُنہوں نے ہندوؤں کے لیڈروں مسلمان معززین بسوا کے مخالفوں سرکاری حکام کے علاوہ موضع بسوا کے پیٹل لکشمین سہو بھی جسے مسلمانان بسوہ سے بہت پرانا عناد تھا جس کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہو دیر تک بات چیت کرتے رہے۔ یہ پیٹل دونوں کھانے کے وقت ان کے ساتھ موجود تھا۔

اگرچہ جس علاقہ میں واقعہ ہوا تھا اُس کے تھانے آ
مسلمان افسروں کا بائیکاٹ | ایک مسلمان تھے اور اُس ضلع کے سپرنٹنڈنٹ
 پولیس بھی مسلمان تھے مگر اُن کو تحقیقات میں حصہ نہ لینے دیا گیا۔ تھانے والے کو تو بسوا جانے سے بھی بہ لطائف انجیل روک دیا گیا اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے خلاف وزیراعظم کے پاس شکایتیں پہنچا دی گئیں تحقیقات کا کل کام اُس سرے سے اُس سرے تک خالص ہندو افسروں کے ہاتھ میں رکھا گیا۔ واقعہ کو جس نے

رنگ سے ترتیب دینا تھا۔ اُس کے لئے مشغول تحقیقات ہندو افسروں کو بھی مافی
سمجھ کر ایک سی۔ آئی۔ ڈی افسر مسٹر شرما بھیجے گئے۔ یہ ۲۳ مارچ کو بسوہ پہنچے۔ سرکل انسپکٹر
اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ان سے ملے اور مزید تحقیقات شروع ہوئی۔ ایک اور
ہندو سب انسپکٹر مسٹر بڑے ان کی مدد کے لئے بھیجا گیا۔ ان تمام افسروں، ہندو
لیڈروں اور گاؤں کے پٹیل لکشمین کے درمیان کئی روز تک خوب کھچڑی پکتی
رہی، راز دروین پردہ کی کسے خبر ہو سکتی ہو۔

مسٹر برج لال بیانی کی کارستانی | آرنہیل مسٹر برج لال بیانی جو کونسل آف
اسسٹنٹ کے ممبر اور براہ صوبائی کانگریس کمیٹی

کے صدر ہیں اور اُس صوبائی بورڈ کے بھی ممبر ہیں جس کا کام وزیر اعلیٰ نگرانی رکھنا ہو۔
۲۹ مارچ کو دہلی سے بسوہ پہنچے تاکہ متوفی جگدیو کے اعزاء کو پرسیا دیں۔ انہوں نے
متوفی کے کارناموں کو سراہا اور متوفی کی ایک یادگار قائم کرنے اور اعزاء کی امداد
کرنے کے لئے فنڈنگی اپیل کی۔ انہوں نے متوفی کے قرضہ کو معاف کر دینے کی
درخواست بھی ساہوکار سے کی۔ یہ بسوہ جس وقت آئے تو ملکاپور نامزدہ اور کھام
گاؤں کے بہت سے ہندو جن میں چند بڑے ہی متغنی تھے ان کے ساتھ آئے۔ جگدیو
اور مسٹر بیانی سے تعلقات بڑے گہرے تھے۔ جگدیو راز کانگریس کی مخالفت کرنے کے

بعد مسٹر بیانی ہی کی کوششوں سے کانگریس میں شریک ہوا تھا اور مسٹر بیانی ہی نے
اُسے تعلقہ کانگریس کمیٹی کا صدر اور لوکل بورڈ ملکاپور کا پرسیڈنٹ بنایا تھا۔ مسٹر
بیانی نے بسوہ میں سی۔ آئی۔ ڈی افسر اور دیگر پولیس افسروں سے گفتگو کی۔ اس
کے بعد یہ ناندہ درہ کھام گاؤں میں مزید مشورہ کرتے ہوئے ناگپور چلے گئے۔ رادھا کشن
تو سوال بھی جس کا ذکر آپر آپکا ہو اور مسٹر شکلا کا ان کے مختصر قیام ناندہ درہ میں ان
کا میزبان تھا مسٹر بیانی کے ساتھ ناگپور آئے۔ ناگپور میں ان دونوں نے پنڈت

شکلا۔ پنڈت مصر سے ملاقاتیں کیں۔ کیا باتیں ہوئیں یہ کون بتا سکتا ہے؟
 وزیر اعظم کا زہر ہلایا اور جانبدارانہ بیان | دہلی کے سلسلہ میں تحریک انوار کے مباحثہ

کے موقع پر ۲۳ مارچ ۱۹۳۹ء کو اسمبلی میں قاعدہ کے بالکل خلاف ایک بہت ہی زہریلا اور جانبدارانہ بیان دیا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ وہ بسوہ میں صرف تین گھنٹہ رہے اور ناندوڑ اور کھام گادس کے قیام کو ملا کر بلڈانہ ضلع کے اندر بارہ گھنٹہ ٹھہرے اس وقفہ میں انہوں نے حکام کے علاوہ صرف کانگریسی اور آریہ سماج لیڈروں اور مسلمانوں کے مخالفوں سے گفتگو کی لیکن تحقیقات مکمل ہونے سے پہلے انہوں نے رائے قائم کر لی اور اسمبلی میں یہ بیان دیا کہ (۱) جگدپال کا قتل وحشیانہ اور بزدلانہ تھا (۲) اسے مسلمانوں نے قتل کیا (۳) اس کا قتل پہلے سے طے شدہ سازش کا نتیجہ تھا (۴) اس قتل میں تقریباً پچھتر مسلمانوں نے حصہ لیا۔ وزیر اعظم کے اس تاریخی بیان نے واقعہ کا رُخ بالکل بدل دیا۔ ہر کس و نا کس سمجھ گیا کہ وزیر اعظم کا کیا منشاء ہے اور سرکاری وغیر سرکاری متعصب ہندو پوری آزادی اور حوصلہ کے ساتھ جو عنوانات وزیر اعظم نے قائم کئے تھے۔ اُس کی کڑیوں کو جوڑتے کے لئے ثبوت مہیا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ علاوہ وزیر اعظم کے متعدد کانگریسی اور غیر کانگریسی ہندو ممبروں نے انتہائی منافرت انگیز اور زہریلی تقریریں کیں۔

کینہ پوری اور بربریت کی تکمیل | وزیر اعظم کا سفر بسوہ، کھام اور ہندوستان
 کینہ پوری اور بربریت کی تکمیل | دہلی کے سلسلہ میں تحریک انوار کے مباحثہ
 سفر بسوہ۔ ہندو لیڈروں اور حکام سے سرگوشیاں۔ پھر کیم اپریل کو مشربانی اور راوہا
 سٹیشن تو بیہوش کی وزیر اعظم اور ممبران کے ساتھ کانفرنس سی۔ آئی۔ ڈی افسر مشرب
 کی ۲ مارچ کو بسوہ میں دوبارہ آمد اور مشرب اور انیسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس

کھام گاؤں اور میٹر پٹیل اینڈ نیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو بسوہ بلا کر سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر کی ان بات چیت، یہ سب اُس قیامت خیز ذرا مہ کار پرسل تھا جو مسلمانان بسوہ کے ساتھ اس سرزمین پر پھیلا جانے والا تھا۔ ۶ اپریل ۱۹۳۹ء کو کوڈچی انسپکٹر جنرل پولیس کے اسسٹنٹ مسٹر پریشور دیال تیواری ناگپور سے بسوہ پہنچے۔ سرکل انسپکٹر ملکاپور مسٹر تیواری بھی آئے ضلع بلڈانہ کے مختلف مقامات کھام گاؤں، شید گاؤں، جکب وغیرہ سے بہت سی پولیس ہنکڑیوں کی کافی تعداد کے ساتھ بسوہ بھیجی گئی۔ کھام گاؤں سے ایک اکثر اسسٹنٹ کمشنر کو بھی بسوہ بھیجا گیا۔ چند اور متعدد دہندہ سب انسپکٹر دلوں کو بھی وہاں پہنچ جانے کا حکم ملا۔ اس ساری فوج کے بسوہ پہنچ جانے کے بعد، ۸ اپریل ۱۹۳۹ء کو کانگریس حکومت کی ستم رانی کا ڈرامہ شروع ہوا۔ گاؤں کے تمام راستوں پر پولیس تعینات ہو گئی کہ کوئی مسلمان باہر نہ جاسکے۔ گاؤں کی ساری مسلم آبادی کو پکڑ لیا گیا۔ جمعہ کار و نہ مسلمانوں کی انداز سانی کے لئے بہت ہی موزوں سمجھا گیا۔ ان تمام مسلمانوں کو اپریل کی سخت دھوپ میں صبح سے شام تک کھڑا رکھا گیا۔ کسی کو دن کے وقت کھانا کھانے نہیں دیا گیا۔ ۸ اپریل کو پھر مسلمانوں کو اُسی طرح دھوپ میں صبح سے شام تک کھڑا رکھا گیا۔ واقعہ کے پوری بائیس تیس روز بعد ان مسلمانوں کو مختلف ہندوؤں سے شناخت کرایا گیا۔ ان شناخت کرنے والوں میں بھگتوں کے روز مجروح ہونے والا کوئی ہندو نہ تھا۔ ہمارے مسلمانوں کو بھی پکڑ کر شناخت کے لئے لایا گیا۔ انہیں دن بھر کھینچ کھانے کو نہیں دیا گیا۔ اور ان گیارہ آدمیوں کے علاوہ جو پہلے گرفتار ہو چکے تھے، مزید ایک سو چھیالیس مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں پڑھے۔ جوان۔ کم عمر۔ بیمار اور معذور۔ سب ہی تھے۔

ان نفع بخشاؤں پر ۱۵ مسلمانوں کو رات کے وقت مقامی کانگریسی کالی کوٹھری اسکول کے کمرے میں جس کا رقبہ ۳۰ x ۲۰ فٹ تھا لٹایا گیا

رات کو بھی انہیں کھانے کو نہیں دیا گیا۔ اور نہ رشتہ داروں کو دیکھا گیا اس گرمی کے موسم میں
 بھڑکھوکا پیاسا رکھ کر رات کو بھی بلا دانہ پانی رکھا گیا اور سانس ٹھٹھنے والی کو ٹھری میں بند کر دینے
 گئے۔ بارہ بجے رات سے اسی کو ٹھری میں انہیں تنکڑیاں پہنائی جانے لگیں اور جب تنکڑیاں ختم
 ہو گئیں تو انہیں جانوروں کی طرح رستی سے باندھ کر چھوڑ دیا گیا۔ کتا کتے کی حکومت نے تو پوری
 کوشش کی کہ فرضی کالی کو ٹھری کو مقابلہ میں واقعی کالی کو ٹھری بسہ ایس قائم کر دی مگر ان
 کی سخت جانی نے یہ مراد پوری نہ ہونے دی۔ انہیں ۹ اپریل کی صبح کو ہلکا پورہ لایا گیا اور ہلکا پورہ
 موٹو لاری میں جانوروں کی طرح بھر کر لے جایا گیا۔ انہیں چھپتیس گھنٹہ جھوکا پیاسا رہنے کے بعد ٹڈانہ
 میں رات کے وقت ڈپٹی کمشنر اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے سامنے کھانے کو بلا ۱۴ اپریل
 ۳۰ مسلمان کولاری میں بھر کر کو لاجیل میں بھیجا گیا۔

سنگھ لی اور بے رحمی کی انتہا | ۸ مارچ ۱۹۷۱ء کی شامت کے موقع پر بعض ہندو مسلمان
 دھوپ کی شدت سے ٹڈ ہال ہو گئے اور چکر آنے کے باعث انہیں متلی پر تنکڑیاں آنے لگیں۔ مگر
 انہیں اسی طرح کٹے رہنے پر مجبور کیا گیا۔ دھوپ کی شدت گرمی کا موسم اور اس پر سورج کی
 تازت میں بارہ گھنٹے کھڑی رہنا ظاہر ہو کر پیاس بہت لگے گی۔ مگر بے رحموں نے حسب ضرورت
 پانی دینے سے بھی انکار کیا اور جو کوئی اس کی درخواست کرتا اس کو دھت جو آب سنسنا پڑتا۔ ایک شخص
 کریم خان جہت بہار تھا اسے بھی پکڑ کر لایا گیا مگر شدت حالات کے باعث وہ دل نہیں سکھاتا تھا اسے
 وہیں پر چھوڑ دیا گیا۔ اس کے چار رشتہ داروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے گھر میں کوئی مرد نہ رہ گیا
 ان صدات کی تاب نہ لا کر یہ غریب ۱۱ اپریل ۱۹۷۱ء کو جنت سدھا رہ گیا۔ ایک بوہ ضعیفہ بکری
 جوان لڑکا اس ہنگامہ خیز حالات میں گرفتار کیا گیا مارے صدموں کے ۱۴ اپریل کو دنیا سے رخصت
 ہو گئی۔ ایک منہارن ۹ اپریل کی صبح کو جبکہ ان بے گناہوں کو ہلکا پورے جانے کی تیاریاں
 جاری تھیں اپنے داماد کے لئے روٹی لانی کیوں کہ گذشتہ چوبیس گھنٹہ سے وہ بھوکا تھا اسے روٹی
 نہ دینے دیا گیا اس کے اہل راء اور التجا کرنے پر ایک ہنڈ افسر نے کہا کہ وجہ عکس پر حملہ ہوا تھا تب

تو کہاں تھی؟ اسے ہمارا راج ہے، ایسے دشمنانہ مظالم کی مثال کوئی متقدم حکومت پیش کرنے سے بالکل قاصر ہے۔ مگر ہم جھوٹے ہیں اور حکومتیں انسانی یا شیطان کی حکومتیں ہیں، اور یہ واقعہ ہمسا اور صداقت کی حکومت کا زندہ جاوید کا نام ہے۔

بے گناہوں کے بڑے حصہ کی رہائی | اس واقعہ نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں میں غم و غصہ اور نفرت کی لہر دوڑادی۔ ہر جگہ احتجاجی جلسہ اور نفرت کی تجویز منظور ہوئی حکومت نے یہ محسوس کیا کہ اتنی بڑی تعداد کے ملزم بنانے سے مقدمہ بالکل ہی کمزور ہو جائے گا اور گواہ کبھی اتنے زیادہ آدمیوں کو عدالت میں ٹھیک طور پر نہ پہچان سکیں گے۔ کیبنہ پروری اور انتقام پسندی کی پالیسی کو انہیں بھوکا پیاسا رکھ کر جانوروں کی طرح سلوک کرنے سے سبوں میں باندھ کر اور ایک ماہ سے زائد جیل میں بند کر کے ایک گرنہ تسکین دی جا چکی تھی۔ اس لئے ایک سو ستاون گرفتار شدہ مسلمانوں میں سے ایک سو چودہ مسلمانوں کو ہر طرح کی ایذا پہنچانے اور ایک ماہ سے زائد جیل میں رکھنے کے بعد رہا کر دیا گیا۔ یہ ثابت ہو گیا کہ کم از کم یہ ایک سو چودہ ضرور بے گناہ تھے اور انہیں جو ستم پہنچے پڑے اس کی سیاسی سسے کا نگرانی حکومت کی پیشانی ہمیشہ داغدار رہی گی۔ اس کے بعد ۳۴ مسلمانوں کا متعدد دفعات کے تحت جس میں قتل، ضرب و رسانی، بلوہ، سازش، بھیجی کچھ ہی چالان کیا گیا۔ پولیس نے استغاثہ کی طرف سے چھ نسل گواہ پیش کئے۔ عدالت ماتحت نے تمام ملزمین کو سیشن سپرد کر دیا۔

ستم بالا کے ستم کا نگرانی وزیر اور اصحاب اختیار کی آتش انتقام گاؤں کے تمام مسلمانوں کو جسمانی ایذا پہنچانے اور کثیر تعداد کو جیل بھیج دینے سے سہرو نہ ہوئی۔ بلکہ تمام کام کرنے والوں اور کمانے والوں کو جیل میں بھیجنے کے بعد حکومت نے سب سے تعزیری پولیس تعینات کر دی اور اس کے خرچ کا سارا بار کئی ہزار روپیہ سالانہ کا صرف مسلمانوں پر ڈالا گیا اور ان کی دھولی کے لئے وازنٹ جاری کئے گئے ان کی جائداد، مکان اور جس کے پاس یہ نہ ہو اس کا اثاثہ ضبط کر کے خربا میں داخل کیا جا کر۔ کانگریسی راج میں مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کا تو قہرستانہ اور فیاضانہ سلوک ہوا ہے

ڈیڑھ سو آدمیوں کے گرفتار ہونے کے بعد چور تھیں سچے بستی میں رہ گئے اُن پر ایک ماہ سے زائد کی مدت میں کیا گذری ہوگی فتح کے نشہ میں سرشار ہندوؤں نے مذاق و تمسخر اور استہزاء کو ان کے دلوں کو کتنا چھلنی کیا ہوگا اس کی دردناک تفصیل لکھنے کی بجائے قیاس کر لی جاسکتی ہے کیا ان تمام اخفات کے جاننے کے بعد یہ کہنا ہے جاہلوں کا کہ نہ لعنت ہو ایسی جماعت پر اور ٹھیکار ہے ایسی حکومت پر؟ اس کا ختم ہو جانا انسانیت کے لئے باعث نجات ہے۔

سیشن کا فیصلہ | سیشن جج ناگپور نے سماعت کے بعد ۳۴ ماخوذین میں سو چھ مسلمانوں کو چھانسی چوبیس کو جس دھام اور ایک کو سنوارہ و پیہ برمانہ کی سترادی۔ بقیہ کو بری کر دیا یا فاضل سیشن جج نے اس کا مطلق خیال نہیں کیا کہ گواہ کیسے ہیں سچے یا جھوٹے۔ بلکہ فیصلہ میں صرف یہ اصول رکھا کہ اتنے آدمیوں نے فلاں فلاں کو پھانا لہذا یہ مجرم ہو۔ مسلمانوں کو ایسی سنگین سزائیں دینے کے باوجود کانگریسی وزارت کی ماتحت پولیس اور حکام کے طرز عمل پر یکہمت چینی کرتے ہوئے فاضل سیشن جج اپنا قلم نہ روک سکو چنانچہ ”بسوہ کی کالی کوٹھری“ کا تذکرہ کرتے ہوئے فیصلہ میں لکھا ہے کہ ”یہ وحیانہ سلوک نازی جرمنی میں قابل عمل ہوتا ہو مہذب برطانوی حکومت کے سامنے یہ ایسا کیا جانا محکمہ انتظام کے لئے ایک نہایت ہی بدعنوانی ہے“ فیصلہ میں آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہندو ایسروں کے راستے دیکھیں فرقہ پرستانہ دشمنیت سے کام لیا ہے۔

ہائیکورٹ پل پل | ہائیکورٹ نے ہر اس فیصلہ کے خلاف اپیل کی گئی مقدمہ کی پیروی کے لئے نواب محمد علی خاں صاحب کی کوششوں کی بدولت مسٹر قاسم علامہ الدین سوگھی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ جی بار ایٹا لا بمبئی کی خدمات کے حوالہ کی گئیں۔ اپیل کی استغنا ناگپور کے ہائیکورٹ کے چیف جسٹس سر گبرٹ اسٹوڈلی اور مسٹر جسٹس جیمز وین پوس کے سامنے شائع ہوئی۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی جس وقت یہ مقدمہ ہائیکورٹ میں پہنچا گا نگریسی وزارت حکومت کو خیر باد کہہ چکی تھی اور ایڈوکیٹ جنرل کانگریسی حکومت کے نامزد کردہ نہ تھے۔ مسٹر سوگی کی پانچ رو کی ابتدائی بحث کے بعد مسٹر اسٹوڈلی ایڈوکیٹ جنرل نے عدالت کے سامنے یہ بیان دیا

کریسل کے مطابق کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان اکتیس ملزموں میں سوائس کے خلاف سازش قتل و بلوہ کا جرم ثابت نہیں ہو۔ عدالت کا وقت ضائع نہ ہو اس لئے میں پہلے ہی اس بات کی وضاحت کر دیتا ہوں کہ میں ان اکتیس ماخوذین کے خلاف جرم کے مرتکب ہونے کے متعلق زور نہیں دوں گا۔ ان اکتیس میں ایک ملزم وہ بھی تھا جس کو صرف سو روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی تھی اور ضمانت پر رہا تھا۔ بقیہ اٹھارہ میں سے ایک کو بھانسی اور سترہ کو جس دوام کی سزائیں ہوئی تھیں۔ ایڈووکیٹ جنرل کے اس بیان کے بعد مسٹر موچی نے عدالت سے یہ درخواست کی ان اکتیس ملزمین کو ضمانت پر رہا کر دیا جاتا چاہیے۔

عارضی فیصلہ | چنانچہ عدالت نے ایک عارضی فیصلے کے ذریعہ ان اکتیس ماخوذین کو ضمانت پر رہا کئے جانے کا حکم صادر کیا یہ حکم مسٹر جسٹس بوس نے لکھا جس سے چیف جسٹس نے اتفاق کیا۔ فاضل ججوں نے اس حکم میں تحریر کیا کہ ”اپیل کی سماعت کے ابتدائی دنوں ہی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ بہت سے ملزمین کے خلاف جرم کے ثبوت کا دار مدار نہ باہمی سازش کے لڑو دستوں پر ہے۔ یہ بات صاف ہو گئی ہے کہ اس مضبوطی کا وجود ثابت نہیں۔ ایڈووکیٹ جنرل نے مجلس دہلائی شاندار روایات کی جو پیروی کرتے ہوئے اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ اس لئے ان ملزمین کو جن کے خلاف ایڈووکیٹ جنرل نے جرم کو مشکوک مان لیا ہے جیل میں رکھنا مناسب نہیں بنا بریں انہیں ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ قانون سے واقف حضرات اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھیں گے کہ ”باہمی سازش“ کے کھڑک کے منہ ہو جاتے کے سبب مقدمہ کی ادھی جان نکل گئی کیونکہ ”باہمی سازش“ ہی کی بدولت ایک قتل کے متعدد شرک ملزمین کو خواہ قتل کرنے والا ایک ہی کیوں نہ ہو مشترک ذمہ داری کے طور پر قاتل ہی کی سزا دی جاتی ہے سازش کا وجود حقیقتاً تو تھا نہیں۔ اگر باب کانگریس نے متعدد مسلمانوں کو سنگین سزائیں دلائے کے لئے یہ جواز بچھا یا تھا آدرا انصاف پسند فضا میں بے پناہ جھوٹی شہادتوں کے باوجود اس بڑی ثبوت کا تار پود کھیر کر رہ گیا۔

عدالت عالیہ کا فیصلہ | اس روز اپیل کی سماعت کو بعد ۲ بجے ۱۵ منٹ کو عدالت عالیہ نے اس تاریخ کی مقدمہ میں اپنا تاریخی فیصلہ سنایا اور تمام ماخوذین کو بے دخل کر دیا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ عدالتی فیصلوں میں صرف انہیں ہدایت کی جاتی ہے جو مسلسل میں درج ہوں اور جن کے متعلق شہادت اور ثبوت موجود ہوں ضمنی اور خارجہ جی افہام خواہ ان کے متعلق قیاس کتنا ہی صحیح اور دقیق کیوں نہ ہو نظر انداز کئے جاتے ہیں، مائیکوٹ کی حج عدالت عالیہ اور اپنی ذرا در شان کے یہ نظر اس اصول کی پابندی بہت سختی کے ساتھ کرتے ہیں اور فیصلے کے الفاظ کی استعمال میں بہت زیادہ محتاط ہوتے ہیں لیکن فیصلہ کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے میں اسطور میں مخفی مفہوم کو بھی ذہن نشین کرنے سے صورت حال کا صحیح اور مکمل اندازہ ہوتا ہے اس تاریخی مقدمہ میں ہر دو جموں نے متفقہ مگر علیحدہ علیحدہ طویل فیصلہ لکھا ہے اس میں سو چند ضروری اقتباسات دئے جاتے ہیں تاکہ اس مقدمہ کی تفصیلات کے متعلق فاضل جموں کی رائے اور تاثرات کا اندازہ ہو سکے۔

چیف جسٹس کے ارشادات | سرگلیٹ اسٹون چیف جسٹس ناگپور مائیکوٹ نے فیصلہ (پچوں کی دروغ بیانی) کی ابتداء ان الفاظ سے کی ہے: "یہ ایک اندوہ ناک

مقدمہ ہے۔ یہ تعریف صحیح ثابت ہوتی ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مقدمہ میں ۲۲ آدمی قتل کے الزام میں ماخوذ ہیں اور ایسے گواہ جن کی شہادتیں جھوٹی بنائی ہوئی یا سکھائی ہوئی ہیں یا کچھ دیگر گواہ شہادت دینے کو چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سو سات گواہ ایسے ہیں جو کم عمر یا بچے ہیں جنہیں جھوٹی شہادت دینے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ ایسے مقدمہ میں جھوٹی شہادت دینا سکھائی ہوئی شہادتوں کی بنا پر آدمیوں کو شناخت کرنا یہ بتانا ہے کہ گواہ یا اس کا سکھانے والا۔ دوسرے انسان کو پچالسی پر چڑھانے کے لئے بلا اس خیال کے کہ یہ انسان قصور وار ہے یا نہیں اپنی تمام کوششیں صرف کر رہا ہے۔ انسانی اطوار کی پستی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے مخالف کی جان لینے کی کوشش بچوں کی زبان سے دروغ حلفی کے ذریعہ کی جائے؟"

اسمبلی کا مباحثہ | چند ہی سطر آگے چل کر حج موصوف لکھتے ہیں:۔
(وزیراعظم کا اشارہ)

”۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء کو بلوہ میں مسلمانوں کی مسجد کے سامنے یاقرب چاند منٹ کے لڑے ایک ہنگامہ ہوا جس میں متعدد ہندو اور مسلمان زخمی ہوئے اور ایک ہندو ان زخمیوں کے صدر سے جو اسے لگے تھے بعد میں قتل کر گیا۔ ۲۰ مارچ کو صوبائی اسمبلی میں تحریک انکوائری پیش کی گئی اس کے مباحثہ میں اکثر ارکان نے ایسی تقریریں کیں گو یا یہ قطعیت کے ساتھ معلوم ہو چکا ہے کہ کس مجرم کا ارتکاب کیا گیا ہے، اور جہاں تک ایک ممبر کا تعلق ہے انہوں نے اشارہ کیا کہ کس شخص نے قتل کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس مباحثہ میں اس وقت کے وزیر اعظم نے بھی دو قتل کا لفظ استعمال کرنے اور یہ ظاہر کرنے میں کہ یہ واقعہ بلوہ کا نہیں ہے بلکہ قتل کی ایک ایسی گھری سازش ہے جس پر پوری طرح عمل کیا گیا کوئی باک محسوس نہ کی“

ایڈووکیٹ جنرل کی انصاف پسندی | اپیل کی سماعت کا تذکرہ کرتے ہوئے

جج موصوف نے لکھا ہے :-

”اپیل کی سماعت کو پانچ دن ہوئے تھے کہ سرکار ہی وکیل نے انیس ملازمین کے متعلق ہاتھ اٹھالیا اور سماعت کو سات دن نہ ہونے پائے تھے کہ یہ ظاہر ہو گیا کہ سوائے تین ملازمین کے بقیہ کے خلاف مجرم قرار دینے کے متعلق زور نہیں دیا جاسکتا“

چند سطور آگے لکھتے ہیں :-

”یہ نہ سمجھا جائے کہ فاضل ایڈووکیٹ جنرل نے یہ وسیع رعایتیں کرنے میں کوئی ایسی بات کی ہے جو مفقہہ کے حالات کے لحاظ سے صحیح اور مناسب ہونے کے خلاف ہو واقعہ یہ ہے کہ ایڈووکیٹ جنرل نے ہمت اور اصول پروری سے کام لیا ہے۔ میں یہ اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ نہ صرف ان بے گناہوں کے مفاد کے لحاظ جو اس عدالت کے سامنے پیش کئے گئے ہیں بلکہ ایڈووکیٹ جنرل کے مفاد کے لئے بھی پیش کر دہ ثبوت کے ترتیب و تجزیہ کے ذریعہ یہ بتاؤں کہ ایڈووکیٹ نے جو اپنی رعایت کی ہے اس کے لئے وہ بالکل

مجبور تھے۔

حکومت اور مسلمانوں کی تعلیم

حکومت اور مسلمانوں کی تعلیم

اس عنوان کو تین حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ ابتدائی تعلیم ۲۔ ثانوی تعلیم اور ۳۔ اعلیٰ تعلیم

صوبہ میں کانگریسی وزارت کے برسر اقتدار آتے ہی، اُس کے وزیر تعلیم مسٹر روی شنکر سنگھ نے دو یا مندر کے نام سے ابتدائی تعلیم کی بقول خود ایک مفید اسکیم پیش کی۔ یہ مسلمانوں کی بدقسمتی تھی کہ وہ اس اسکیم سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ دو یا مندر اسکیم صرف دیہاتی علاقوں کے لئے اختراع کی گئی تھی، اور کسی گاؤں میں ایک دو یا مندر کے قیام کے لئے دو شرطیں رکھی گئی تھیں۔ اول یہ کہ کوئی صاحب دل اس دو یا مندر کے خرچ کے لئے اس گاؤں میں اتنی زمین وقف کرے، جس سے سال میں کم سے کم دو سو روپیہ کی آمدنی ہو سکے۔ دوم یہ کہ اُسی گاؤں یا اس کے آس پاس ایک میل کے اندر کم سے کم چالیس قابل تعلیم لڑکے لڑکیاں فراہم ہو سکیں۔ اوقات کے ملنے پر الگ الگ مہڑی، ہندی اور اردو دو یا مندر کھولنے کی تجویز کی گئی تھی۔

صوبہ کے مسلمانوں میں اس اسکیم، اُس کے نام اور اس کی تفصیلات کے خلاف بے حد برہمی اور سخت ناراضی پیدا ہوئی مسلمانوں کے اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

- ۱۔ دو یا مندر فرقہ دارانہ نام ہے۔
- ۲۔ دیہات میں مسلمانوں کی آبادی اس قدر کم ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان کسی گاؤں میں زمین وقف کرنے کے لئے بھی تیار ہو جائے تو اس گاؤں یا اُس کے آس پاس ایک میل کے اندر چالیس اردو پڑھنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کا فراہم ہونا غیر ممکن ہو گا۔
- ۳۔ مشن نمبر کے مطابق گاؤں کے دو چار بادشاہ بنیں مسلمان لڑکوں لڑکیوں

کو مجبوراً مرہٹی یا ہندو ہی دیا مندر میں داخل ہونا پڑے گا اور ان میں تبدیلی
تعلیم غیرادری زبان اور کیسے غیر اسلامی ماحول میں حاصل کرنی ہوگی۔ یہاں
یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ صورتِ متوسطہ ہمارے مسلمانوں کی مادری زبان خواہ
وہ شہری ہوں یا دیہاتی صرف اردو ہے۔

۴۔ دویا مندر اسکیم کے نصابِ تعلیم بنانے کے لئے حکومت نے جو کمیٹی مقرر کی اس
میں صورتِ کا کوئی مسلمان نہیں لیا گیا۔

حکومت نے اسکیم کو غیر فرقہ دارانہ ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے دلائل
پیش کئے اور عجیب و غریب تاویلیں کیں۔ اُن کے دلائل اور تاویلیں کہاں تک درست
ہیں، اس کا اندازہ دویا مندر اسکیم مطبوعہ گورنمنٹ پریس ناگپور کے ذیل کے جواں
سے کیا جائے۔

اس نام میں ایک سو زیادہ شیشیں موجود ہیں۔ دیہات میں ننانوے فی صدی کے لہو
یہ نام رُوحانی ولولہ پیدا کرے گا۔ اور امید کی جاتی ہو کہ یہ نام اُن کے سخی اور مخیر
طبائع کو اپیل کرے گا۔

حیرت ہو کہ بار بار کے تقاضوں کے باوجود نہ مسٹر شکلا اسکیم کے مصنف اور نہ کانگریس
ہالی کمانڈ کے کسی بڑے سب سے بڑے مولانا نے نام کی کششوں، ننانوے فی صدی کی عایت
رُوحانی ولولہ اور سخی و مخیر طبائع کو اپیل کرنے کا رازہ بتایا۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی کچھ کم دلچسپ نہیں کہ اگرچہ گاندھی جی اور مسٹر ہما ش چندر
بوس کو جو اس وقت کانگریس کے صدر تھے، دویا مندر اسکیم کے قابلِ اعتراض پہلوؤں
کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی اور دونوں صاحبوں نے اعتراضات کی معقولیت کو بھی تسلیم
کر لیا، لیکن دویا مندر اسکیم اٹل رہی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی جو آل انڈیا کانگریس
کمیٹی کی مجلسِ عالمہ کے رکن ہیں ناگپور کے چند کانگریسی مسلمانوں کے تارکے جواب میں ایک

تاریخچہ جس میں موصوف نے تسلیم کیا ہے کہ ”دو یا مذہب نام فرقہ دارانہ ہو“ مولانا کا یہ تاثر ناگوار کے مشابہ انگریزی اخبار ہندو اد میں چھپ چکا ہے۔ اس اعتراض جرم کے باوجود دو یا مذہب نام کا باقی رہنا، اگر دینا کا آٹھواں عجوبہ نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک نکتہ | مسٹر شکلا نے اپنی مطبوعہ اسکیم میں یہ تسلیم کیا تھا کہ سارے دو یا مندروں میں تعلیم مادری زبان کے ذریعہ دی جائے گی۔ خود ان ہی کے قول کے مطابق جب بعض مسلمانوں نے جن میں اکثریت کانگریسیوں کی تھی، ان سے یہ مطالبہ کیا کہ اردو دو یا مندروں کے کھولنے کے بجائے مرہٹی اور ہندی دو یا مندروں میں مسلمان بچوں کی تعلیم کا انتظام ان کی مادری زبان اردو کے ذریعہ کیا جائے تو مسٹر شکلا کو عجیب لاشانی لاحق ہوئی۔ اس نئی افتاد سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ۱۲ ستمبر ۱۹۳۸ء کو ایک سرکاری بیان نکالا گیا، جس میں مادری زبان کی تشریح ان لفظوں میں کی گئی:۔

”مادری زبان سے مراد اس علاقہ کی اکثریت کی زبان ہے۔ جہاں اسکول واقع ہو۔ ان جہلوں کو پڑھنے کے بعد بھی کیا یہ ثابت کرنے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ کانگریسی اپنی اکثریت کے بل پر اپنی ہر چیز اقلیت سے بزور منوانا چاہتی ہے۔ اسے مسلمانوں کے جداگانہ وجود اور ان کی مادری زبان فرض کہہ ہر چیز سے انکار ہے۔“

مادری زبان کی اس نئی تشریح کے بعد صوبہ کے آٹھ لاکھ مسلمانوں کو اپنی مادری زبان کا وجود خطرہ میں نظر آیا۔ کیوں کہ صوبہ کے کسی علاقہ میں ان کی اکثریت نہیں شکلا جی کی اس نئی تفسیر سے مسلمانوں میں کس حد تک اضطراب پھیلا۔ اس کا اندازہ مسٹر محب الحق کی اس تحریک التواء سے کیا جاسکتا ہے، جو انھوں نے مادری زبان کی اس نئی تفسیر کے متعلق صوبہ کی لیجسلیٹو اسمبلی میں پیش کی۔ ایک کے سوا مجلس قانون ساز کے سارے مسلمان ممبروں نے محب الحق صاحب کے خیالات کی تائید کی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بعض انصاف پسند ہندوؤں نے بھی شکلا جی کی نئی اوج کے خلاف سختی

سے نکتہ چینی کی چنانچہ مسٹر رگھو دند راؤ سابق رکن مجلس قانون ساز صوبہ متوسط و برادر اور حال مشیر سکریٹری آف اسٹیشن فار انڈیا (لندن) نے اس سلسلہ میں جو تقریر کی اس کے بعض جملہ درج ذیل ہیں :-

”انڈین نیشنل کانگریس نے اقلیتوں کو ان کی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دینے کا اعلان کیا ہے، لیکن موجودہ حکومت انڈین نیشنل کانگریس کی اس پالیسی کے خلاف اقلیتوں کو اس زبان کے ذریعہ تعلیم دینا چاہتی ہے جو اس علاقہ کی اکثریت کی زبان ہے جہاں وہ بستی ہیں۔ یہ کیونکہ اقلیتوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے حق سے محروم کرتا ہے اور انھیں علاقہ کی اکثریت کی زبان کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کرتا ہے۔“ اس ضمن میں مسٹر افتخار علی ایم۔ ایل۔ اسے جیلپیئر نے تقریر کرتے ہوئے ثابت کیا کہ وردھا اسکیم میں بھی جس کی بنا پر دو یا مندر اسکیم کا نصاب تعلیم تیار کیا گیا ہے۔ مادری زبان سے طالب علم کی مادری زبان مراد لی گئی ہے۔ نہ کہ علاقہ کی اکثریت کی مادری زبان تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کارروائی مجلس قانون ساز صوبہ متوسط و برادر مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۵۵-۶۰ اور ۱۳۹-۱۴۴۔ مطبوعہ گورنمنٹ پریس ناگپور۔

مسٹر محبوب الحق، مسٹر افتخار علی اور مسٹر رگھو دند راؤ کی مدلل تقریروں کے بعد بھی اسمبلی کے صدر مسٹر گفتاشام داس گپتا کی سمجھ میں یہ بات نہ آ سکی کہ حکومت نے مادری زبان کی تشریح کرنے میں انڈین نیشنل کانگریس، وردھا اسکیم اور دو یا مندر اسکیم کی پالیسی سے بے جا اور خطرناک گریز کیا ہے، چنانچہ آپ نے تحریک التواء کو پیش کرنے اور اس پر بحث کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس پر اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی کے سارے رکن سی۔ عبدالرؤف شاہ صاحب کی قیادت میں واک آؤٹ کر کے مسلم لیگ پارٹی کے ممبروں کے ساتھ ٹریڈ یونین کے برہمن نمائندے مسٹر جی، ایس پانگے نے بھی واک آؤٹ کیا۔

مختصر یہ کہ دو یامندر اسکیم اور ۱۲ ستمبر ۱۹۳۸ء کے حکومت کے سرکاری بیان کے خلاف جس میں مادری زبان کی تشریح اس عجیب انداز پر کی گئی کہ اقلیتوں کی مادری زبان کا وجود ہی غنقا ہو گیا، صوبہ کے مسلمانوں نے مسینوں اور مسلسل احتجاجات کئے، حکومت کو متاثر کرنے کے لئے ہر ممکن آئینی جدوجہد کی گئی اور آخر میں سول مافرائی بھی کی گئی، لیکن حکومت شس سو مس نہ ہوئی اور آخر تک اپنی چند پر آٹھ سی رہی۔ ذیل میں مختصر طور پر ان تمام کوششوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جو وقتاً فوقتاً دو یامندر اسکیم کے خلاف عمل میں لائی جاتی ہیں۔

۱۔ ابھی دو یامندر اسکیم سرکاری طور پر تسلیم نہ کی گئی تھی، لیکن اسکیم کے مصنف مشٹر شکلا نے جو اس وقت وزیر تعلیم تھے جگہ جگہ اس کا پرچار شروع کر دیا تھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر انجمن ترقی اردو ناگپور نے جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نیری سیکرٹری انجمن ترقی اردو دہند کو ناگپور آسنے کی دعوت دی۔ موصوف نے ۲۴ ستمبر ۱۹۳۸ء کو ایک وزیر کے ساتھ جو آپ کے علاوہ نواب محی الدین خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے ناگپور اور جناب خاں بہادر حافظ محمد ولایت اللہ ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر مشنل نظام مشٹر شکلا سے ان کے دولت خانہ پر مجوزہ دو یامندر اسکیم اور ابتدائی تعلیم کے متعلق تبادلہ خیالات کیا۔ اس وفد نے صریح لفظوں میں مطالبہ کیا کہ دو یامندر اسکیم ہو یا ابتدائی تعلیم کی کوئی اور اسکیم بہر حال اردو کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

۲۔ دو یامندر اسکیم کے چھپنے کے بعد ہی ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء کو انجمن ترقی اردو ناگپور کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا۔ اسکیم کے نام اور اس کی بعض تجویزوں سے شدید اختلاف ظاہر کیا گیا۔ وزیر تعلیم کو بھی اس کی اطلاع دی گئی۔

۳۔ اس کے بعد انجمن ترقی اردو ناگپور کے رکن حکیم اسرار احمد نے سابق وزیر قیادون مشٹر یوسف شریف کی معیت میں گاندھی جی سے ٹیگاؤں میں ملاقات کی۔ ایک گھنٹہ کی بحث و تمحیص کے بعد گاندھی جی نے تسلیم کیا کہ دو یامندر نام بعض حیثیت

سے قابل اعتراض ہی۔ اس کے بجائے دو یا تھہ یا پانچ سالہ زیادہ موزوں ہوگا۔

۳۔ ہری پورہ کی کانگریس کے ۱۹۳۸ء سالانہ اجلاس سے واپسی پر مسٹر سوبھاش چندر

بوس ناگیو ز شریف لائے۔ ناگیو کی مسلم ماس کنگڈم کمیٹی کا ایک وفد مسٹر ساروے کی

صدارت میں مسٹر مھر کے بنگلہ پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد نے دو یا مندر

نام اور اسکیم کے خلاف جو اعتراضات پیش کئے مسٹر بوس نے انہیں تسلیم کرتے

ہوئے وعدہ کیا کہ وہ گاندھی جی سے مل کر اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کریں گے

۵۔ دو یا مندر نصاب کمیٹی کے سامنے بھی انجن ترقی آور دو ناگیو کے ایک وفد نے

حکیم اسرار احمد صاحب کی قیادت میں ۱۳ مارچ ۱۹۳۸ء ۱۰ بجے صبح ناگیو

سیکرٹریٹ میں دو یا مندر اسکیم کے خلاف تحریری بیان پیش کیا۔

۶۔ ۱۹۳۸ء کے بجٹ سیشن میں جب حکومت نے دو یا مندر اسکیم کے لئے دو

لاکھ روپیہ کا مطالبہ پیش کیا، تو نہ صرف مسلمان ممبروں بلکہ متعدد انصاف پسند

ہندوؤں نے بھی جن میں راؤ بہادر مسٹر راجو رکرا دی مسٹر جی۔ ایس پانگے قابل

ذکر ہیں، اسکیم نہ کر کے خلاف سخت مکتہ چینی کی۔ ویسی عیسائیوں کے نمائندے

ریورنڈ راجرس نے اسکیم سے ایک حد تک اتفاق کرتے ہوئے بھی حکومت سے

اپیل کی کہ جب مسلمانوں کو دو یا مندر نام پر سخت اعتراض ہو تو کہیں دو یا مندر نام

میں اختیار کیا جائے۔

۷۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۸ء کو صوبہ بنارس میں ایک اور کے اکثر مقامات پر ایٹمی دو یا مندر ڈس

مشایا گیا۔ شہر قی اور ضلع مسلم لیگوں کے تحت میں احتجاجی جلسے ہوئے اور سیاہ

جھنڈوں کے ساتھ جلوس نکائے گئے۔ ہر جگہ دو یا مندر اسکیم کے خلاف تجویز

پاس کی گئی۔

۸۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۸ء کو ناگیو را اور صوبہ کے بیس ہزار مسلمانوں نے سیاہ جھنڈوں کا

جلوس نکالا اور ناگپور اسمبلی ہاؤس کے سامنے دو یا مندر اسکیم کے خلاف مظاہرہ کیا۔
 ۹۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۳۸ء کو مظاہرین کے ایک وفد نے جناب خالصا صاحب عبدالرحمن خاں صاحب
 کی سرکردگی میں مسٹر شکلا سے ان کے بنگلہ پر ملاقات کی اور دو یا مندر اسکیم سے
 بنزاری کا اظہار کرتے ہوئے اردو اور مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق ایک تحریری
 یادداشت پیش کی۔

۱۰۔ دو یا مندر اسکیم کے خلاف تحریکات کا دائرہ صوبہ متوسطہ برابر تک ہی محدود نہ تھا
 بلکہ جس طرح برائے مسلم ایجوکیشن کانفرنس اور نیشنلسٹ مسلم کانفرنس کے اجلاسوں
 انجمن ترقی اُردو کی شاخوں اور صوبہ کی مسلم لیگ کی مجلسوں کے مختلف اوقات
 میں اور مختلف طریقوں سے اپنی شکایات اور مطالبات کو پیش کیا، اسی طرح بیرون
 صوبہ کی بڑی بڑی انجمنوں حتیٰ کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس اور آل انڈیا
 مسلم لیگ نے بھی اس اسکیم کے خلاف تجویزیں پاس کیں۔

۱۱۔ ڈاکٹر مودی عبدالحق صاحب آنریری سیکرٹری انجمن ترقی اُردو ہند نے ”مسلمان
 اور دو یا مندر اسکیم“ کے عنوان سے گاندھی جی کے نام ایک کھلی کھچی لکھی جس میں
 دو یا مندر اسکیم کے نقائص اور اس سے مسلمانوں کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے
 ان سے اپیل کی کہ وہ اپنے اثرات کو کام میں لاتے ہوئے شکلا جی کو سمجھا بھگا کر

اس اختلافی اسکیم کو درست کرانے کی کوشش فرمائیں

۱۲۔ جب ڈیڑھ سال کے مسلسل ایچیٹیشن کے بعد شکلا جی اور ان کی حکومت نے
 سوس نہ ہوئی، تو صوبہ متوسطہ و برار کے مسلمانوں نے مجبور ہو کر اسی حربہ کو
 ہاتھ میں لیا جو خود کانگریس کی ایجاد ہو، یعنی ۲۶ جنوری ۱۹۳۹ء کو انہوں نے
 خان بہادر نواب صدیق علی خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے (مرکزی) کی قیادت میں
 سول سیکرٹریٹ ناگپور کے سامنے قانون شکنی کا آغاز کر دیا۔ آخر ۲۸ فروری

۱۹۳۹ء کو نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب آنریری سیکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ کی موجودگی میں صوبہ کے مسلم اراکین اسمبلی اور مسٹر شکلا وزیر اعظم صوبہ متوسطہ برار کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، اور قانون شکنی بند کر دی گئی۔

قبل اس کے کہ اس معاہدہ پر بحث کی جائے۔ یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دو یا مندر اسکیم کے خلاف مسلمانوں نے ڈیڑھ سال تک جو آپسی کشمکش کیا، اس کی غرض و غایت اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ دو یا مندر نام بدل دیا جائے، اور اسکیم اور اس کے نصاب میں اس طرح ترمیم کر دی جائے کہ مسلمان بچوں کو ان کی مادری زبان اور دو کے ذریعہ تعلیم دی جاسکے۔ صوبہ کی کانگریسی حکومت نے جو بقول خود نیشنلزم کی ٹھیکہ دار تھی، کبھی اس جائز اور معقول مطالبہ کی طرف توجہ نہ کی، اور حسب قانون شکنی کی وجہ سے پانی سر سے اونچا ہو گیا تو وہ ایک ایسے معاہدہ پر رضامند ہوئی، جس کے رد سے ہندو لڑکوں لڑکیوں کے لئے تو دو یا مندر اسکیم مخصوص کر دی گئی اور مسلمانوں کو مذمتیہ العلم اسکیم کا تحفہ مرحمت فرمایا گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب یہ معاہدہ ہوا، اس وقت دو یا مندر اسکیم کے لئے دو لاکھ چھپا سٹھ ہزار روپے منظور ہو چکے تھے، اور مذمتیہ العلم اسکیم کے ساتھ صرف خدا کا نام تھا۔ کہاں تو کانگریس کی شریعت میں جڈاگانہ انتخاب بھی کفر ہے اور کہاں اسی کی ایک حکومت ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے الگ الگ تعلیمی اسکیم کو وجہ دین لاتی ہے۔ اور اس کے بعد بھی کسی کو اس کے نیشنلزم پر حرج رکھنے کی گنجائش نہیں۔

خرید کا نام جنوں رکھ لیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسین کرشمہ ساز کرے

—*—

چونکہ صوبہ متوسطہ برار میں ابتدائی تعلیم کی ذمہ داری برار کے چند مدرسوں کو چھوڑ کر تاتریوٹن پبلیشوں اور مسٹر کٹکونسلوں کے سر پر ہی اس لئے اس موضوع پر

لوکل سلفٹ گورنمنٹ کے تحت میں بحث کی جائے گی۔ یہاں پر صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جس سے ناظرین کو اندازہ ہو جائے گا کہ جہاں تک شرمناک جھوٹ بولنے کا تعلق ہے دنیا کی کوئی حکومت صوبہ متواسطہ دہرا کی کانگریس حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پورے ضلع بیتول (ناگپور کشتری) میں اردو کا صرف ایک ابتدائی مدرسہ تھا جو وہاں کی میونسپل کمیٹی نے ہندی مدرسہ میں ضم کر دیا۔ پہلے تو بیتول میونسپلٹی کی وجہ اس زیادتی کی طرف مبذول کرائی گئی۔ لیکن جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو صوبائی حکومت کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا گیا۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب آئریری سیکرٹری انجمن ترقی اردو دہند نے حکومت کو بار بار بیتول کے اس اردو مدرسہ کی طرف توجہ دلائی۔ مظاہرین کے ذریعے بھی جس کا ذکر آپر کیا جا چکا ہے، اپنے مطالبات میں اس کا ذکر کیا۔ حکومت نے غیر مبہم لفظوں میں اس وقت بھی اور اس کے بعد بھی یقین دلایا کہ جتنے اردو مدرسے بند کر دیے گئے ہیں وہ دوبارہ جاری کر دیئے جائیں گے اور جو اردو مدرسے ہندی مدرسوں میں ضم کر دیئے گئے ہیں وہ بھی جداگانه حیثیت سے قائم کر دیئے جائیں گے۔ حکومت نے یہ بھی اعلان کیا کہ صوبہ کی میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ اگر اس کے حلقہ یارقبہ میں کوئی اردو مدرسہ بند کر دیا گیا ہو یا مڑھی اور ہندی مدرسہ میں ضم کر دیا گیا ہو تو وہ فوراً از سر نو جاری کیا جائے اور اس کی مستقل بحالی عمل میں آئے۔ لیکن ان تمام اعلانات اور ہدایات کے باوجود بیتول کا اردو مدرسہ اب تک بند ہی معلوم نہیں کیوں؟

مظاہر اس کے دو توجہ میں کی جاسکتی ہیں۔ یا تو صوبائی حکومت نے صوبہ کی میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کے نام اردو مدرسوں کی بحالی کے احکام نہیں جاری کئے اور مسلمانوں کی اشک شونی کرنے کے لئے جھوٹ موٹ یہ اعلان کر دیا کہ اردو مدرسوں کی بحالی کے احکام نافذ کر دیئے گئے ہیں، یا میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں نے دیدہ و دانستہ حکومت کے احکام کا نظر انداز کیا ایسی صورت میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے

کہ حکومت نے اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والی میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کے خلاف کیا کارروائی کی۔ بکیتول کی مثال تو یہ ثابت کرتی ہے کہ حکومت نے اس سلسلہ میں کوئی کارروائی مناسب نہ سمجھی اور اُس کی طرف سے اُردو مدرسوں کی سبجائی کے لئے جتنے اطلاعات بھی کئے گئے تھے، وہ صرف مسلمانوں کو تھپکی دینے کے لئے تھے کہ مبادا یہ آگ زیادہ نہ پھیل جائے

در دھا اسکیم اور اُس کا بنیادی نصاب تعلیم :-

در دھا اسکیم اور اس کے بنیادی نصاب تعلیم کا مسئلہ کل ہند مسلم بن چکا ہے، اور یہاں اس پر مزید بحث ہے کار ہوگی لیکن یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ اس اسکیم کو آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور دوسری اسلامی انجمنوں نے متفقہ طور پر مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول ٹھہرایا ہے۔ صوبہ متوسط و برار کے مسلمانوں نے بھی اس اسکیم خلاف بارہا اسمبلی اور اس کے باہر اپنی بیزاری کا اعلان کیا۔ اس کے باوجود حکومت نے اس اسکیم کے نصاب تعلیم کو رائج کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ دوسرے کانگریسی صوبوں نے بھی در دھا اسکیم کا بنیادی نصاب تعلیم رائج کیا، لیکن صوبہ متوسط و برار میں جس بھونڈے طریقہ پر اس کا نفاذ ہوا ہے، وہ آپ اپنی نظیر ہی مثال کے طور پر پہلے ہم بمبئی کے صوبہ کو لیتے ہیں، اور اُس کے بعد صوبہ متوسط و برار کی کانگریسی حکومت کا کارنامہ پیش کیا جائے گا۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے مسلمانوں کے اصحاب فکر و رائے اور ہندوستان کی کل اسلامی انجمنوں نے متفقہ طور پر مسترد کر دیا ہے، اس کے باوجود جب بمبئی کی حکومت نے اس اسکیم اور اُس کے نفاذ کا فیصلہ کیا، تو اُس نے اساتذہ کی ترتیب کے لئے در دھا اسکیم کے بنیادی نصاب تعلیم کے اصول پر ہلکا دس (خاندیش) میں ایک اُردو تعلیمی مرکز قائم کیا اس کے

خلافتِ صوبہ متوسطہ و برادری کا انگریزی حکومت و ردھا اسکیم اور اُس کے بنیادی نصابِ تعلیم کے نفاذ میں تو کسی سے پیچھے نہ رہی، لیکن اس نے اساتذہ کو اس نئے طریقہ تعلیم میں تربیت دینے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ کیا۔ اس سلسلہ میں جو کچھ کیا گیا وہ صرف اس قدر کہ محکمہ تعلیم کے چند افسروں کو مختلف مقامات میں بھیج دیا گیا۔ محکمہ تعلیم کے ان افسروں نے جو خود درودھا نصابِ تعلیم کے اچھی طرح ماہر نہ تھے، ہر جگہ ایک دو مہنتہ باری باری مہٹے۔ ہندی اور اردو اسکول کے ماسٹروں کو نصابِ مذکور اور بنیادی طریقہ تعلیم سے روشناس کیا۔ ہر انصاف پسند صوبائی حکومت کے اس نامہ وادہ تعلیم کش طریقہ کار پر کتنا افسوس و حیرت طے بغیر نہیں رہ سکتا۔ صرف پندرہ دن کے اندر ایک نئے اور نکلنے والے طرزِ تعلیم سے اساتذہ کو واقف کرانا اور وہ بھی سرسری لکچروں کے ذریعہ بھلا کسی کے وہم و خیال میں بھی آسکتا ہو ممکن ہے کہ گاندھی جی کی روحانیت نے اساتذہ کے دماغوں میں نئی چیزوں کے قبول کرنے کی معجزانہ صلاحیت پیدا کر دی ہو، کیونکہ درودھا اسکیم ان کے ایسا پر مرتب کی گئی ہے اور بلاشبہ اسے ان کی برکتیں اور دعائیں حاصل ہیں۔ غرض کہ نئے طرزِ تعلیم کی بھول بھلیاں میں پھنس کر غریب اساتذہ پرانا طریقہ تعلیم بھی بھول گئے اور اب انھیں اسکولوں میں درودھا نصابِ تعلیم کے رو سے پڑھاتے ہوئے دیکھ کر اُس کوئے کی مثل یاد آتی ہے، جو بے چارہ ہنس کی چال چلا اور اپنی چال بھی بھول گیا۔

کانگریسی پروپیگنڈے کی ایک عجیب مثال :-

بھلائی کر کے بھی احسان جتنا، اگرچہ شریفوں کا شیوہ نہیں، لیکن کانگریس کے تو انڈیا ہی نزلے ہیں کہ کچھ نہ کرتے ہوئے بھی اُس نے سی۔ پی کے مسلمانوں پر اپنے احسان کا ڈھنڈھ بھورا پیٹنے میں کمی نہ کی۔ ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے کہ جب سی۔ پی کی کانگریسی حکومت صوبہ کے مسلمانوں کو اپنے فریب میں نہ لاسکی۔ تو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اس کی حمایت کا بیڑا اٹھایا، اور ایک بیان کے ذریعہ سی۔ پی کی حکومت کے ان احسانات کو گنوا یا، جو اس

نے مسلمانوں کی تعلیم کے سلسلہ میں کئے گئے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب آنریری سیکرٹری انجمن ترقی اُردو ہند نے بذات خود آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بیان کی تحقیق کی، اور ایک مضمون کے ذریعہ ثابت کر دیا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جن احسانات کا سہرا سہی۔ پی کی حکومت کے سر باز دھنے کی کوشش کی تھی، وہ سب اگر احسانات ہی ہیں تو ان کا تعلق ان حکومتوں سے تھا جو صوبہ کانگریس کی حکومت سے پہلے تھیں ذیل میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے مضمون سے جس کا عنوان دو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی غلط بیانی اور سی۔ پی وزارت کے کارناموں کی فرضی کمائی، تھا ایک مختصر اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

جس سے اعداد و شمار کی روشنی میں خود بخود ظاہر ہو جائے گا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو پروپیگنڈے بازی میں خواہ وہ کتنا ہی رکبیک اور گندہ کیوں نہ ہو کس درجہ کمال حاصل ہو

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنے بیان میں ظاہر کیا تھا کہ سی۔ پی کانگریسی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو حسب ذیل تعلیمی وظیفے ملتے ہیں :-

(۱) تین روپیہ ماہانہ کے ۹ وظیفے ہڈل اسکول کے طلبہ کے لئے

(۲) پانچ روپیہ ماہانہ کے ۸ وظیفے ہائی اسکول کے طلبہ کے لئے

(۳) پانچ روپیہ ماہانہ کے ۴ وظیفے اُردو نارمل اسکول سے متعلق پریکٹسنگ اسکول کے لئے

(۴) تیرہ روپیہ ماہانہ کے ۶ وظیفے اُردو نارمل اسکول امراتوٹی کے لئے

(۵) دس روپیہ ماہانہ کے ۱۰ وظیفے زمانہ گورنمنٹ نارمل اسکول جیلوہ میں اُردو زبان میں ٹریننگ حاصل کرنے والی طالبات کے لئے

(۶) اس کے علاوہ عام مقابلے کے ذریعہ مسلم طلبہ کو علیحدہ وظیفے مل سکتے ہیں (اور ملتے ہیں)

اب ان وظیفوں کا کچا چٹھا ڈاکٹر صاحب کی زبان سے سنئے :-
 ۱۔ کے وظائف کا تعلق ۱۹۱۸ء سے ہے ملاحظہ ہو اسٹینڈنگ آرڈر صفحہ ۳۴ نمبر ۹۲۲
 موضوع ۴ فردری ۱۹۱۸ء اور نمبر ۱۱۶۲ موضوع ۸ فردری ۱۹۱۸ء
 ۲۔ اور ۳۔ کے وظیفے بھی ۱۹۱۸ء کے جاری کردہ ہیں۔ سکریٹریٹ ۴۹۸۔ اے۔
 (۱) صفحہ ۳۴ موضوع ۵ فردری ۱۹۱۸ء۔

۴۔ کے وظیفے ۱۹۱۴ء میں وجود میں آئے۔ غف ۵۹۰۱ موضوع ۴ ستمبر ۱۹۱۴ء
 ۵۔ کے وظیفے اپریل ۱۹۳۴ء میں منظور ہوئے جبکہ ابھی صوبہ میں کانگریسی حکومت قائم
 نہیں ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو ۴۶۲ موضوع ۹ اپریل ۱۹۳۴ء
 ۶۔ امتحان مقابلہ میں شریک ہو کر وظیفہ حاصل کر سکنے کی رعایت بہت ہی دلچسپ ہے۔

مسلمانوں کی تعلیم کا خاص انتظام

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اس ضمن میں اپنے بیان میں ان ۳۲۳ درسگاہوں کا
 ذکر کیا ہے۔ جو مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں ملحوظ خاطر رہے کہ ان ۳۲۳ درسگاہوں میں صوبہ
 بہر کے ابتدائی اور ثانوی مدرسے شامل ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ یہ ۳۲۳ درسگاہیں مسلمانوں
 کے لئے مخصوص ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ ان درسگاہوں میں اردو پڑھائی جاتی ہے۔
 اگر اردو درسگاہوں کی تخصیص مسلمانوں کے ساتھ جائز ہو سکتی ہے تو صوبہ بہر کے وہ سب
 اسکول جن میں مرٹھی اور ہندی پڑھائی جاتی ہے خالص ہندو اسکول کہے جائیں گے
 سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ان ۳۲۳ تعلیمی اداروں میں ایک بھی کانگریسی وزارت
 کا قائم کیا ہوا نہیں ہے تو کس بنا پر ان تعلیمی اداروں کے وجود یا قیام کو سی ڈپٹی کی
 کانگریسی وزارت کے کارناموں میں شمار کیا گیا۔

تعلیمی اداروں کی مدد

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بیان میں اس عنوان کے تحت میں اٹھارہ مسلم اسکول گنائے گئے ہیں۔ جنہیں کانگریسی حکومت امداد دے رہی تھی۔ یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ان اسکولوں میں سی ایک کی بھی امداد کانگریسی حکومت کی رہیں منت نہیں، بلکہ یہ سب امداد پچھلی حکومتوں کے عہد سے جاری ہے۔

اس وقت صوبہ کے امدادی مدارس کو لڑکوں کی تعلیم کے لئے حکومت تین لاکھ گیارہ ہزار تین سو پچاس روپے دے رہی ہے۔ اس رقم میں سے اردو کا حصہ صرف پچیس ہزار سات سو اکیس روپے ہے۔ اس امداد کی وقعت اور بھی کم ہو جاتی ہے جب ہم صوبہ کے سرکاری مدارس پر ایک نظر ڈالتے ہیں جن میں دو ایک کو چھوڑ کر سب کے سب ہندی اور مرہٹی پڑھنے والے طلبہ کے لئے مخصوص ہیں۔ چھوٹے شہروں اور قصبوں کا تذکرہ ہی کیا۔ ناگپور، اور جیلپور ایسے مرکزی مقامات کے سرکاری مدارس میں بھی اردو کا نام و نشان نہیں۔

لڑکیوں کے امدادی مدارس کو بادل ہزار دو سو اٹھ روپے دے جا رہے ہیں ان میں اردو پڑھنے والی طالبات کا حصہ صرف دو ہزار دو سو نوے روپے ہے۔

یہ امداد و شمار صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ سی۔ پی کی کانگریسی حکومت مسلمانوں کی طرف سے کس وجہ تغافل پرست رہی ہے اس پر بھی بڑے فخر و مباہات کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ کانگریس ادیس کی وزارت مسلم اقلیت کی بہترین رفاقت اور دوستی کا ثبوت دے رہی ہے۔

(ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کے بیان سے ماخوذ)

ثانوی تعلیم

پچھلے بیان سے جس کی تردید آج تک نہ سی۔ پی کی کانگریسی وزارت اور نہ

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کر سکی ہو۔ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سی۔ پی کی کانگریسی وزارت نے نہ مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم کی طرف توجہ کی اور نہ ان کی ثانوی تعلیم کا کوئی خاص انتظام کرنے کی کوشش کی۔ ۸، ۷ فروری ۱۹۳۹ء کو نواب زادہ بیات علی خاں صاحب آنریری سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ کی موجودگی میں سی۔ پی کے مسلم اراکین اسمبلی اور شکارچی کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس میں اسمبلی کے مسلم اراکین نے اردو اور مسلمانوں کی ثانوی تعلیم کے سلسلہ میں ذیل کے مطالبات پیش کئے تھے۔

مطالبہ ۷۔ کم سے کم رٹکوں کا ایک ہائی اسکول سی۔ پی میں رٹکیوں کا ایک ہائی اسکول سی۔ پی میں اور ایک برائین اور رٹکیوں کے ڈوٹل اسکول سی۔ پی میں حکومت کی طرف سے قائم کئے جائیں جن میں اردو کے ذریعہ تعلیم کا انتظام کیا جائے۔
مطالبہ ۸۔ جہاں کہیں حکومت اور لوکل باڈی مرہٹی اور ہندی کے ذریعہ ثانوی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کر رہی ہو، وہیں مسلم طلبہ کی تعلیم کا بھی اردو کے ذریعہ معقول اور مناسب انتظام کیا جائے۔ نیز ثانوی تعلیم کے لئے مسلمانوں کی خانگی اداروں کو کل خرچ کا نصف بطور امداد کے دیا جائے۔

مطالبہ ۹۔ مسلمان طالب علموں کا ذریعہ تعلیم اردو قرار دیا جائے اور حکومت کے ہر ہائی اور ڈل اسکول میں اردو کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔
مطالبہ ۱۰۔ سلسلہ میں بحث و تجویز کے بعد اسمبلی کے مسلم اراکین نے حکومت کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ناگیپور کے انجمن حامی اسلام ہائی اسکول کو حکومت کلیتہً اپنے انتظام میں لے لے، اور صوبہ میں جو دو اینگلو اردو گرس ڈل اسکول ہیں، انہیں ہائی اسکول بنا دیا جائے۔

حکومت اس سلسلہ میں غور کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اس معاہدہ کے بعد کانگریسی حکومت اگرچہ آٹھ نو مہینہ تک صوبہ میں برسر اقتدار رہی، لیکن بڑی کوشش اور جستجو کے بعد بھی نہیں

یہ معلوم ہو سکا کہ آخر حکومت غور و فکر کا کیا نتیجہ نکلا۔ نہ ناگپور کے انجمن ہائی اسکول کو حکومت نے اپنے انتظام میں لیا اور نہ دونوں اینگلو اردو گورنمنٹ اسکولوں کو ہائی اسکول بننے کا فخر حاصل ہوا۔ شاید کانگریس کی لغت میں غور کرنے کا مفہوم مسترد کرنا ہی ہے۔

مطالبہ عدل کے بارے میں حکومت نے یقین دلایا تھا کہ محکمہ تعلیم کے موجودہ قواعد و ضوابط کے عمل درآمد میں جس قدر بھی ممکن ہو گا فیاضی سے کام لیا جائے گا۔ اب ذرا حکومت کی اس فیاضی کی داستان بھی سن لیجئے معاہدہ پر دستخط ہونے کے بعد ہی ڈاکٹر عبد الحمید حال پرنسپل بنیادی اردو تعلیمی مرکز جل گاؤں (خاندیش) سائیکل رکن کونسل آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جو اس وقت (فروری ۱۹۳۷ء) انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں (برار) کے مہتمم تھے، حکومت سے انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں کے سرکاری امداد میں اضافہ کی درخواست کی اور ایک کمرہ کانگریسی ہونے کی وجہ سے مسٹر شکلا سے بالمشافہ بھی عرض کیا۔ حکومت کی فیاضی کا تصور رکھتے ہوئے کھام گاؤں سے بار بار ناگپور کا سفر کیا تھریری اور زبانی ساری کوششیں صرف کر ڈالیں، لیکن انجمن اسکول کی امداد میں ایک جگہ بھی اضافہ نہ ہو سکا جب کانگریس کے منظور نظر کی درخواست امداد کا یہ حشر ہوا، تو ناگپور اور جیلپور کی انجمنوں کی درخواست کا حشر معلوم کرنا تحصیل حاصل ہو۔ غرض کہ ان دونوں اداروں کے ذمہ دار کارکنوں نے بھی حکومت کی فیاضی حاصل کرنے کے لئے متعدد درخواستیں دیں لیکن شکلا جی نے ایسی چپ سا دھی کہ بیچارہ واپس سامنے لے کر رہ گئے۔

مطالبہ عدل کے متعلق جو تصنیف ہوا تھا، اُس کے الفاظ یہ ہیں :-

حکومت کے ان ہائی اور ہڈل اسکولوں میں جن میں فی الحال اردو کی تعلیم کا انتظام نہیں۔ اس کی تعلیم کا انتظام کرنے کے سلسلہ میں حالات پر نظر کی جائے گی اور اگر حالات کے مطالعہ کے نتیجہ پر ان اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام کرنے کی ضرورت سمجھی گئی، تو اس کا انتظام

کیا جائے گا۔

یہ معاہدہ فروری ۱۹۳۹ء میں ہوا تھا، اور جولائی ۱۹۳۹ء میں صوبہ کے اسکولوں کا نیا سیشن شروع ہوا اگرچہ تصفیہ کے الفاظ مبہم ہیں لیکن حکومت کو اپنی خوش نیتی اور مسلمانوں کے تعلیمی مطالبات سے ہمدردی ثابت کرنے کے لئے کم سے کم صوبہ کے کسی ایک سرکاری ہائی ایڈل اسکول میں اردو کی تعلیم کا آغاز کر دینا چاہیے تھا۔ یہ کیا ضرورت کا ثابت کرنا تھا اس کا معیار مختلف ہو سکتا ہے مثال کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ ناگیور کے سرکاری ہائی اسکول میں اردو کی تعلیم کا انتظام کرنے کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی کیونکہ صوبہ کا حد مقام ہوا اور دوپٹے والے طلبہ کی روز افزوں زیادتی کے پیش نظر دو خانگی ہندو ہائی اسکولوں نے اردو کی تعلیم کا انتظام کیا جب خالص ہندو اسکولوں کو اردو تعلیم کی ضرورت کا احساس کرنا پڑا تو حکومت کے پاس اپنی اس طرز عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے کیا غدر و جانا ہے کہ اس نے ناگیور کے سرکاری ہائی اسکول میں اردو کی تعلیم کا اس لئے انتظام نہیں کیا کہ اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ناگیور کی مثال مشے از نمونہ خرد واری پیش کی گئی ہے اور نہ صوبہ کے ہر مقام کے سرکاری ہائی ایڈل اسکول میں اردو تعلیم کی ضرورت بخوبی ثابت کی جاسکتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم

صوبہ متوسطہ برار کے مسلمانوں کی یہ ایک دیرینہ اور بہت بڑی شکایت ہے کہ حکومت اعلیٰ تعلیم کے شعبہ میں ان کی شکایات اور مطالبات پر کبھی ہمدردانہ غور نہیں کیا جب ۱۹۳۹ء کو مسٹر شلا اور صوبہ کے مسلم آراکین اسمبلی کے مابین گفت و شنید شروع ہوئی تو مسلمان ممبروں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ میں ذیل کا ایک مطالبہ کیا:۔

مطالبہ ۱۔ حکومت کے ہر کالج میں اردو پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔

اس کے جواب میں شلا جی نے یہ فرمایا کہ حکومت کے ہر کالج اور اکثر پرائیویٹ کالجوں میں اردو کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

افسوس کہ یہ معاہدہ جس پر شکلا جی اور نواب ادہ لیاقت علی خاں صاحب آنریری سیکریٹری
 اہل انڈیا مسلم لیگ کے دستخط ہیں پر وہ راز میں تھا اور ہمیں سب سے پہلے اس کا علم ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو آج
 ہوتا دنا گپو کے ذریعہ ہوا، ورنہ ہم آج سو کئی مہینے پہلے کانگریسی حکومت کے ایک وزیر اعظم کے اتنے
 بڑے جھوٹ سو دنیا کو واقف کرتے، جس کی ٹرائی کے سامنے ہمالیہ بھی رانی ہوتا لیجو خاطر ہو کہ
 حال ہی میں جب آنریریل مولوی فضل الحق صاحب پر بمبیرنگال نے کانگریسی وزراء توں کو مظالم کے
 متعلق ایک یادداشت شائع کی تو اس کے جواب میں سی۔ پی کی کانگریسی حکومت کے انھیں سابق
 وزیر اعظم مشر شکلا نے ایک جوابی بیان چھپوایا جس میں انھوں نے لکھا کہ آنریریل مولوی
 فضل الحق صاحب پر بمبیرنگال نے سی۔ پی کی کانگریسی وزارت کے مظالم کے بیان میں جھوٹ کے
 ہمالہ بنائے ہیں۔ سچ ہو کہ جو جیسا ہوتا ہو دوسروں کو بھی دیسا ہی سمجھتا ہو۔

مطالبہ ع کے جواب میں شکلا جی نے جو کچھ فرمایا ہو ناظرین کو اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ
 پنڈت شکلا بات کا بتنگڑا رانی کا پہاڑ نہیں بلکہ جھوٹ کا ہمالیہ تیار کرنے میں کس قدر شاق ہیں
 شکلا جی نے اپنے جواب میں یہ فرمایا ہو کہ حکومت کے ہر کالج میں اردو پڑھانے کا انتظام نہیں
 بلکہ معقول انتظام ہو۔ اب اس معقول انتظام کی حقیقت سنئے۔ جس وقت شکلا جی نے مطالبہ
 ع کے جواب میں مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا، اس وقت اور اب بھی حکومت کے چار کالجوں میں
 سے صرف ایک یعنی کنگ ایڈورڈ کالج امرادتی میں بے شک اردو کی تعلیم کا معقول انتظام تھا
 اور اب بھی ہو لیکن اس کالج کے علاوہ مارسن کالج ناگپور، رابرٹسن کالج جیلپور اور راجکمار کالج
 رائے پور اگر اس کالج کو اس حیثیت سے کہ وہ صرف راج کماروں کے لئے مخصوص ہو نظر
 انداز بھی کر دیا جائے تو بھی بقیہ دو کالجوں میں مارسن کالج ناگپور اور رابرٹسن کالج جیلپور میں نہ
 اس وقت اردو کی تعلیم کا معقول انتظام تھا ورنہ اب بھی شکلا جی نے یہ جواب فردری ۱۹۳۹ء
 میں دیا تھا تعلیم کے نئے کمیشن یعنی جولائی ۱۹۳۵ء کے بعد رابرٹسن کالج جیلپور میں
 اردو کی تعلیم میں انتظام کیا گیا لیکن سراسر غیر معقول درادھورا یعنی اردو پڑھانے کی خدمت

بھی فارسی کے پروفیسر کے سپرد کر دی گئی اور ناگپور کا مارشل کالج تو اس غیر معقول درادھور سے انتظام سے بھی اب تک محروم ہے۔

یہ صحیح ہے کہ صوبہ کے اکثر پرائیویٹ کالجوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام ہو۔ مگر اس میں تشکلا جی اور ان کی کانگریسی حکومت کا کیا احسان ہے۔ کیا لطف ہے یہ کانگریسی مہاشے خود تو کچھ کرتے نہیں، لیکن دوسروں کے کئے کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے بتیاب رہتے ہیں۔

سرکاری کالجوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام کرنے سے کانگریسی حکومت کی تغافل کو شہیہ۔ اگرچہ تشکلا جی نے فروری ۱۹۳۵ء کے معاہدہ میں مطالبہ کیا کہ جواب دیتے ہوئے یہ کہہ کر کہ حکومت کے ہر کالج میں اردو کی تعلیم کا معقول انتظام ہو، دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کی، لیکن جیسا کہ اردو پر کی سطروں میں لکھا گیا، جو واقعہ اور حقیقت یہی ہے کہ جب تشکلا جی نے یہ جواب دیا تھا، اس وقت حکومت کے ایک کالج کے سوا کسی کالج میں اردو کی تعلیم کا معقول تدبیر نہ تھا۔ غیر معقول انتظام بھی نہ تھا۔ صوبہ کی مختلف ادبی اور سیاسی انجمنوں نے بار بار حکومت کو اس کی طرف توجہ بھی دلائی، لیکن وہاں تو سب کے جواب میں وہی ایک غمو شہی تھی۔

۲۴/۲۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ناگپور میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کنہیری سیکرٹری انجمن ترقی اردو ہند کی صدارت میں ایک عظیم الشان صوبہ اردو کانفرنس منعقد ہوئی، اور اس میں ایک تجویز کے ذریعہ صوبائی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ صوبہ کے ہر سرکاری کالج میں اردو کی تعلیم کا مناسب اور معقول انتظام کرے۔ بعد میں صوبہ کے متعدد مسلم اراکین اسمبلی انجمن ترقی اردو کی شاخوں مختلف شہری اور ضلع لیگوں اور ادبی و نیم سیاسی انجمنوں نے بھی مختلف اوقات میں اس جائزہ مطالبہ کی تائید کی۔ مشرف فتح علی ایم۔ ایل۔ اے جلیپور اور دوسرے مسلم اراکین اسمبلی نے اس سلسلہ میں اسمبلی میں متعدد سوالات کئے مشرف فتح علی ایم۔ ایل۔ اے نے اسمبلی میں ایک تجویز کے ذریعہ بھی حکومت سے درخواست کی کہ رابرٹسن کالج جلیپور میں ایک مستقل اردو لکچرار کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ ساری چیخ پکار کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ رابرٹسن کالج

جیلپور اور مارن کالج ناگپور میں اُردو کی تعلیم کا انتظام کرنے یا نہ کرنے کا تصفیہ کرنے کے لئے الگ الگ سب کمیٹیاں مقرر کی گئیں۔ جو سب کمیٹی رابرٹسن کالج جیلپور میں تحقیق حال کے لئے گئی تھی، اس کی رائے ملاحظہ ہو:-

”ہم سفارش کرتے ہیں کہ رابرٹسن کالج جیلپور کو بی۔ اے تک اُردو تعلیم دینے کا اختیار دیا جائے لیکن ہم یہ بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ حکومت کو اس کالج میں مستقل طور پر اُردو کا ایک لکچرار بھی مقرر کرنا چاہیے۔ جو سب کمیٹی مارن کالج ناگپور کے لئے مقرر کی گئی اس نے بھی واضح الفاظ میں یہی سفارش کی کہ ”مارن کالج ناگپور کے لئے بی۔ اے تک اُردو پڑھانے کا حق تسلیم کیا جائے، اور کالج میں اُردو پڑھانے کے لئے علیحدہ اور مستقل لکچر مقرر کیا جائے۔“

سب کمیٹیوں کی ان صریح سفارشوں کے بعد بھی حکومت نے نہ رابرٹسن کالج جیلپور میں اُردو کا لکچر مقرر کرنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ مارن کالج ناگپور میں۔ غرض کہ مسلمان سرٹیک کر رہ گئے۔ لیکن حکومت اس سوس نہ ہوئی۔ اب تصور کیا دو سر آج بھی ملاحظہ فرمائیے ”حیدر آباد سے دو بندے ماترم، طلبہ کا سیلاب

اور

سی۔ پی کی حکومت اور ناگپور یونیورسٹی کی آغوش رحمت“

ہم اس الجھن میں پڑنا نہیں چاہتے کہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن اور ریاست کے تعلیمی اداروں میں ہندو طالب علموں کو ”ہندو ماترم“ کے گیت گانے کا حق تھا یا نہیں، لیکن حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ خالص فرقہ دارانہ سوال تھا جیسے حیدر آباد اور ہندوستان کے ہندو کانگریسیوں، فتنہ پرور آریوں اور شرع انگیز مہاسہائیوں نے اپنی زہریلی تقریروں اور جذبات کو ابھارنے والی تحریروں سے خوب پھیلایا۔ ہندو طالب علموں کے ایک طبقہ نے اپنے بزرگوں کی شبہ پاکر عثمانیہ یونیورسٹی اور ریاست کے

دوسرے تعلیمی اداروں کو خیر باد کہہ دیا۔ ناگپور یونیورسٹی کے کانگریسیٹ اسٹوڈنٹس جوائنٹ میٹنگ میں
ان مجاہدوں کو کسی پی آئی کے دعوت دی، چنانچہ حیدر آباد کے بندے ماترم، طلبہ کے قافلے
کے قافلے سی۔ پی آئی کے مسٹر کیدار نے ان فرقہ پرست طالب علموں کی دلجوئی کے لئے کیا کیا
نہ کیا۔ ان کی تعلیم اور بے وقت امتحان کے لئے ناگپور یونیورسٹی کے قواعد و ضوابط میں فوری
ترمیم و تنسیخ کی۔ ان طالب علموں کو حصہ بہ کے مختلف سرکاری کالجوں پر تقسیم کر دیا گیا۔
اور ان کی تعلیم کے لئے ایک درجن سے زائد لکچرار مقرر کئے گئے۔ ان میں سے کچھ طلبہ رابرٹسن
کالج جیلپور کے حصہ میں بھی آئے۔ اور یہی سطوروں میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جیلپور
کا مسلمان ممبر اسمبلی سر چٹاک کر گیا، لیکن رابرٹسن کالج جیلپور میں اردو کالج پر مقررہ
کیا گیا۔ لیکن جوں ہی حیدر آباد کے "بندے ماترم" طلبہ رابرٹسن کالج جیلپور پہنچے تو انہیں
اردو پڑھانے کے لئے فوراً ایک اردو لکچرار مقرر کر دیا گیا۔ چند مہینوں کے بعد جب یہ طلبہ
پھر حیدر آباد واپس چلے گئے تو اردو لکچرار کو بھی جواب دے دیا گیا۔ اگرچہ کالج میں اردو
پڑھنے والے طلبہ موجود تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہ طلبہ مسلمان تھے اور حکومت کی نظر
میں اردو پڑھنے والے مسلمان طلبہ اس کے مستحق نہ تھے کہ انہیں تعلیم دینے کے لئے
اردو لکچرار باقی رکھا جائے اسی ضمن میں ایک جملہ مقررہ یاد آ گیا۔ جسے پیش کرنا ضروری
ہو چکے چند سالوں سے ناگپور یونیورسٹی کے امتحانات میں چند پہلے درجہ کے مسلمان
بھی شریک ہوتے ہیں۔ یہ وہ کی پابندی کی وجہ سے ان مسلمان طالبات کو ناگپور یونیورسٹی
سے یہ درخواست کرنی پڑتی ہو کہ دوران امتحان میں ان کے لئے یہ وہ کامنا سب سے بہتر
کیا جائے۔ پڑی دوڑ دھوپ اور غیر معمولی کد و کاوش کے بعد کہیں ناگپور یونیورسٹی مسلمان
طالبات کے لئے یہ وہ کا انتظام کرنے پر راضی ہوتی ہو لیکن خوشی سے نہیں بلکہ طبعاً
و کرنا و ناک بھوں چڑھا کر لیکن اسی ناگپور یونیورسٹی کو حیدر آباد کے "بندے ماترم"
طلبہ کے لئے تربیت نئے انتظام کرنے، ان کے لئے بے وقت اور خلاف معمول امتحان

مقرر کرنے، متعدد نئے لکچراروں کے مقرر کرنے۔ چھٹیوں میں بھی کالج کو کھلا رکھنے حتیٰ کہ یونیورسٹی کے قواعد و ضوابط میں بھی ترمیم و ترمیم کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ جانب اری اور فرقہ پرستی کی یہ بدتر مثال کانگریسی وزارت کے عہد مبارک ہی میں مل

سکتی ہو
مسلمانوں کی تعلیم کے سلسلہ میں ۱۰ فروری ۱۹۳۹ء کا معاہدہ اور کانگریسی حکومت کی طرف سوسائٹی کی صریح خلاف ورزی :-

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں ۸، ۷ فروری ۱۹۳۹ء کو مشترکہ سابق وزیر اعظم اور صوبہ کے مسلم اراکین اسمبلی کے درمیان ایک کانفرنس ہوئی تھی، جس میں صوبہ کے مسلمانوں کے تعلیمی مطالبات پیش کئے گئے تھے۔ دو دن کی بحث و تجویز کے بعد فریقین میں ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی بعض دفعات پرہم ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے ضمن میں بحث کر چکے ہیں۔ چونکہ اس معاہدہ کا تعلق مسلمانان صوبہ کے عام تعلیمی مطالبات اور ان کی ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے ہر پہلو سے ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی کے دوسری دفعات پر بھی مجموعی حیثیت سے ایک نظر ڈال لی جائے۔ مطالبہ ۱ (الف) اور (ب) متعلقہ ابتدائی تعلیم :-
(الف) ایک اُردو اسکول کھولنے کے لئے خواہ وہ حکومت کی طرف سے ہو یا لوکل باڈی کی جانب سے طلبہ کی تعداد صرف دس مقرر کی جائے۔

(ب) جہاں کہیں یہ تعداد فراہم ہو جائے تو حکومت یا لوکل باڈی لازمی طور پر ایک اُردو اسکول قائم کرے اور اگر یہ تعداد مہیا نہ ہو سکے تو حکومت یا لوکل باڈی کم تعداد کے اسکول کا نصف خرچ امداد کے طور پر دے کہ خانگی ادارہ کی حوصلہ افزائی کیے۔
مطالبہ مذکورہ کے متعلق یہ تصفیہ ہوا تھا کہ :-

”ہر لوکل باڈی کے سالانہ مصارف کا ایک مناسب حصہ مسلم بچوں کی تعلیم کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ اس تصفیہ کا جو کچھ ختم ہوا وہ یہ کہ صوبہ کی کسی ایک لوکل باڈی نے

اپنے سالانہ مصارف میں سو کوئی مقررہ حصہ مسلم بچوں کی تعلیم کے لئے مخصوص نہ کیا گیا۔ حکومت نے جو کچھ کما تھا اُس کی حیثیت طفل تسلی سے زیادہ نہ تھی۔ یا یہ ایک بہانہ تھا ان مسلمانوں کے جوش و خروش کو سر کرنے کے لئے۔ جنہوں نے و دیامند راہیم کے خلاف قانون شکنی کی تھی۔

مطالبہ ۷۔ موجودہ اُردو اسکول نہ تو بند کئے جائیں اور نہ انہیں ہندی اور مرہٹی اسکولوں میں ضم کیا جائے اور جو اُردو اسکول بند کر دئے گئے ہیں یا ہندی مرہٹی اسکولوں میں ضم کر دئے گئے ہیں انہیں از سر نو قائم کیا جائے۔ جیسے بتیول اور امرٹہ وغیرہ کے اُردو مدرسے۔

اس مطالبہ کے متعلق جو شفقہ فیصلہ ہوا اتحادہ درج ذیل ہے:-
 ”جہاں تک بتیول کا تعلق ہے، معاملہ طے ہو گیا ہے، رہ گئے دوسرے مقامات کے اُردو اسکول تو حکومت اُس کے متعلق تحقیقات کرے گی۔ یہ معمول نہیں ہے کہ موجودہ اسکول بند کئے جائیں۔ جہاں کہیں کوئی اُردو اسکول بند کیا جائے گا کسی دوسرے مقام پر ایک نیا اُردو اسکول کھولا جائے گا۔ بشرطیکہ اُس کا مطالبہ کیا جائے۔ حکومت نے اس فیصلہ پر کہاں تک عمل کیا، اس کا اندازہ صرف دو مثالوں سے کیا جائے بے شک بتیول کے اُردو مدرسہ کا معاملہ مشترکہ کھلے سابق وزیر تعلیم کی موجودگی میں بتیول میں طے ہو گیا تھا اور یہ قرار پایا تھا کہ بتیول کی میونسپلیٹی اُردو اسکول کو از سر نو جاری کرے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ بتیول کی میونسپل کمیٹی نے آج تک اس اُردو اسکول کو جاری نہیں کیا۔ امرٹہ ضلع ناگپور کا اُردو مدرسہ اگرچہ از سر نو جاری کیا گیا، لیکن اس شان سے کہ اُس کا نیا اسٹان پچھلے اسٹان کی نسبت سے بقدر نصف کم کر دیا گیا اور مدرسہ مذکورہ کے مدرسوں کی تنخواہوں کا معیار بھی گھٹا دیا گیا۔ ایسی صورت حال میں کیا یہ امید کی جاسکتی ہے کہ امرٹہ کا یہ اُردو مدرسہ بہت دنوں تک جاری رہ سکتا ہے۔“

مطالبہ ۱۲۔ مسلم درگاہوں کی نگرانی کے لئے جداگانہ مسلم نگران مقرر کئے جائیں جیسا کہ بمبئی میں اس وغیرہ میں ہر فیصلہ کے الفاظ یہ ہیں:-

”دینی احوال ایک ڈپٹی ڈائریکٹر تعلیمات کو مسلمانوں کی تعلیم کا انچارج مقرر کیا جائے اور اس کے بعد جب کبھی مناسب موقع ملے تو ڈائریکٹر تعلیمات کے تحت میں ایک خاص تعلیمی افسر مسلمانوں کی تعلیم کا نگران اور متمم مقرر کیا جائے۔“

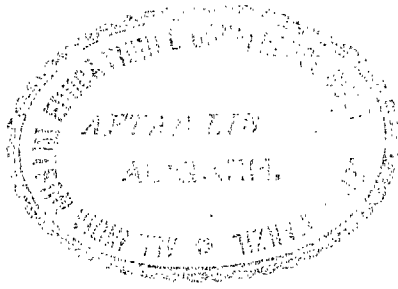
حکومت نے اس متفقہ فیصلہ کو بھی روی کی ٹوگری میں ڈال دیا اور فیصلہ کے بعد آٹھ نو مہینے کے دوران میں کبھی اس کو عمل میں لانے کی کوشش نہ کی۔

مطالبہ ۱۳۔ انجمن اسلامیہ ہائی جیلپور کو سرکاری مطبوعات کا کام اذ سر نو دیا جائے۔

حکومت نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ سرکاری مطبوعات کے ٹھیکہ کی شنوخی محض تجارتی اصول پر عمل میں آئی ہے۔ اگر انجمن اسلامیہ ہائی اسکول جیلپور مزید امداد کے لئے درخواست کرے تو اس پر ہمدردانہ غور کیا جائے گا۔

اگرچہ انجمن اسلامیہ ہائی اسکول جیلپور کے منتظمین نے متعدد بار امداد کے اضافہ کے لئے درخواست دی لیکن حکومت کو ہمدردانہ غور کرنے کی فرصت نہ مل سکی اور اسکول مذکور کی مقررہ امداد میں ایک پائی کا بھی اضافہ نہ کیا گیا۔

ہم نے معاہدہ کی صرف ان دفعات کو لیا ہے، جن کے متعلق فریقین کسی متفقہ حل پر پہنچے تھے، اور صرف انہیں مطالبات سے بحث کی ہے، جنہیں حکومت نے تسلیم کرے۔ ان پر عمل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ بہر حال مذکورہ بالا سطور سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے تعلیمی مطالبات کے سلسلہ میں خود حکومت نے جن باتوں کو مان لیا تھا، ان پر بھی اس نے عمل کرنے کی کوشش نہ کی، اگرچہ معاہدہ کے بعد اسے آٹھ نو مہینے اور حکومت کرنے کا موقع ملا۔



ایوان سہیلی

میں

کانگریس کی گلکاریاں

کہہ رہا ہی شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا طرف ہی، اتنا ہی وہ خاموش ہی

بات چیت کا طریقہ، سوال جواب کا انداز یا تقریر و تحریر کا طرز ہو، عام طور سے انسان کے رجحان طبع کا آئینہ دار اور اُس کی نفسیات کا غماز ہو کرتا ہے۔ ایک شخص اتفاقات کی سازگار ہی اور حالات کی استوار ہی سے یکایک انتہائے پستی سے کمال بلندی پر پہنچ جاتا ہے اور اگر اُس کی فطرت جو ہر شرافت سے مالا مال ہوتی ہے، تو اُس کا اظہار اُس کے ہر قول عمل سے ہو جاتا ہے، لیکن اُس کے خلاف اگر وہ پست فطرت اور کم ظرف ہے تو اختیار و حکومت کی عنان سنبھالتے ہی اس میں ایک ایسی ردِ عونت اور فرعونیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ انصاف اور رواداری کے مفہوم کو بھی سمجھنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ اس کلیہ کے ثبوت میں صوبہ و متوسط و برابر کی مجلس قانون ساز کی کارروائیوں کی کتابوں سے آئندہ صفحات میں چند نمونے پیش کئے گئے ہیں۔

صوبہ مذکورہ میں اسمبلی کے ممبروں کی کل تعداد ۱۱۲ ہے جس میں ۲ کانگریسی ممبر تھے۔ لازمی طور پر انھیں کانگریسی ممبروں نے وزارت کی تشکیل کی اور ۲ مہینے تک حکومت کی کشتی کی ناخدا بنی کرتے رہے۔ ایک سو بارہ کے ایوان میں مسلمان ممبروں کی تعداد صرف ۱۴ ہے۔ بھلا ایسی قابلِ رحم اقلیت بھی حکومت کا کچھ بگاڑ سکتی تھی، لیکن یہ واقعہ ہے کہ صوبہ کی کانگریسی وزارت اور کانگریس پارٹی کے ممبروں نے اسمبلی کے اندر ان مسلمانوں کے ساتھ جو حقارت آمیز اور رسوا کن سلوک کیا ہے، اُس کی داستان اتنی دردناک اور تکلیف دہ ہے کہ چند صفحات میں اُسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ چند موٹی موٹی باتیں یہ ہیں :-

(۱) عام طور سے مسلمانوں کے سوالات کے جوابات دینے میں طنز اور استہزاء کا پسوا اختیار کیا گیا۔ صریح اور واضح جواب دینے کے بجائے اکثر ٹال مٹول سے کام لیا گیا۔

(۲) کانگریس پارٹی کے ممبروں نے جو کھلی ہوئی اکثریت میں تھے، مسلمان ممبروں

کی تقریروں میں مداخلت کو اپنا شعار بنالیا تھا۔ اس سلسلہ میں صرف اکتوبر ۱۹۳۹ء کی کارروائی کا حوالہ کافی ہو گا جبکہ تجویز جنگ کے سلسلہ میں مسلم لیگ پارٹی کے ممبروں کی تقریروں میں بے حد مداخلت کی گئی اور جب کانگریس پارٹی کے ممبروں کی تقریروں کے دوران میں مسلم لیگ کے بعض ممبروں نے مداخلت کرنی چاہی تو ان کا بھونڈے طریقہ پر مذاق اڑایا گیا۔

(۳) کانگریسی ممبروں نے اپنی تقریروں میں ہمیشہ ”ہندی“ کا لفظ استعمال کیا، حالانکہ کانگریس کے دستور کے مطابق ملک کی عام زبان کا نام ہندوستانی ہے۔

(۴) جب کبھی مسلمانوں نے اردو کا مسئلہ اٹھایا تو اسمبلی کی کانگریس پارٹی کی طرف سے یہی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ صوبہ متوسط و برار میں اس زبان کا

وجود ہی نہیں اور اگر فرض محال صوبہ میں اس نام کی کوئی زبان ہو بھی تو وہ شہروں کے مٹھی بھر مسلمانوں کی۔ چنانچہ اسمبلی کی تسلیم شدہ زبانوں کے

مودہ قانون میں جب خاں صاحب عبدالرحمن خالصا ج نے یہ ترمیم پیش کی کہ تسلیم شدہ زبانوں کی ذیل میں ہندوستانی کو بھی تسلیم کیا جائے جو اردو

بسم خط میں لکھی جاتی ہے تو مٹر صوبے دار مٹر راجندر سنگھ اور دوسرے کانگریسی ممبروں نے انتہائی فرقہ دارانہ تقریریں کیں، ایسی تقریریں جن کی توقع ڈاکٹر

مونس نے اور دیگر سادہ کر سے بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ مٹر ہٹا (وزیر عدل و انصاف) نے اس موقع پر جو تقریر کی اس میں انھوں نے صوبہ کے آٹھ لاکھ مسلمانوں

کو ”خوردہ پیتی اقلیت سے تعبیر کیا“ کانگریسی ممبروں اور حکومت کے کانگریسی ارکان کے جذبات خفص و غضب میں اتنا شدید پہچان صرف اس لئے پیدا

ہوا کہ اسمبلی کی تسلیم شدہ زبانوں میں اردو کو بھی شامل کرنے کی استدعا کی گئی تھی۔ (کارروائی سی۔ پی۔ اسمبلی ۳۰ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۶۵۹)

(۵) کانگریسی ممبروں نے بھول کر بھی ایسے سوالات پوچھنے کی کوشش نہیں کی، جس کے جوابات میں بے واسطہ یا بالواسطہ مسلم مفاد کا پہلو نکل سکتا ہو۔ اس کے خلاف عام طور سے انھوں نے اس قسم کے سوالات پوچھے جن کے جوابات سے مسلمان سرکاری ملازمین اور مسلم حقوق کی پامالی کے راستے صاف ہوئے۔

(۶) التوائے اجلاس کی تحریک وہ ذریعہ ہے، جس سے حکومت کی پالیسی پر کتنے چلبلی اور اُسی کے طرز عمل سے بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ایک دو کے سو مسلمان ممبروں نے التوائے اجلاس کی جتنی تحریکیں مسلم مفاد کے متعلق پیش کیں، سب نا منظور کر دی گئیں، یہاں تک کہ اس قسم کی ۹۵ فی صدی تحریکوں کو اسمبلی کے کانگریسی صدر کی عارضی رضامندی بھی میسر نہ ہو سکی۔

(۷) صوبہ کی مجلس قانون ساز کا صدر مقرر گھنٹیاں دس گھنٹے ایسے کٹرفرے پرست کو منتخب کیا گیا، جو انٹرنیشنل آر بین لیگ ایسی فرقة دارانہ جماعت کے صدر تھے اور جنھوں نے سی۔ پی۔ اسمبلی کا صدر ہوتے ہوئے کبھی حیدر آباد کے خلاف آریوں کی ستیہ گرہ میں علانیہ حصہ لیا۔

(۸) اسمبلی کی کارروائیوں کی کتابوں میں اردو تقریریں بھی ہندی رسم خط میں لکھی گئیں اور جب مسلمانوں نے بہت پیچ و پکار کی تو بہت بعد میں محض اردو تقریروں کا خلاصہ اور وہ بھی انتہائی ناکافی طور پر درج کیا جانے لگا۔

آئندہ صفحات میں صرف نمونے کے طور پر کانگریسی دور حکومت کی مجلس قانون ساز کے سوالات و جوابات مع مختصر تبصرہ کے دیئے گئے ہیں، ان سے ناظرین خود فیصلہ کر لیں گے کہ ہم نے اوپر کی سطروں میں جو کچھ لکھا ہے وہ درست ہی یا نہیں۔

التوائے اجلاس کی تحریکیں اور

اُن کا حشر

اگست ۱۹۳۷ء میں موضع کرکا پور متعلقہ تھانہ تسمیر ضلع بھنڈارہ میں اونچی جاتی کے ہندوؤں نے ایک جلسہ کیا۔ اُس میں ہماروں (اچھوتوں) کو بھی بلایا گیا۔ جلسہ میں ایک تجویز پاس کی گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ ہماروں کو موضع مذکور کے مردہ جانوروں کو اٹھانا ضروری ہوگا۔ اور انہیں اس مضمون کا ایک تحریری معاہدہ پائے گا ہماروں کے انکار کرنے پر انہیں بیدردی سے پٹیا گیا، جس پر ہمارا اپنے گھریلو سامان اور جانوروں کو چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

مشر گھنشیام داس گپتا اسپیکر نے تجویز کو غیر ضروری قرار دے کر اسے پیش کرنے کی اجازت نہ دی (کارروائی اسمبلی ۱۸ دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۹۷)

حکومت کے اس طرز عمل پر کہ اُس نے کھام گاؤں، ملکاپور، پوسد اور صوبہ کے دیگر مقامات کے قرضہ پنچائتی بورڈوں کی تشکیل کئے وقت مسلمانوں اور اچھوتوں کو نظر انداز کر دیا اور ان بورڈوں میں ان کا کوئی فرد حکومت کی طرف سے نامزد نہیں کیا گیا۔

خاں صاحب عبدالرحمن نے یہ تحریک التوائے پیش کی۔

اسپیکر نے التوائے اجلاس کی اس تحریک کو بھی اس عذر ”معتول“ یا نامعتول کی بنا پر مسترد کر دیا کہ اس مسئلہ پر حکومت نے اپنی پالیسی کا اعلان کر دیا ہو کہ قرضہ پنچائتی بورڈوں میں نامزدگی فرقہ دارانہ اصول پر نہیں کی جاتی۔ اسپیکر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس کا تعلق حکومت کی پالیسی سے ہے، اور اگر اس پر تجویز کنندہ کو بحث کرنا ہی تھا تو انہیں اس موقع کے لئے ایک ریزولوشن پیش کرنا چاہئے تھا۔

۱۲ مارچ ۱۹۳۸ء کو جبل پور میں ایک ہندو مسلم فساد ہو گیا، جس میں چار مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ مسٹر این۔ پی۔ مصر ایک کانگریسی ممبر نے اسی سلسلہ میں پولیس اور مقامی افسروں کی بے انتظامی پر تحریک التوا پیش کرنے کا نوٹس دیا۔ مسٹر این۔ پی۔ مصر نے اپنی تحریک پیش کرتے ہوئے ایک انتہائی زہریلی اور مسلم آزار تقریر کی۔ گویا چار مسلمانوں کی جانیں ضائع ہونے کے بعد بھی ان کی تسلی نہ ہوئی تھی۔ غلط ہو یا صحیح چونکہ تجویز ایک کانگریسی ہندو کی طرف سے پیش کی گئی تھی اس پر نہ حکومت نے اعتراض کیا اور نہ اسپیکر صاحب نے۔

اس لئے طالت کے خوف سے یہاں ہم مسٹر این۔ پی۔ مصر کی تقریر پیش کرنے سے قاصر ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کارروائی اسمبلی مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۶۹۲)

~~~~~

دو دیا من رخصت کیٹی میں صوبہ متوسط و ہزار کے کسی مسلم ماہر تعلیم کے شامل نہ کرنے کے بارے میں مسٹر ہدایت علی ایم، ایل، اے نے ۲۵ مارچ ۱۹۳۸ء کو التوائے اجلاس کی تحریک پیش کی۔ حکومت کی طرف سے تحریک کی مخالفت کی گئی، لیکن اسپیکر نے تحریک پیش کرنے کی اجازت دے دی۔ اسپیکر کی طرف سے اگر کسی تحریک التوا کو پیش کرنے کی اجازت مل جائے بھی تو وہ نہیں پیش ہو سکتی، تاؤ قلیکہ ممبروں کی ایک مقررہ تعداد اسمبلی میں اپنی نشستوں سے کھڑی نہ ہو جائے۔ سی۔ پی۔ کی اسمبلی کے قوانین کی رو سے یہ تعداد اتنی زیادہ ہے، کہ بیچارے مسلمان جن کی تعداد پوری مجلس قانون ساز میں صرف ۱۴ ہے، کسی ایسی شہر کو پورا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اس تحریک کے سلسلہ میں بھی یہی ہوا کہ ممبروں کی مقررہ تعداد کے استادہ نہ ہونے کی وجہ سے تحریک مسترد ہو گئی۔

~~~~~

مسٹر شریف (سابق وزیر قانون) نے مسٹر ظفر حسین (الپنکٹر آف اسکولس ہرار ڈویژن) کی سزائیں ان کی درخواست رحم پر دہس کی تخفیف کر دی تھی۔ ہندوؤں اور کانگریسیوں کی عید ہو گئی۔ اس لئے نہیں کہ ایک قابل رحم قیدی پر رحم کیا گیا، بلکہ اس لئے کہ مسٹر شریف کو (اگرچہ وہ کانگریسی تھے مگر مسلمان) بدنام کرنے کے لئے ایک اچھا شگون ہاتھ آیا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے، کہ ایک مسٹر ظفر حسین کی درخواست رحم ہی پر ہمدردانہ فور نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اسی دوران میں اور اکثر قیدیوں کی سزائیں میں بھی تخفیف کی گئی تھی، جن میں ڈاکہ اور قتل کے ملزمین بھی تھے اور جن میں اکثریت ہندوؤں ہی کی تھی۔ بہر حال دوسرے قیدیوں کے مقدمات کو نظر انداز کر کے صرف مسٹر ظفر حسین کی رہائی کو ایک اہم معاملہ قرار دے کر مسٹر چٹوئیس (ہندو و ہماسہما) ایم۔ ایل۔ نے ۲۵ مارچ ۱۹۳۸ء کے التوائے اجلاس کی تحریک پیش کی۔ اگرچہ اسپیکر صاحب (مسٹر گھنشیام داس گپتا) نے تحریک کو اس بنا پر کہ وہ بعد از وقت پیش کی گئی، مسترد کر دیا۔ لیکن اپنا فیصلہ دیتے ہوئے آپ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے، ان کے ذریعہ آپ نے مسٹر ظفر حسین کی رہائی کے معاملہ کی اہمیت پر اپنی ہر تصدیق ثبت کر دی۔

”مجھے یہ کہنا لازمی ہو کہ ظفر حسین کی رہائی نے مفادِ عامہ کے ایک بڑے معاملہ کی شکل اختیار کر لی ہو، اور اس کے متعلق کسی شک تک کی گنجائش نہیں۔ مسئلہ مذکورہ کو نہ صرف صوبائی اہمیت حاصل ہو بلکہ بعض وجوہ سے وہ ”آل انڈیا“ مسئلہ ہو گیا ہو۔“

تحریک کو پیش کرنے کی اجازت نہ دیتے ہوئے بھی، نفسِ مسئلہ کے متعلق جناب صدر کی زوردار تائید قابلِ ملاحظہ ہو۔ اگر ہندو ہماسہما کے لیڈروں اور ان کے اخباروں نے ظفر حسین کی رہائی کے مسئلہ کو ”رائی کا پرست“ بنا دیا تو جناب اسپیکر صاحب کو کیا ہو گیا تھا کہ آپ نے بھی اُسی کی اہمیت کا فتویٰ صادر کر دیا۔ بات صرف

یہ ہے کہ ہمارے ہندو بھائی، کانگریسی ہوں یا مہاسہائی، ان کا نام سادہ کر دیا گیا ہے
 گنا ایک ہی پٹیل کے چٹے بٹے ہیں۔

چونکہ ظفر حسین صاحب کی رہائی کے ”اہم مسئلہ“ پر تحریک التوا کو پیش کرنے کی
 اجازت نہ دی گئی تھی، اس لئے اب اُسے ایک دوسرے انداز پر پیش کیا گیا اور
 فرقہ پرست ہندوؤں کی منشاء کے مطابق اُسے پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی۔
 اس مرتبہ ۲ قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ اٹھایا گیا اور مسٹر کھا پرڈے (انڈی پڈنٹ)
 ایم۔ ایل۔ اے۔ نے ان بہتر قیدیوں کے قبل میعاد رہا ہونے پر تحریک التوا کے
 اجلاس پیش کی۔ جناب صدر نے تحریک کو باضابطہ قرار دیتے ہوئے، اُس کے
 پیش کرنے کی اجازت دے دی، لیکن زنا بالجبر کے چاروں معاملات کا حوالہ دینے
 سے روک دیا (ظفر حسین صاحب کا معاملہ بھی انہیں چاروں معاملات کے اندر تھا)
 جناب صدر کا حکم اگرچہ ظاہر میں عین انصاف پر مبنی معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر
 ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا جائے تو انصاف کا پردہ چاک ہو کر رہ جاتا ہے۔ کیا
 تماشہ ہے کہ اصل تحریک میں تو ظفر حسین صاحب کی رہائی کا مسئلہ موجود ہے لیکن پھر
 بھی وہ بحث سے خارج ہے۔ مسٹر مٹا (وزیر قانون و انصاف) نے ان الفاظ میں جناب
 صدر کی توجہ اس طرف مبذول بھی کی کہ :-

”میرا خیال ہے کہ آنجناب لائق محرک کو زنا بالجبر کے ان چاروں
 مقدمات کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دے رہے، اس لئے
 میرا خیال تھا کہ تحریک میں اس کے متعلق ترمیم کر دی جائے گی۔
 (یعنی اصل تحریک سے زنا بالجبر کے مقدمات کا حوالہ نکال دیا
 جائے گا)“

اس کے جواب میں جناب صدر نے ارشاد فرمایا کہ میں نہ بالآخر کے چاروں مقدمات پر بحث کرنے کی اجازت نہیں دے رہا ہوں۔ کیا خوب اصل تحریک میں تو مقتدا مذکورہ بالا کا حوالہ دے دیا جائے اور محرک کو صرف ربانی طور پر ان پر بحث کرنے سے روک دیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ جب مجموعی حیثیت سے ۷۲ مقدمات پر بحث کی گئی، تو کیا ظفر حسین صاحب کا معاملہ جو ان ۷۲ مقدمات میں شامل ہے، اچھوتا رہ گیا ہے؟ ”باہمہ اور بے ہمہ“ کا مقولہ بہت دنوں سے سنتے آرہے تھے، لیکن اس کی صداقت کا علم مسٹر گفٹنام دا گپتا کے اس فیصلہ سے ہوا۔

۱۲ اگست ۱۹۳۸ء کو چاندور لبوا ضلع بلڈانہ (برار) میں آنرریل مسج لال بیانی ممبر کونسل آف اسٹیس صدر برار پراونشیل کانگریس کمیٹی، ڈاکٹر پار سینس صدر ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی بلڈانہ اور مسٹر جگدپو صدر ملکا پور تحصیل کانگریس کمیٹی کا جلوس باجے گا بجے کے ساتھ من جمعہ کی نماز کے وقت نکلنے مسجد کے سامنے سے گزرا۔

مسٹر محبت الحق، ایم۔ ایل۔ اے نے اس پر ۹ ستمبر ۱۹۳۸ء کے اسمبلی کے اجلاس میں التو اسے اجلاس کی تحریک پیش کی۔ نماز وہ بھی نماز جمعہ کے وقت، عام ادرا بازاری آدمیوں کا نہیں بلکہ آنرریل مسٹر مسج لال بیانی ایسے کانگریسی لیڈروں کا باجے گا بجے کے جلوس کے ساتھ نکلنے مسجد چاندور لبوا کے سامنے سے گزرا بھی کیا ایک معمولی اور غیر اہم حادثہ ہو سکتا ہے؟ لیکن اسپیکر صاحب نے صرف اس حذر کہ تحریک کو پیش کرنے میں دیر ہو گئی ہے اس کو مسترد کر دیا، اور فرمایا کہ اس تحریک کو اسی روز پیش ہونا چاہئے تھا جس روز اسمبلی کا موجودہ سیشن شروع ہوا تھا۔ آپ کی رولنگ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

”یا تو اس معاملہ (نکلنے مسجد کے سامنے سے آنرریل مسٹر بیانی وغیرہ کا باجے گا بجے

۲۱۱
 کے ساتھ گزرنا، نے سبک کے دماغ میں ایچی ٹیشن نہیں پیدا کیا، اور اگر اس نے پیدا کیا تو قابل محرک کو اپنی تحریک اُسی روز پیش کرنا چاہئے تھا، جس روز اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تھا۔“

گویا اسپیکر صاحب کے خیال میں کسی جلوس کا عین نماز کے وقت باجے گجے کے ساتھ مسجد کے سامنے گزرنا، اسی صورت میں ایچی ٹیشن پیدا کرنے کا سبب ہو سکتا ہے جبکہ اُس کے متعلق التوائے اجلاس کی تحریک فوراً ہی پیش کر دی جائے یعنی کسی واقعہ کی اہمیت کا تعلق نفس واقع کے بجائے اسمبلی میں اس کے جلد یا بدیر پیش ہونے سے ہے۔ حالانکہ انھیں اسپیکر صاحب نے ظفر حسین صاحب کے قبل میعاد رہا ہونے کے مسئلہ کو اگرچہ وہ ان کی رہائی کے پورے چالیس دن کے بعد اسمبلی میں پیش ہوا، مفاد عامہ سے متعلق ایک اہم مسئلہ قرار دیا۔ صرف اس لئے کہ ہندوؤں نے اُس کے بارے میں خوب پردیگنڈا کیا تھا، اور یہ کرنا اُن کے لئے آسان تھا، کیونکہ اُن کے صوبہ متوسط اور ہندوستان میں ان گنت اخبارات ہیں۔ اس کے خلاف اگرچہ آرمیل مسٹر بیانی وغیرہ کا عین نماز کے وقت باجے گجے کے ساتھ گزرنا مسلمانوں کے لئے کتنا ہی دل آزاری کیوں نہ ہو، لیکن صرف اس بنا پر اُس کی اہمیت سے چشم پوشی کی جاسکتی ہے کہ صوبہ کے غریب مسلمانوں کے پاس اپنے ایچی ٹیشن کو موثر بنانے کا کوئی کامیاب ذریعہ نہ تھا۔

اپریل ۱۹۳۸ء میں کھام گاؤں (برار) میں ایک آریہ سماج کا نفرین منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت مسٹر گھنیشام سنگھ گپتا نے فرمائی جو اُس وقت صوبہ کے اسمبلی کے بھی صدر تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک پرانے معاہدہ کی رو سے کھام گاؤں کی بعض مسجدوں کے سامنے سے باجے کا جلوس نہیں گزر سکتا، لیکن مسٹر گھنیشام سنگھ گپتا

کے جلوس پر بھلا اس معاہدہ کا اطلاق کیونکر ہو سکتا تھا۔ سرکاری ملازموں کی شامت آئی تھی کہ وہ مسٹر گپتا کے جلوس پر کوئی پابندی عائد کرتے، چنانچہ آپ کا جلوس ہی شان و شوکت اور باجے کا بجے کے ساتھ ممنوعہ مسجد کے سامنے سے گزرا۔

خاں صاحب عبدالرحمن خاں صاحب نے ۹ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو اس کے متعلق التوائے کے اجلاس کی تحریک پیش کی جو اسی ”بعد از وقت“ کے پرانے کھلاڑے سے قطع کر دی گئی۔

دو یا مندر ٹریننگ اسکول در دھام میں کچھ مسلمان اساتذہ بھی تربیت حاصل کرنے گئے تھے، لیکن ان کی تعلیم کا انتظام اردو ذریعہ تعلیم سے نہیں کیا گیا تھا، اس پر خافتا عبدالرحمن خاں صاحب نے التوائے اجلاس کی تحریک پیش کی۔ اسپیکر صاحب نے اس اہم تحریک کو بھی اسمبلی کے چند قوانین کی آڑ میں مسترد کر دیا۔

۴ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو حکومت نے ایک بیان نکالا تھا، جس میں مادری زبان کی تشریح یہ کی گئی تھی کہ مادری زبان سے مراد وہ زبان ہے جو کسی علاقہ کی اکثریت کی زبان ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ صوبہ کے ۲۲ لاکھ مسلمانوں کی نظر میں جن کی صوبہ کے کسی علاقہ میں اکثریت نہیں ہے حد اہم تھا کیونکہ اس تعریف کی رو سے بالکل خلاف واقعہ اردو کو ان کی مادری زبان تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا تھا۔ چنانچہ ہدایت علی صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے بجا طور پر ۹ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو اس کے متعلق التوائے اجلاس کی تحریک پیش کی جو جب دستور سابق اسپیکر صاحب کی بارگاہ سے نامنظور ہو گئی۔

مجلس قانون ساز کے صدر کا انتخاب

۳۱ جولائی ۱۹۳۷ء کو ایوان اسمبلی ناگپور میں مجلس کے صدر کا انتخاب عمل میں آیا۔ کثرت رائے سے مسٹر گھنیشام داس گپتا صدر انٹرنیشنل آرین لیگ صدر منتخب ہوئے۔ جون ہی نتیجہ انتخاب کا اعلان کیا گیا۔ ایوان کے کانگریسی ممبروں نے ”ہمات گاندھی کی بے“ اور ”بندے ماترم“ کے نعرے بلند کئے۔ مبارکبادی کی تقریروں کے بعد مسٹر کھرے (وزیر اعظم) نے صدر سے التجا کی کہ کارروائی شروع ہونے سے پہلے منراٹھیا بانی کا لے ایم۔ ایل۔ اے کو ”بندے ماترم“ کا گیت گانے کی اجازت دی جائے۔ صدر کی اجازت کے بعد منر کا لے نے یہ گیت گایا۔

”ہمات گاندھی کی بے کا نعرہ متانہ“ اور ”بندے ماترم“ کا گیت اکثریت کی فتح کا ترجمان ہی نہیں بلکہ اس امر کا اعلان بھی تھا کہ اب صوبہ متوسط و ہرا میں ”رام راج“ قائم ہو گیا ہو، اور اب حکومت کے بل پر گاندھی ازم کو پھیلایا جائے گا۔

ضلع ناگپور میں ایک ہندو سپرنٹنڈنٹ پولیس کے زمانہ میں
ایک تحصیل میں تین مسلم ملازمین پولیس کی نرپائی

مسٹر افتخار علی ایم۔ ایل۔ اے جبل پور کے ایک سوال نمبر ۵۵ مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۷ء کا جواب دیتے ہوئے مسٹر کھرے (وزیر اعظم) نے کہا کہ ۲۵ مارچ ۱۹۳۷ء سے ۱۵ اگست ۱۹۳۷ء تک اے صاحبی۔ این کو ضلع ناگپور کے قائم مقام سپرنٹنڈنٹ پولیس ہے اور انھیں کے زمانہ میں تحصیل سادیر ضلع ناگپور کے تین مسلم ملازمین پولیس منریاب ہوئے۔ یوں تو اصولاً بھی نزلہ عضو ضعیف پر گرتا ہو، لیکن کانگریس راج میں اس

اصول پر انتہائی سختی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ جس کے ثبوت میں تفصیل ساؤتیر ضلع ناگپور کے تین مسلم ملازمین کی سزایابی کو پیش کیا جاسکتا ہو۔ ملحوظ رہے کہ اس تفصیل میں ان تین بدتمت مسلم ملازمین پولیس کے علاوہ کسی ایک غیر مسلم ملازم پولیس کا بال بیکا نہیں ہوا۔ کانگریسی راج اور پھر ہندو سپرنٹنڈنٹ پولیس، بھلا غریب مسلمان کب تک محفوظ رہ سکتے تھے۔

قرضہ پنچائی بورڈ مرواڑہ ضلع جبل پور

اور

مسلمانوں کی عدم نمائندگی

۱۹۳۷ء
سٹرائٹھار علی ایم۔ ایل۔ اے جبلپور کے ایک سوال (نمبر ۱۰۔ مورخہ ۶ اگست ۱۹۳۷ء) کا جواب دیتے ہوئے سٹریکولے (وزیر مالگزارہی) نے کہا کہ قرضہ پنچائی بورڈ مرواڑہ ضلع جبل پور کے اراکین کی تعداد نو ہو اور ان میں کوئی مسلمان نہیں۔ اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اس سے پہلے ڈپٹی کمشنر جبل پور قرضہ پنچائی بورڈ مرواڑہ کے لئے سفارشی ناموں کی فہرست حکومت کو بھیجی مرواڑہ کے مسلمانوں نے ایک یادداشت کے ذریعہ متوجہ کیا تھا کہ وہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی نمائندگی کی بھی سفارش کریں۔ جب سٹرائٹھار علی نے اس سوال کے ضمن میں یہ معلوم کرنا چاہا کہ آیا ڈپٹی کمشنر جبلپور کی طرف سے کسی مسلمان کے نام کی بھی سفارش کی گئی تھی تو وزیر مالگزارہی نے اس بہانے سے کہ انھیں اس سوال کا نوٹس پہلے ملنا چاہئے تھا، جواب دینے سے انکار کر دیا۔ بہر حال اس سوال

جواب سے یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، مختلف کمیٹیوں کی نامزدگی کے سلسلہ میں کانگریس حکومت کی پالیسی کیا تھی۔

محکمہ زراعت

اور مسلمان

خالصا صاحب عبدالرحمن خاں ایم۔ ایل۔ اے۔ کھام گاؤں برار کے ایک سوال (نمبر ۲۵- مورفہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء) کے جواب میں مسٹر شکلا (وزیر تعلیم و زراعت وغیرہ) نے فرمایا کہ محکمہ زراعت کے پراونشیل گریڈ میں ایک بھی مسلمان نہیں اور سب آڈینیٹ سرورس میں کل ملازمین کو ملا کر مسلمان ملازمین کا تناسب ۵۹ ہر ۱۰۰ ہے۔ محکمہ مذکورہ میں ۳۹ عارضی آسامیوں میں سے صرف ایک مسلمان کو دی گئی۔ کیا قیامت ہے کہ اس پر بھی کانگریس یہی دعویٰ کرتی رہی کہ اُس کی وزارتوں نے مسلمانوں کے ساتھ صرف انصاف ہی نہیں کیا بلکہ رعایتیں بھی کی ہیں۔

سوالات کے جوابات دینے میں

حکومت کی بے توجہی

مسٹر افتخار علی ایم۔ ایل۔ اے۔ جلیپور نے منڈلہ میونسپلٹی کے متعلق ایک سوال (نمبر ۳۵- مورفہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء) پوچھتے ہوئے یہ معلوم کرنا چاہا کہ پچھلے دس سال میں کتنے مسلمان منڈلہ میونسپلٹی میں منتخب ہوئے، کتنے سکنشن میں لئے گئے اور کتنے حکومت کی طرف سے نامزد کئے گئے۔ مسٹر وینکھ (وزیر) نے یہ جواب دیا کہ ان ممبروں کے

نام جو پچھلے دس سال کے انڈرمنڈلہ میونسپلٹی میں منتخب ہوئے، سلکشن میں لے گئے اور نامزد کئے گئے، صوبہ متوسط و برادر کے سرکاری گزٹ میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ سائل کو چاہئے کہ ان کی طرف رجوع کرے۔

جواب کی ستم طریقہ قابلِ داد ہے۔ مسٹر افتخار علی نے صرف مسلمانوں کی تعداد معلوم کرنی چاہی تھی، لیکن مسٹر ڈیشیکہ فرماتے ہیں کہ پچھلے دس سال کے سرکاری گزٹ کا مطالعہ کیا جائے جن میں ممبروں کے نام بھی درج ہیں۔ نہ معلوم مسٹر ڈیشیکہ اپنے جواب میں یہ کہنا بھول گئے کہ ممبروں کے ناموں کے ساتھ سرکاری گزٹ میں ان کے باپوں کے نام، پیشے اور عمریں بھی معلوم ہو جائیں گی۔ آخر حکومت کا نشر بھی تو کوئی چیز ہے۔ اکثریت رکھتے ہوئے اگر حکومت مل جائے تو اقلیت کے کسی فرد سے معاملہ کرتے ہوئے طنز اور استہزاء کوئی پہلو کیوں چھوڑا جائے۔

غلط بیانی کا شاہکار یا جھوٹ کا ہمالہ

عبدالرزاق خان صاحب ایم۔ ایل۔ اے (ہوشنگ آباد) نے سوال کیا (نمبر ۳۱۔ نمبر ۲۲ ستمبر ۱۹۳۸ء) کہ :-

”کیا یہ واقعہ ہے کہ بیٹول کی میونسپل کمیٹی نے اپنے یہاں کے واحد اردو گرلز اسکول کو توڑ دیا ہے اور لڑکوں کے اردو پرائمری اسکول کو امداد دینا بند کر دیا ہے؟“
 مسٹر شکلا (وزیر تعلیم) نے جو جواب دیا وہ غلط بیانی کا ایک ایسا شاہکار ہے جسے بلا مبالغہ جھوٹ کا ہمالہ کہہ سکتے ہیں ملاحظہ ہو ”No such school existed“ اس قسم کے مدرسے ہیں ہی نہیں۔

حالانکہ سکولاجی یہ جواب دیتے ہوئے اچھی طرح جانتے تھے کہ بیٹول میں لڑکوں کے ایک اردو مدرسہ کو بیٹول کی میونسپل کمیٹی نے بند کر دیا ہے اور دوسرے اردو گریس اسکول کی امداد و کالی ہے۔ کیونکہ سکولاجی کو بیٹول کے اردو مدرسہ کی طرف ایک سے زائد بار توجہ دلائی جا چکی تھی، یہی نہیں بلکہ کانگریس ہائی کمانڈ کے علم میں بھی یہ بات لائی گئی تھی اور بیٹول کے اردو اسکول کے اس قضیہ نے سارے ہندوستان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ یہاں اس سلسلہ میں مزید تفصیل سے اس لئے گریز کیا جاتا ہے کہ اس کا تفصیلی بیان کوئل سیلف گورنمنٹ کے تحت میں ضلع بیٹول کے بیان میں آئے گا۔

اندھار پوریاں بانٹے اور ہر بھر کر انہوں کو دے

جناب سید عبدالرؤف شاہ صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے ایک سوال (نمبر ۴۶ - مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۷ء) کیا کہ :-

”حکومت نے قانون امداد برائے صنعتکاروں کے رو سے کن کن انجمنوں یا اداروں کو امداد دی ہے؟“ مسٹر متا (وزیر مالیات) نے اپنے جواب میں بتایا کہ اب تک حکومت نے صرف دو دھاکے میسرز بھیراج جمنالال کو چاندہ میں باجس فیکٹری قائم کرنے کے لئے سالانہ ڈھائی سو سیل کے درخت تین سال کے لئے رعایتی نرخ پر دیئے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ میسرز بھیراج جمنالال سیٹھ جمنالال بجائے ممبر درنگ کمیٹی آل انڈیا کانگریس کا تجارتی نام ہے۔ بھلا جمنالال جی اپنے نیاز مندوں کے زمانہ حکومت میں تہ فائدہ اٹھاتے تو کب؟

بیٹول کا مدرسہ

اس مدرسہ کا ذکر پچھلے صفحات میں کسی بار آچکا ہے، یہاں پھر اس کا حوالہ پیش کرتے

سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کس طرح کانگریسی حکومت نے برابر ۲۷ مہینے تک اس مسئلہ کو لیت و لعل میں ڈال رکھا، اور آخر ایک دن خود رخصت ہو گئے۔

۳۸ راج ۳۸ء کو مسٹر ہدایت علی ایم۔ ایل۔ اے امر اوتی نے بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حکومت نے اردو مدرسوں کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا ہے، اپنے اسی دعوے کے ثبوت میں انہوں نے بیتول کے اردو مدرسہ کی مثال پیش کی جو پہلے ہندی مدرسہ میں ضم کر دیا گیا تھا اور بعد میں بالکل بند کر دیا گیا۔ ہدایت علی صاحب کی تقریر میں مہراجی (ونیپر لوکل سیلف گورنمنٹ) نے ان الفاظ میں مداخلت کی:-
بیتول کے جس اردو مدرسہ کے متعلق مقرر (ہدایت علی صاحب) نے کہا ہے کہ اُسے بیتول کی میونسپلٹی نے بند کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، تو یہ معاملہ ابھی حکومت کے زیر غور ہے اور ابھی کوئی انقطاعی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے۔

شاید اسی کا نام وضع داری ہے کہ بیتول کے اردو مدرسہ کے متعلق ۳۷ء میں حکومت نے جو کچھ کہا تھا ۳۸ء میں اسی کی صدا کے باز گشت کو سختی رہی، اور ۳۹ء میں بھی اسی کا اعادہ کیا گیا یہاں تک کہ ۳۹ء کے آخر میں کانگریسی حکومت مستعفی ہو گئی اور بیتول کی میونسپلٹی نے اس اردو مدرسہ کو پھر نہ کھولا۔

دو یا مندراسیکم کے وقت نہ کسی مسلمان ممبر اسمبلی سے مشورہ کیا گیا اور نہ اُسے رائے عامہ کے لئے مشہور کیا گیا خالص صاحب عبدالرحمن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۱۲ مورخہ ۵ راج ۳۸ء) کا جواب دیتے ہوئے مسٹر سکلا (ڈپٹی تعلیم) نے کہا کہ انہوں نے ایک بار دو یا مندراسیکم کے سلسلہ میں مسلم ممبران اسمبلی سے مشورہ کیا تھا، ٹھاکر چھیدی لال کے ایک ضمنی سوال کے جواب میں آپ نے یہ بھی کہا کہ بعض مسلم راکیوں اسمبلی نے دو یا مندراسیکم بھی قبول کر لیا تھا۔ اس پر خالص صاحب عبدالرحمن خاں صاحب

نے ان مسلمان ممبروں کے نام پوچھے۔ شکلا جی نے اس سوال پر اس بہانے کہ انہیں جواب دینے کے لئے وقت ملنا چاہیے۔ کوئی روشنی ڈالنے سے انکار کیا۔ چورنی اور پھر دیدہ و لیری۔ ذیل مسلمانوں کو نظر انداز کرنا اور جب اس تنگ نظری کی طرف توجہ دلائی جائے تو ڈھٹائی سی یہ کہنا کہ بعض مسلمان ممبروں کو دیا مندر نام قبول کر لیا تھا اس پر جب نام پوچھا جا تو جواب دینے سے پہلو ہتی کرنا۔ اگرچہ شکلا جی نے اصل واقعہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہو، لیکن ہم ایسا کرنے سے مجبور ہیں۔ ذیل میں تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

۱۹۳۸ء کے سرجسٹریشن سے پہلے برابر کے چند مسلم اراکین اسمبلی کسی کام کے سلسلہ میں مسٹر شکلا کے یہاں گئے۔ باتوں باتوں میں دیا مندر اسکیم کا ذکر بھی ہو گیا۔ شکلا جی نے فرمایا کہ اسکیم پر جو اعتراضات ہوں لکھ کر دیدیئے جائیں تاکہ وہ ان پر غور کر سکیں۔ ان مسلمان ممبروں نے اپنے اعتراضات تحریر میں شکلا جی کو دیدیئے۔ کاغذ کا سرنامہ ”دیا مندر“ تھا، اور اس کے ذیل میں پہلی دفعہ کے الفاظ یہ تھے :-

“THE NAME SHOULD BE EXCEPTABLE TO MUSLIMS.”

اس جملہ کا مفہوم شکلا جی نے یہ لیا کہ جو مسلمان ممبران کے جملہ پر گئے تھے، انہوں نے دیا مندر نام قبول کر لیا تھا، حالانکہ جملہ کا مفہوم صاف طور پر یہی ہو کہ نام ایسا ہونا چاہئے جو مسلمانوں کو قابل قبول ہو۔ اگر برابر کے چند مسلم ممبران اسمبلی نے یہ نام قبول کر لیا ہو تو بجائے SHOULD BE کے وہ صرف is پر اکتفا کرتے، یعنی نام قابل قبول ہونا چاہئے، کے بجائے نام قابل قبول ہی لکھتے۔

یہ ہو کنگریسی وزارت و وزارت کے ایک ذمہ دار ممبر کی دیانت داری کا نمونہ کہ اسے اسمبلی کے بھرے ہال میں بھی ایک معمولی اور واضح جملہ کا غلط مفہوم پیش کر سنے میں شرم نہ آئی۔

ایک مسلمان قیدی کی درخواستِ رحم قبول ہونے پر کانگریسی ممبروں کا اضطراب

باسم (ہار) کی میسجیل کمیٹی کے ایک سابق اور ہر دلخیز صدر قطب الدین کو ۱۹۳۶ء میں باسم کی عدالت سے ایک سال قید کی سزا ہوئی۔ اس نے تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۲۰۱ کی رو سے سٹر شریف (وزیرِ قانون) کو رحم کی درخواست دی۔ شریف صاحب نے حالات پر غور کرنے کے بعد قطب الدین کی سزا میں تخفیف کر دی۔ اس پر تیکونی کے کانگریسی ممبر سٹر جٹار کا توازن دماغی یہاں تک خراب ہوا کہ انہوں نے نہ صرف اس ایک سوال اور اس کے شاخ و برگ بلکہ متعدد ضمنی سوالات سے شریف صاحب کا ناک میں دم کر دیا، ملاحظہ ہو سوال نمبر ۱۱ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء۔ یہی جٹار صاحب جنہیں ایک مسلمان کی سزا میں تخفیف ہونے سے صدمہ عظیم پہنچا ایک دو نہیں بلکہ متعدد ہندوؤں کی سزائوں میں تخفیف ہونے پر کچھ نہ بولے۔ بات صرف یہ تھی کہ قطب الدین اور شریف دونوں مسلمان تھے، اور جب سٹر جٹار (وزیرِ عدل و انصاف) نے ہوشنگ آباد کے پان والے ہوسنگہ کو اسی ۲۰۱ کی رو سے چھوڑ دیا تو نہ سٹر جٹار کے کانوں پر جوں رینگے اور نہ کسی دوسرے کانگریسی ہماشہ کے جذبہ انصاف پسندی کو بھیس لگی۔ کیوں صرف اس لئے کہ ہوسنگہ مذکور ہندو تھا اور اس نے ایک معصوم مسلمان لڑکی کو قتل کیا تھا۔ پھر اس کو معاف کرنے والے بھی سٹر جٹار ایک ہندو وزیر تھے۔

فرقہ دارانہ فساد کی روک تھام کے لئے کانگریسی وزارت کا نوٹ بورد
کے قیام سے صاف انکار

مطرب عبدالرزاق خاں ایم۔ ایل۔ نے سوال نمبر ۸ مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۳۶ء کے ضمن

میں حکومت سے پوچھا کہ ”ایہ حکومت اس صوبہ میں انھیں لائن پریوینٹی بورڈ قائم کرنے کے لئے تیار ہے جیسا کہ پنجاب میں قائم کئے گئے ہیں۔“؟
 مسٹر کھرے (وزیر اعظم) نہیں۔

اس پریسٹر جنار ایم۔ ایل۔ نے دریافت کیا کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ مستقل طور پر پریوینٹی بورڈ قائم کئے جائیں، جو فرقہ دارانہ فادات کا تقصیفہ کریں۔ ڈاکٹر کھرے نے جواب دیا کہ ایس کی کوئی ضرورت نہیں۔“

اُس وقت تو نہیں لیکن بعد میں ان اتحادی کمیٹیوں کے قائم نہ کرنے کی مصلحت معلوم ہو گئی۔ جب صوبہ کے مختلف مقامات میں فرقہ دارانہ فادات ہوئے اور پولیس اور حکومت نے مسلمانوں کے خلاف بن مانی کارروائیاں کیں (ججہ عدل والفضا کے تحت میں جو واقعات درج کئے گئے ہیں، اُن کا مطالعہ فرمایا جائے)۔

کھام گاؤں، دریا پور اور آردی کے قرضہ پنچاستی بورڈوں میں مسلمانوں کی عدم نمائندگی

مسٹر ہایت علی ایم۔ ایل۔ نے کے ایک سوال (نمبر ۵۰ - مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۳۳ء) کے جواب میں مسٹر گولے (وزیر مالگری) نے کہا کہ کھام گاؤں، دریا پور اور آردی کے قرضہ پنچاستی بورڈوں کے اراکین میں ایک رکن بھی مسلمان نہیں، لیکن کھام گاؤں اور دریا پور کے بورڈ میں ایک ایک مسلمان کا تقرر میرے پیش نظر ہے۔ میرا ارادہ آردی کے بورڈ میں کسی مسلمان کو نامزد کرنے کا نہیں۔

اس پر ایک کانگریسی ممبر مسٹر کولے نے پوچھا کہ ”کیا ان بورڈوں کی تشکیل فرقہ دارانہ اصول پر کی جاتی ہے۔“

اول تو مسلمانوں کو کمیٹیوں کی تشکیل کے وقت نظر انداز کیا جاتا ہے اور جب کوئی مسلمان

اسی ایک طرف پالیسی کی طرف حکومت کو توجہ دلاتا ہے تو کانگریسی ممبر اسے فرقہ پرستی سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیا خوب؟

نہ تڑپنے کی اجازت ہو نہ فریاد کی ہو

سُئی۔ پی کے سرکاری ملازم سرکاری خرچ پر گاندھی جی چرنون کے

مشرقی، ایس پاگے ایم۔ ایل۔ اے نے ایک سوال کے ذریعہ (نمبر ۹۳ مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۳۷ء) حکومت سے پوچھا کہ:-

”کیا یہ حقیقت ہے کہ صوبہ کے بعض سرکاری ملازمین کسی اسکیم کے سلسلہ میں گاندھی جی کی خدمت میں جاتے رہے اور کیا یہ بھی واقعہ ہے کہ ان سرکاری ملازمین کو حکومت کے خزانے سے سفر خرچ دیا گیا۔ یہ سرکاری ملازم کس کے حکم سے گئے اور ان کو سفر خرچ کس کی منظوری سے دیا گیا؟“

مشر شکار (وزیر تعلیم) کے جواب کے بموجب چھ سرکاری ملازمین نے جن میں خود مشر شکار بھی شامل تھے مختلف اوقات میں شینگاؤں کی زیارت کی۔ یہ ملازمین مشر شکار کی بہت پرگئے اور ان کو سفر خرچ بھی انھیں کی منظوری سے ملا۔

یہاں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ ایک انگریز مشر اوون ڈائرکٹر تعلیمات کو چھوڑ کر سب نے مع مشر شکار اپنا سفر خرچ حکومت کے خزانہ سے وصول کیا۔ آخر کچھ بھی سہی لیکن انگریزوں اور ہندوؤں کی نفسیات کا فرق کہیں مٹ سکتا ہے ہسی۔ پی گورنمنٹ کے خزانہ کی اس لوٹ پر بے ساختہ وہ مشہور شل یاد آئی کہ:-

”حلوائی کی دوکان دادا جی کا فاتحہ“

حکومت کے انتظامی معاملات میں کانگریس کمیٹیوں کا اثر

مستر ایس۔ کے چوہان ایم۔ ایل۔ اے۔ - جبل پور (سوال نمبر ۹۶ - مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۳۶ء)
 ”کیا حکومت کو جبل پور کے فادات دسہرہ کے سلسلہ میں تحقیقاتی کمیٹی مقرر کرنے کے بارے میں شہر کانگریس کمیٹی جبل پور کی طرف سے کوئی تجویز ملی ہو اور کیا حکومت اُس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار ہو؟“

مستر کھرے (وزیر غظم) نے اپنے جواب میں تجویز کے وصول پانے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ”اسی سیشن میں جبل پور میں تحقیقاتی کمیٹی مقرر کئے جانے کے بارے میں ایک غیر سرکاری تجویز پر بحث کی جائے گی“

حکومت کے معاملات میں کانگریس کمیٹیوں کی دخل اندازی سے عدل انصاف کا خون جس بے دردی سے بہا ہو، اُس کا اندازہ جبل پور کے اُن فادات سے کیا جائے جو وہاں ۱۹۳۷ء کے دسہرہ کے فادات کے بعد مختلف اوقات میں ہوتے رہے اور جن میں مسلمانوں کو جانی و مالی نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا گیا۔

قرضہ پنچائتی بورڈوں کے قیام کے سلسلہ میں حکومت کی ”مسلم نوازی“

۹ دسمبر ۱۹۳۶ء کو سید عبدالرؤف شاہ صاحب کے ایک سوال نمبر ۶ کا جواب دیتے ہوئے مسٹر گولے (وزیر مال گزاردی) نے کہا کہ جب سے کانگریس نے وزارت کی گدی پر آئیں جایا ہو، صوبہ متوسطہ و برادر میں نو قرضہ پنچائتی بورڈ قائم کئے گئے ہیں اور ان میں سے صرف ایک بورڈ میں ایک مسلمان نامزد کیا گیا ہو۔

اس حقیقت کے باوجود کانگریس کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ سب کو ایک آنکھ سے دیکھتی ہو۔

تجاہل عارفانہ

خان صاحب عبدالرحمن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے (سوال نمبر ۱۰- مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۳۷ء) جگکادوں ضلع بلدائہ برار کی میونسپلٹی کے بارے میں حکومت سے یہ دریافت کیا کہ اُس کا قیام کب عمل میں آیا ہے اور جب سے وہ قائم ہوئی ہے کتنے مسلمان اُس میں حکومت کی طرف سے نافذ کئے گئے ہیں۔

مسٹر مصر (وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ) نے یہ جواب دیا کہ جگکادوں کی میونسپلٹی ۱۹۳۲ء میں قائم ہوئی ہے لیکن سوال کے دوسرے حصہ کے بارے میں خاں صاحب کو ہدایت کی کہ وہ سرکاری گزٹ کا مطالعہ کریں۔ اس پر خاں صاحب نے کہا کہ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ ایک مسلمان بھی نامزد نہیں کیا گیا۔ یہ سننے ہی مصر اجمی نے فوراً کہا کہ ۱۹۳۱ء میں ایک مسلمان نامزد کیا گیا تھا، جیسا کہ سرکاری گزٹ کے مطالعہ سے معلوم ہو گا۔

سوال یہ ہے کہ جب مسٹر مصر کو یہ معلوم تھا کہ ۱۹۳۱ء میں ایک مسلمان جگکادوں میونسپلٹی کا ممبر نامزد کیا گیا تھا، تو انہوں نے کن وجوہ کی بنا پر خاں صاحب کو سرکاری گزٹ کا راستہ بتایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تجاہل عارفانہ کے پردے میں صرف یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ صاحب اختیار ہم ہیں، جی چاہے گا تو سوالات کے جوابات دیں گے، ورنہ باتوں باتوں میں ٹال دیں گے۔

مسٹر سارکر صدر آل انڈیا ہندو مہا سبھا کی فرقہ وارانہ تقریریں پر حکومت کی مجرمانہ خاموشی

دسمبر ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا ہندو مہا سبھا کے صدر مسٹر سارکر نے ناگپور اور صوبہ کے دوسرے

مقامات پر انتہائی فرقہ دارانہ اور ذہرتی تقریریں کیں۔ مسٹر ہدایت علی ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۳ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۸ء) کے جواب میں مسٹر کھرے (وزیر اعظم) نے یہ تسلیم کیا کہ مسٹر سادور کی تقریریں مجموعی حیثیت سے فرقہ دارانہ نہیں لیکن حکومت نے اُن کے خلاف کوئی کارروائی مناسب نہیں سمجھی۔ حالانکہ انھیں ڈاکٹر کھرے صاحب نے اس سے چار روز پہلے بحث پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جہاں تک فرقہ پرستی کا تعلق ہے حکومت کی نظر میں ہندو مسلمان کا کوئی امتیاز نہیں، لیکن اس کے باوجود ہندوؤں کے مشہور مسلم لیگی کارکن مسٹر محمد اصغر وکیل پر تو فرقہ دارانہ تقریروں کے کرنے پر مقدمہ چلایا جائے، لیکن مسٹر سادور کے ساتھ باندھ کر نہیں لے کر جاسکے۔

کانگریس اُج یا برہمن اُج

خانصاحب عبدالرحمن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے کے سوال (نمبر ۳ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۳۸ء) کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر کھرے (وزیر اعظم) نے کہا کہ اپریل ۱۹۳۸ء کے بعد سول سکرٹریٹ میں جن ملازمین کا تقرر کیا گیا، اُن کے نام مع تعلیمی قابلیت کے ضمیمہ (ب) میں درج ہیں۔ یہ ضمیمہ اسی روز کی کارروائی میں صفحہ ۸۰ پر درج ہے۔ اس کے دو سے تاریخ مذکور کے بعد سول سکرٹریٹ میں کل ۲۵ ملازمین لئے گئے، جن میں ۱۰ برہمن ہیں، ۴ مسلمان، ایک اینگلو انڈین، ایک دیسی عیسائی ایک ہمار (اچھوت) اور بقیہ غیر برہمن ہندو ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے کہ صوبہ متوسط و ہار میں برہمنوں کی تعداد غیر برہمن ہندوؤں کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور وہ غیر معمولی اقلیت میں ہیں۔ اگر کسی محکمہ میں مسلمانوں کی تعداد ان کے تناسب سے زیادہ تھی، تو کانگریسی وزیروں نے اس امر کو بار بار پیش کیا ہے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ وہ مسلمان پر کتنے مہربان ہیں، لیکن بھول کر بھی کبھی ان

وزیروں نے برہمنوں کی اجادہ داری کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ کانگریسی راج اور برہمنی راج دو الگ الگ چیزیں تھیں۔

اشرفیوں کی لوٹا ور کوٹلوں پر مہر

کانگریسی وزارت کا انوکھا فیصلہ

مستر تھو ارمی ایک کانگریسی رکن اسمبلی نے ایک سوال (نمبر ۱۸ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۳۸ء) کے ذریعہ پوچھا کہ :-

”کیا یہ واقعہ ہے کہ مسٹر رضوی نے ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء کو اپنے دس بارہ رفقا کے ساتھ گندئی کے ڈاک بنگلہ میں قیام کیا اور کیا ان کا اس ڈاک بنگلہ میں قیام کسی سرکاری کام کے سلسلہ میں تھا؟“

ڈاکٹر کھرے (وزیر عظم) کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مسٹر رضوی نے ۱۰ جنوری کو چھ ساتھیوں کے ساتھ گندئی کے ڈاک بنگلہ میں قیام کیا۔ چونکہ گندئی کا ڈاک بنگلہ اسے پورا اور ناگپور کے راتہ میں نہیں، اس لئے رضوی صاحب نے جب اس ڈاک بنگلہ کو لیا تو وہ اپنی ڈیوٹی پر نہ رہے ہوں گے۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے پورے ہاؤس ایت کر دی گئی ہے کہ وہ رضوی صاحب سے بنگلہ کا کرایہ وصول کر لے۔

مستر رضوی نئی اصلاحات کے آنے سے پہلے صوبہ متوسل و برادر کی مجلس قانون ساز کے صدر تھے۔ جب ۱۹۳۷ء کے اوائل میں مسٹر گھوڑہ رادھ مال شیر سکرٹری آف سسٹیمس فار انڈیا لائن نے صوبہ میں عارضی وزارت مرتب کی تو مسٹر رضوی کو بھی اپنی کینٹ میں شامل کیا۔ مسٹر رضوی اس کے پورے رہنے والے ہیں اور وہ اسی حلقہ سے اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے کانگریسی راج میں مسٹر رضوی یوں بھی بیکش نہ جاتے، اس کے ساتھ انھوں نے غضب یہ کیا کہ عارضی وزارت کے

بنانے میں بھی حصہ لیا۔ وہی مثل ہوئی ”کہ یلا کڑوا اور پھر نیم چڑھا“ پورے پندرہ مہینے کے بعد گڑے مردے اکھاڑے گئے۔ ڈسٹرکٹ کونسل رائے پور کو ہدایت کی گئی کہ ۱۹۳۷ء کی شب کو گندئی کے ڈاک بنگلہ میں قیام کرنے کا کرارہ جوہر مثل چار پانچ روپیہ ہوگا، رضوی صاحب سے وصول کیا جائے۔ اس کے مقابلہ میں حکومت کے وزراء اور سرکاری ملازمین بار بار شینگاؤں کا مذہبی جی کی خدمت میں جاتے ہیں، دروہا میں سیٹھ جمنالال بجاج کی ہمان نوازیوں کا لطف اٹھاتے ہیں اور ان کا سفر خرچ حکومت کے خزانہ سے دیا جاتا ہے اور وہ بھی سیکڑوں اور ہزاروں روپیہ۔ یہاں ایک اور واقعہ یاد آگیا، جس سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ کانگریسی وزارت کے زمانہ مبارک میں حکومت کا خزانہ کس بے دروہی سے تباہ کیا گیا ہے۔

یادش تعمیر جب مسٹر شریف وزیر قانون تھے تو انھوں نے کانگریس ہائی کمانڈ کے بعض اراکین سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے مختلف اوقات میں ٹرنک ٹیلیفون کے ذریعہ کلکتہ سے گفتگو کی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد انھیں وزارت سے ہاتھ دھونا پڑا، اور ادھر ٹیلیفون والوں کا بل پہنچا۔ شریف صاحب نے بل پر یہ لکھ کر کہ انھوں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی مجلس عاملہ کے بعض ممبروں سے سرکاری کام کے سلسلہ میں گفتگو کی تھی، اس لئے بل کی رقم حکومت کے خزانہ سے ادا کی جائے۔ چنانچہ بارگاہ وزارت سے شریف صاحب کے حق میں فیصلہ ہوا، اور بل حکومت کے خزانہ سے ادا کر دیا گیا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کانگریسی وزارت کے دوران میں یہ کانگریسی وزراء ٹرنک ٹیلیفون کے ذریعہ کانگریس ہائی کمانڈ کے نو رتنوں سے خوب خوب باتیں کیا کرتے تھے اور ٹیلیفون کا سارا بل حکومت کے خزانہ سے ادا کیا جاتا تھا۔ حکومت سے ٹرنک ٹیلیفون کے بل کی ادائیگی کے مطالبہ کے سلسلہ میں اگر شریف صاحب کی مثال پہلی ہوتی، تو ہرگز بل کے ادا کرنے کا فیصلہ حکومت کی طرف سے نہ کیا جاتا۔ سول سکرٹریٹ کے کاغذات ہمارے اس نعوہی

کو ثابت کرنے کے لئے بتیاب ہیں، لیکن انہیں سکریٹریٹ کی آہنی الماریوں سے نکالنا اور پھر یہاں پیش کرنا ہمارے بس میں نہیں۔

عجیب منطق

۱۹۳۸ء
فاضل صاحب سیٹلین صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے ایک سوال (نمبر ۷ - مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۳۸ء) کو ذریعہ حکومت کو توجہ دلائی کہ برہان پور (سی۔ پی) میں بہت دنوں سے صرف غیر مسلم سرکاری ملازم ہی تعینات کئے جا رہے ہیں۔ اس سوال پر کانگریسی حلقوں میں بہت لے دے ہوئی۔ مسٹر انویا بانی کالے ڈپٹی اسپیکر نے اس سلسلہ میں جو ضمنی سوال کیا درج ذیل ہے:-
”دیکھا یہ صحیح ہے کہ جب کبھی برہان پور میں مسلمان افسر تعینات کئے گئے وہاں فرقہ وارانہ جھگڑے ہوئے“

اگرچہ ڈاکٹر کھرے نے اُس وقت وقت کی تنگی کا عذر پیش کر کے اس سوال کا جواب ٹال دیا، لیکن بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ کانگریسی دزدان عموماً مسلمان ملازمین کے خلاف کینہ رکھتے تھے اور ہمیشہ اُن کے درپے آزار دہتے تھے جیسا کہ ڈاکٹر کھرے کے اُس بیان سے واضح ہے جو اُنہوں نے مسٹر سکھاکے اُس بیان کے جواب میں جو اُنہوں نے ۸ دسمبر ۱۹۳۷ء کو جیل پور سے شائع کیا تھا، ناگپور میں ۲۱ دسمبر ۱۹۳۷ء کو دیا۔ ڈاکٹر کھرے کے اس بیان کو آپ ”جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے“ کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

اگر اس سوال کو مسٹر چٹنویس جو ہندو مہاسبہا کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے ہیں، کرتے تو ہیں چنداں شکایت نہ ہوتی لیکن حیرت تو یہی ہے کہ یہ سوال کسی معمولی کانگریسی ممبر کی طرف سے بھی نہیں بلکہ مسٹر انویا بانی کالے کی جانب سے پوچھا گیا جو صوبہ کی مجلس قانون ساز میں کانگریس کی طرف سے ڈپٹی اسپیکر منتخب کی گئی تھیں۔

پولیس کے ملازمین کو ”بندے ماترم“ کے گانے کے وقت کھڑے ہونے کی ہدایت

مٹرا جی تیوادی ایک کانگریسی نمبر اسمبلی کے ایک سوال (نمبر ۱- مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۳۸ء) کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر کھرے (وزیر اعظم) نے بتایا کہ پولیس کے ملازمین کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ جب ان کی موجودگی میں کسی جلسہ میں ”بندے ماترم“ کا گیت گایا جائے اور لوگ کھڑے ہوں تو ان کو بھی اخلاقاً کھڑا ہونا چاہئے۔

ظاہر ہے کہ پولیس کے ملازمین میں ہندوؤں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ہیں، جن کے دلوں میں ”بندے ماترم“ کی کوئی وقعت نہیں۔ حکومت کی کمرسی سے یہ اخلاقی وعظ ہی یا سرکاری ملازمین کی شخصی اور مذہبی آزادی کا پروانہ موت۔ یہ اخلاقی وعظ قریب قریب اسی قسم کا ہے جس کا حوالہ اکبر الہ آبادی مرحوم نے اپنے ایک شعر میں دیا ہے، جو انھوں نے پھلی عالمگیر جنگ کے موقع پر کہا تھا۔

شاہ جرسن نے کہا اک دن جناب پوپ سے وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن ہاں توپ سے

معاملہ اب تک پیر غور ہی

خانصاحب عبدالرحمن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۹- مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۳۸ء) کے جواب میں مٹرا گوکھلے (وزیر تعلیم) نے کہا کہ انہوں نے ۲۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو بیٹول کا دورہ کیا اور وہاں کی انجمن اسلامیہ نے ان کی خدمت میں اردو مدرسہ کے بند کئے جانے کے متعلق ایک یادداشت بھی پیش کی جس پر انھوں نے غور کرنے کا بھی وعدہ کیا تھا۔

۲۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو جناب وزیر تعلیم صاحب بیٹول تشریف لے گئے، اور آپ نے انجمن اسلامیہ کے ایڈریس کے جواب میں فرمایا کہ اردو مدرسہ کے متعلق غور کیا جائے گا۔

پورے ایک سال کے بعد یعنی ۱۹ ستمبر ۱۹۳۶ء کو پھر آپ نے یہی جواب دیا کہ ”بیٹول کے
 آدوہ برسہ کا معاملہ ابھی حکومت کے زیرِ غور ہے۔ اس موقع پر اس کے سوا اور کیا کہا جائے
 کہ کون جیتا ہو ترے زلف کے سرخنے تک

اضلاع امر اوتی، اکولہ و ریوت محل کے لوکل بورڈوں کے انتخابات میں مسلمانوں کی ناکامی اور عدم نمائندگی

سٹرہایت علی ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۲۹ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۳۶ء) کے
 جواب میں حکومت نے بتایا کہ ضلع امر اوتی کے لوکل بورڈ کے پچھلے انتخابات میں ایک مسلمان
 بھی منتخب نہیں ہو سکا۔ ضلع اکولہ میں صرف ایک مسلمان اور ضلع ریوت محل میں چار مسلمان
 لوکل بورڈوں کے انتخابات میں کامیاب ہوئے۔

صوبہ متوسط و برابر میں لوکل سیلف گورنمنٹ کے ماتحت اداروں میں مشترکہ انتخاب
 جاری ہے۔ یہاں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ امر اوتی، اکولہ اور ریوت محل برابر میں واقع
 ہیں، جہاں مسلمانوں کی آبادی دیہات میں نسبتاً زیادہ ہے، جب ان اضلاع میں مسلمانوں
 کا منتخب ہونا غیر ممکن اور دشوار ہو تو سی۔ پی کے دوسرے مقامات کے بارے میں کچھ کہنا ہی
 بے کار ہے۔ مشترکہ انتخاب کا نتیجہ اور وہ بھی کانگریس راج میں اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

صوبہ کے متعدد قرضہ پنچایتی بورڈوں میں مسلمانوں کی عدم نمائندگی

خانصاحب عبدالرحمن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۴۲ مورخہ
 یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء) کے جواب میں کہا کہ حسب ذیل مقامات کے قرضہ پنچایتی بورڈوں میں حکومت
 کی طرف سے کوئی مسلمان نہیں نامزد کیا گیا۔۔۔

(۱) آردی (۲) ملتانی (۳) بھین سیڈھی (۴) کاٹل (۵) سادنیر (۶) گوندیا۔
 (۷) بلا پیلور (۸) بہتر (۹) جبل پور (۱۰) مروارہ (۱۱) باسم (۱۲) ایچپور (۱۳) موری
 کانگریسی وزارت کی مسلم نوازی میں اس کے بعد بھی کوئی شک کرے تو اس کی نصیحتی؟

”ہندوستانی“ کی تعریف اُردو داخل نہیں

خالصا صاحب عبدالرحمن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۵ مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء) کے جواب میں حکومت نے کہا کہ دیانند ٹرننگ اسکول ردھا میں سارے مضامین کی تعلیم مرہٹی اور ہندوستانی کے ذریعہ دی جاتی ہے؟ اس پر خاں صاحب نے ایک ضمنی سوال کے ذریعہ پوچھا کہ کیا ہندوستانی سے حکومت اُردو کو بھی مراد لیتی ہے۔
 مٹرگوٹھلے (وزیر تعلیم) نے فرمایا کہ ”میں ایسا نہیں سمجھتا“

کراچی کانگریس کے ہندوستانی روزیویشن کی اس سے اچھی تشریح اور کیا ہو سکتی ہے۔

اُردو نوازی کی ایک مثال

خالصا صاحب عبدالرحمن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۳۳۔ مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء) کے جواب میں حکومت کی طرف سے بتایا گیا کہ دیانند ٹرننگ اسکول ردھا کے طلباء کے لئے ”ہندی کے چار، مرہٹی کے پانچ اور اُردو کا صرف ایک ہفتہ وار اخبار ”ناج“ نامی فراہم کیا جاتا ہے“ لہٰذا خاطر ہے کہ ہندی اور مرہٹی کے اخبارات میں اکثریت روزانہ اور سہ روزہ اخبارات کی تھی۔ جبکہ اُردو کا صرف ایک گم نام ہفتہ وار اخبار جاری کیا گیا۔

ہندوستانی کے پردہ میں ”اُردو نوازی“ کی یہ مثال کس قدر دلچسپ ہے۔

ودیا مندر ٹرننگ اسکول میں گوشت کا قحط

خالصا صاحب عبدالرحمن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۶۵)۔
مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء) کا جواب دیتے ہوئے حکومت نے کہا کہ وودیا مندر ٹرننگ اسکول
ور دھاکے طلباء کو صرف دال، بھجیا، چپاتی اور ترکاریاں دی جاتی ہیں۔ مسلمان
طالب علموں کو بھی گوشت (بکری کا) نہیں دیا جاتا۔

جو لوگ مسلمانوں کی نفسیات سے واقف ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان بیچاروں
کو ترک حیوانات پر مجبور کرنا، اُن کے اوپر کتنا بڑا ظلم ہے۔

یہ ہی مستقبل کے ہندوستان کا وہ نمونہ، جو کانگریسی راج میں تیار ہوا۔ انگریز کو ہندوستان
میں حکومت کرتے ہوئے ڈیڑھ سو برس سے زائد ہوئے، لیکن کیا اس نے بھی کبھی کھانے
پینے کے معاملہ میں اس قسم کا جبر روا رکھا ہے۔

ایک معصوم مسلمان لڑکی کے قاتل کو معاف نہ کیا جاتا تو

تو انصاف کا خون ہوتا

مسٹر ایس۔ ڈبلیو۔ اے رضوی۔ ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۲۶)۔ مورخہ
۲۰ مارچ ۱۹۳۹ء) کے جواب میں مسٹر مٹھا (وزیر قانون) نے کہا کہ ہوشنگ آباد کے
ایک پان والے بوسنگہ نے پریم کمار ایک گیارہ سالہ مسلمان لڑکی کو پان میں نہر دے کر
اس کی ہلاکت کا باعث ہوا۔ بوسنگہ مذکور کو سیشن کورٹ سے موت کی سزا ہوئی،
جو بائی کورٹ سے بھی بحال رہی۔ مسٹر مٹھا نے فرمایا کہ مقدمہ کے کاغذات کو دیکھنے کے
بعد اگر وہ قاتل کو معاف نہ کرتے تو انصاف کا خون ہو جانے کا احتمال تھا۔ اس سلسلہ
میں مزید تفصیل محکمہ قیام امن و قانون کے تحت میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کی عدم نمائندگی

فاضل صاحب عبدالرحمن خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے کے ایک سوال (نمبر ۴۲ مورخہ ۲۰ مایچ ۱۹۳۹ء) کے جواب میں مسٹر گوٹھلے (وزیر تعلیم) نے کہا کہ نئے انتظام کے تحت میں ۱۰ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولس مقرر کئے گئے ہیں۔ سوال کے متعلق اس تاریخ کی اسمبلی کی کارروائی کے ضمن میں ”د“ میں انسپکٹروں کے نام بھی دیئے گئے ہیں جو سب کے سب غیر مسلم ہیں۔

کیوں نہ ہو کانگریس راج میں کہیں مسلمانوں کو بھی بار مل سکتا ہو۔ جہاں قید بند، گرفتاری اور نذر کا معاملہ ہوتا ہو، حکومت کو ایک دو نہیں سینکڑوں مسلمان مل جاتے ہیں، لیکن نہیں ملتے تو ملازمتوں کے لئے۔

سادہ لوحی یا ڈھٹائی

مذکورہ بالا سوال کے سلسلہ میں سر دار اے۔ ایس سیگل ایم۔ ایل۔ اے نے حکومت سے پوچھا کہ آیا ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولس کو مقرر کرتے وقت حکومت کے پیش نظر جو انٹ پبلک سروس کمیشن کا وہ سرکل تھا جو صوبہ متوسط و ہمارے محکمہ تعلیمات کے متعلق ۲۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو شائع ہوا۔ وزیر تعلیم نے کہا کہ ”یہ سرکل ان کے علم میں نہیں“ اس پر ٹھاکر چیدی لال صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے پوچھا کہ کیا جو انٹ پبلک سروس کمیشن کے سرکل حکومت کی اطلاعات میں شامل نہیں۔ اس کے جواب میں بھی وزیر تعلیم نے یہی فرمایا کہ ”یہ سرکل ان کے علم میں نہیں“۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

انڈھیر نگری چوٹ راج

اس سوال کے ضمن میں سردار اے۔ ایس سیگل ایم۔ ایل۔ اے نے حکومت سے پوچھا کہ جب حکومت نے محکمہ تعلیمات کے درجہ اول کی ملازمت کو توڑ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا تو پھر کن وجوہ کی بنا پر راول صاحب موہنی کو درجہ اول عطا کیا گیا۔ اگرچہ وزیر تعلیم نے اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی لیکن ہمارا تو خیال یہ ہے کہ راول صاحب نے ودیا مندر اسکیم کے سلسلہ میں ضرور کچھ نہ کچھ کار نمایاں کیا ہو گا۔ ورنہ ایک طو شدہ پالیسی کے بعد ان کا درجہ اول حاصل کر لینا آسان نہ تھا۔

بلا سپور تحقیقاتی کمیٹی

مٹر راول کو وندراؤ سی۔ پی کے سابق گورنر اور حال میں سرکریٹری آف ایسٹس فار انڈیا پچھلے الکشن میں بلا سپور سے امیدوار تھے اور اسی حلقہ سے کانگریس نے بھی اپنا امیدوار کھڑا کیا تھا جو کئی ہزار ووٹوں سے ہار گیا۔ یہ ایک ایسا چرکا تھا کہ نہ صرف صوبہ کی کانگریس کمیٹی بلکہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی بھی تلمل کر رہ گئی۔ بعد میں عارضی وزارت قائم کر کے مٹر راول نے جلے پر اور تیل چھڑکا۔ چنانچہ جب کانگریس نے وزارت کی گدی بٹھالی تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ بلا سپور کے الکشن کے بارے میں ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی مقصود یہ تھا کہ حکومت کے بل پر یہ ثابت کیا جاسکے کہ مٹر راول نے الکشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کئے تھے۔ اس کے لئے حکومت نے ابتدا میں ۲۸۱۲۹ روپیہ منظور کئے تھے، بعد میں اس سے زیادہ خرچ کیا گیا۔ کئی مہینے تک جب ایٹری چوٹی کا زور لگا رہا تو بھی الزامات ثابت ہونے لگے نظر نہ آئے تو تحقیقاتی کمیٹی توڑ دی گئی۔ محض ایک خیالی بنیاد پر حکومت کا ہزاروں روپیہ تحقیقات پر صرف کر دینا، اور جب خود اپنے

اوپر زور دیتی نظر آنے لگے تو تجھقات کا سوا ایک قسم کر دینا، صرف کانگریس ہی کو زیب نہ سکتا
ہی۔ سیاسی مخالفین سے انتقام لینے کا یہ کینہ کو بہ ہر نصف مزاج کی نفرت و ملامت
کا مستحق ہے۔ (سوال نمبر ۹۔ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۱ء)

**تین مسلمانوں کے عارضی نائب تحصیلدار مقرر کئے جانے پر
کانگریسوں کا غیض و غضب**

جل پور کشنری کے ایک انگریز کزن نے کہیں تین مسلمانوں کو جو پہلے قانون گو تھے
عارضی نائب تحصیلدار مقرر کر دیا۔ بس اتنی سی بات پر کانگریسوں کے تن بدن میں آگ
لگ گئی۔ پہلے اس پر راجندر سہنا ایم۔ ایل۔ نے ۱۹ مارچ ۱۹۳۹ء کو سوالات کی
بوجھ کر دی۔ اُس کے بعد پھر ۲۱ مارچ ۱۹۳۹ء کو یہی سوال اٹھایا گیا اور متعدد کانگریسوں
نے انتہائی فرقہ وارانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا۔ اسی ضمن میں سردار اے۔ ایس سیگل ایم۔ ایل۔ نے
کا ایک سوال ملاحظہ ہو:-

دیکھا حکومت اس سے واقف ہے کہ ڈپٹی کزن اور کزن جیلو جن کے زمانہ میں تین مسلمانوں کو
عارضی نائب تحصیلدار مقرر ہوئے) کا رجحان خاص کسی ایک خاص قوم کو فائدہ پہنچانے کی طرف
ہی؟ اس قسم کے متعدد سوالات اٹھا کر چھیدی لال۔ ایم۔ ایل۔ نے صدر مہاکوشل کانگریس کمیٹی
منر انسویا بانی کالے ڈپٹی سپیکر اسمبلی اور دوسرے کانگریسوں سے کہے۔ مگر گولے ایم۔ ایل۔ نے
نے تو کزن جیلو (منٹر گرین فیلڈ) سے کیفیت طلب کی جو جانے کا مشورہ دیا۔ یہ سارا ہنگامہ محض
اس لئے برپا کیا گیا کہ دوسرے اتفاق سے تین مسلمان ملازمین کو عارضی ترقی مل گئی تھی۔
(سوال نمبر ۳۵۔ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء اور سوال نمبر ۲۹۔ مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۹ء)

ایک غریب قابل رحم ہندو لڑکی کو پناہ دینے پر کانگریسی اخباروں اور ممبران اسمبلی کی جھنج و پکار

نوبرس کی ایک ہندو لڑکی ساگر (سی۔ پی) کی سڑکوں پر بھیک مانگنا کرتی تھی۔ ایک دن وہاں
کے مسلمان کو تو ال شہر کے یہاں بھی گئی۔ کو تو ال صاحب کی رحم دل بیوی نے کھانا بھی دیا اور کپڑے بھی
نیکٹل خاتون کے اس جتنی سلوک کو دیکھ کر لڑکی بار بار آتی رہی اور ہمیشہ اُس کی امداد کی گئی۔
لڑکی نے کو تو ال صاحب اور اُن کی بیوی کو اپنا نام حمیدہ بتایا۔ یہ لڑکی کچھ دنوں تک کو تو ال صاحب
کے یہاں ہی اور اُن کے گھر والوں کے ساتھ مختلف مقامات پر بھی گئی۔ اگرچہ لڑکی نے اپنا نام
مسلمانوں کا سا بتایا تھا، پھر بھی کو تو ال صاحب نے غالباً ازراہ احتیاط اُس کو دوبار ساگر کے ہندو
یتیم خانہ میں داخل کیا، جہاں سے وہ بھاگ بھاگ کر پھر کو تو ال صاحب کے یہاں چلی آئی۔ کو تو ال
صاحب نے اس لڑکی کو نہ اسلام میں داخل کیا اور نہ اُس کی مرضی کے خلاف اُس کو اپنی گھر میں
لڑکی کے بارے میں یہ واقعات سڑک پر طلبہ ملکہ موتی ایم۔ ایل۔ اے کانگریسی کے سوال نمبر ۱
مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۳۸ء کے جواب میں خود مسٹر سنگھ (وزیر اعظم) نے بتائے۔ لیکن اس سے
بہت پہلے صوبہ کے دو کانگریسی اخباروں نو بھارت (۱۳ مئی ۱۹۳۸ء) اور فوجیون (۲۸ مئی
۱۹۳۸ء) نے اس کے بارے میں خوب خوب رنگ آمیزیاں کی تھیں اور ساگر کے کو تو ال شہر
کے استبداد پر جی کھول کر خامہ فرسائی کی تھی۔ جب اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو انہیں نو بھارت
اپریل ۱۹۳۹ء کو اسمبلی میں لڑکی کے بارے میں کانگریسی ممبروں کی طرف سے انتہائی گندی، نہ ہریلے
اور فرقہ دارانہ سوالات کئے گئے اور وہ ہنگامہ برپا کیا گیا کہ خدا کی پناہ۔

یہ ہی کانگریس کے بھلا بھگتوں کی قوم پرستی اور ”غیر فرقہ دارانہ ذہنیت“ کا مرقع کہ ایک مسلمان
ایک غریب ہندو لڑکی پر رحم کھا کر اُس کی امداد کرتا ہو اُسے کھانا کپڑا دیتا ہو، اُس نے اپنے
گھر میں دکتا ہو اور نہ مسلمان بناتا ہو، بلکہ ہندو یتیم خانہ میں بھیج دیتا ہو، لیکن ”عدم تشدد“

اور اہنسا، کے سچاریوں کی نظر میں، گردن زدنی ٹھیکرہا۔ لعنت ہی ایسی ”قوم پرستی“ پر جس کے پردہ میں ”فرقہ پرستی“ کے ایسے ذہریلے جرائم کی پردہ پوشی ہوتی ہو۔

خوبصورت دھوکا

پاٹن ساؤنگی ضلع ناگپور کے ہندو مسلمانوں میں ایک پولیس افسر کے سامنے ایک سمجھوتہ ہوا، جس میں فریقین کی رضامندی سے یہ قرار پایا کہ مسجد کے سامنے باجنا بکایا جائے گا ابھی سمجھوتہ کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی کہ پاٹن ساؤنگی کے ہندوؤں نے یہ کہہ کر کہ سمجھوتہ پر پولیس افسر نے ان کے دستخط جبراً کر کے ہیں اس کو کالعدم قرار دیا۔ کانگریسی حکومت نے پاٹن ساؤنگی کے ہندوؤں کا یہاں سولہ آئین سمجھا، ابھی نہیں بلکہ تلافی یافت کا بھی انتظام کر دیا گیا، یعنی ناگپور کے ڈپٹی کمشنر نے ایک حکم کر دیا کہ پاٹن ساؤنگی کے ہندوؤں کو ۲۴ گھنٹے مسجد کے سامنے باجہ بجانے کا حق دے دیا اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ انھیں اس فیصلہ سے اختلاف ہو تو وہ عدالت دیوانی کی طرف رجوع کریں۔ جب اس مسئلہ کے متعلق مسٹر محبوب الحق ایم۔ ایل۔ اے نے ایک سال کے ذریعہ (نمبر ۷- مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۳۹ء) حکومت کی توجہ مبذول کرائی تو حکومت اور کانگریسی ممبروں نے عجیب عجیب ہوشگاریاں کیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر صرف ایک ضمنی سوال جو منتر انویا بانی کالے ڈپٹی اسپیکر نے کیا، اور مسٹر متا (وزیر اصفاف کی طرف سے اس کا جواب درج کیا جاتا ہے۔

سوال۔ ناگپور کا ڈپٹی کمشنر کون ہے، کیا وہ ہندو ہے؟

جواب۔ ناگپور کا موجودہ ڈپٹی کمشنر ایک آئرش مین (آئر لینڈ کا رہنے والا) ہے۔

اس سوال و جواب کے پڑھنے کے بعد خواہ مخواہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس ڈپٹی کمشنر نے پاٹن ساؤنگی میں ۲۴ گھنٹے مسجد کے سامنے باجہ بجانے کی اجازت دی وہ یقیناً یہی آئرش ڈپٹی کمشنر رہا ہوگا، کیونکہ ضمنی سوال کا تعلق تو ہر حال پاٹن ساؤنگی ہی کے قضیہ سے تھا، نہ کہ ضلع ناگپور کے کسی دوسرے مقام کے جھگڑے سے۔ یہ جواب دینے سے مسٹر متا کا مطلب اس کے سوا

اور کچھ نہ تھا کہ دنیا کو یہ بتا دیا جائے کہ پاٹن ساؤنگی میں ۲۴ گھنٹہ مسجد کے سامنے باجہ بھانے کی اجازت
 ایک یورپین ٹی ٹی کشر نے دی اور اسی طرح اس نے جو اجازت نامہ دیا اس میں فرقہ پرستانہ ذہنیت
 کا شائبہ نہ تھا۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر قائم رہتی ہو کہ جس ٹی ٹی کشر نے پاٹن ساؤنگی میں ۲۴ گھنٹہ
 باجہ بھانے کا پروانہ جاری کیا تھا وہ یورپین ٹی ٹی کشر نہ تھا بلکہ ایک ہندو ٹی ٹی کشر یعنی سٹر
 تھا۔ اب سٹر تھا (ذیر انصاف) کی چالاکی ملاحظہ ہو۔ کہ کپا نے اپنے جواب میں صرف یہ
 فرمایا کہ دنیا گو کہ موجودہ ٹی ٹی کشر ایک آکرش میں ہو، حالانکہ سوال کا نشانہ یہ معلوم کرنا نہ تھا
 بلکہ یہ معلوم کرنا تھا کہ جس ٹی ٹی کشر نے ۲۴ گھنٹہ باجہ بھانے کی اجازت دی وہ کون تھا۔ وہ
 یہ کہ اس دوران میں ناگپور کے ٹی ٹی کشر ایک آکرش میں سٹر مینٹن تھے، اور جب ۲۳ مارچ ۱۹۳۹ء
 کو سٹر تھانے اسمبلی میں ضمنی سوال کا جواب دیا، اس وقت بھی وہی تھے، لیکن پاٹن ساؤنگی
 میں مسجد کے سامنے باجہ بھانے کا حکم جس ٹی ٹی کشر نے دیا وہ ایک ہندو سٹر تھا جسے جو سٹر مینٹن
 کے چھٹی چلے جانے پر ناگپور کے ٹی ٹی کشر مقرر کئے گئے تھے۔ سٹر تھا (ٹی ٹی کشر نے یہ حکم نامہ
 ۲۴ مارچ ۱۹۳۹ء کو جاری کیا۔

سٹر تھا (ذیر انصاف) نے اپنے جواب اسمبلی کے ممبروں کی آنکھوں پر خاک ٹال دی ہی تھی، لیکن
 پھر صدق "ہر فرعون نے راہی" ہم لوگوں کی تفتیش تحقیق کے بعد ان کے "فوجیہ و دھوکے" کا سارا
 تار پود بکھر گیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ پاٹن ساؤنگی میں باجہ بھانے کا حکم نامہ سٹر تھانے جاری کیا تھا جو
 اس وقت سٹر مینٹن کی جگہ ناگپور کے ٹی ٹی کشر تھے نہ کہ سٹر مینٹن نے جو آکرش میں تھے۔ جہاں
 مسلم آزادی کا تعلق ہو یہ تھا، نام ہی خوب ہو۔ ایک تھا (ذیر انصاف) نے ہوشنگ آباد کے
 مسعود مسلمان لڑکی کے ہنر قابل کو معاف کر کے مسلمانوں کے دلوں میں ناگپور کے لے کر دوسرے تھا صاحب
 ناگپور کے ٹی ٹی کشر نے پاٹن ساؤنگی میں ۲۴ گھنٹہ مسجد کے سامنے باجہ بھانے کی اجازت دے کر
 مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا اور تبلیغ کے تھا صاحب یعنی سب ڈائریل مجسٹریٹ ڈائری
 ضلع ناگپور نے اپنے سامنے سٹر تھا بھرے۔ کی کیبل کوئی اور سب کے سامنے باجہ بھانے کی اجازت
 اسی موقع کے لئے گئی تھی لہذا تھا باسپا پر پوٹہ پٹا پر گھوڑا، بہشت نہیں تو پھر اٹھوڑا۔

لوکل سلیف گورنمنٹ

بُت کدہ میں مطمئن رہنا مراد شوار تھا
بُت تو اچھے تھے برہمن درپے آزار تھا

(اگرالہ آبادی مرحوم)

لوکل سیلف گورنمنٹ

وزارت پر کانگریسیوں کا قبضہ تو وسط ۱۹۳۷ء میں ہوا۔ لیکن لوکل سیلف گورنمنٹ یعنی میونسپلٹی۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں۔ اور لوٹیفنڈ ایریا کمیٹیوں میں اکثریت بیشتر جگہ کانگریسی اکثریت کا عمل و دخل کم و بیش دس سال سے جاری ہی۔ کیونکہ یہ ادارات اصلاحات مانیفیسٹو اسکیم کے تحت بڑی حد تک مفہوم کے لحاظ سے تو ہرگز نہیں لیکن ارکان کے لحاظ سے ”جمہوری“ بنادئے گئے تھے۔ انتخابات کے ذریعہ کانگریسیوں نے اس پر قبضہ کیا۔ اپنی اکثریت قائم کرنے میں مختلف جگہ انھیں مختلف مدت صرف کرنی پڑی۔ جس جگہ بھی ان مذاقت اور قوم پرستی کے جھوٹے دعویداروں کا تسلط ہو گیا۔ وہاں مسلمانوں کے حقوق اور انہماک کے گلے پر کند چھری پھر گئی۔ کانگریس کے قبضہ اختیار میں ان ادارات کی باگ آتے ہی یہ تمام ادارے ہندو اکثریت و ذہنیت کا مرکز بن گئے۔ سارے سی۔ پی۔ و۔ ا۔ میں ایک جگہ بھی کوئی ایسی مثال نہیں بتائی جاسکتی جہاں اہنسا اور سچ کے پیروکاروں نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے ماقبل کے دور سے بہتر سلوک کیا ہو۔ لیکن ایسے سینکڑوں کیا بلکہ ہزاروں واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں کہ قوم پرستی کے ان دعویداروں نے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں کے جائز حقوق کو بھی پامال کر کے رکھ دیا ہی۔ اور نیابت اور ملازمت میں مسلمانوں کا حال ان جمہوری اجساد میں ڈوبتی ہوئی نبض کے مانند ہو گیا ہی۔ جو روز بروز گھٹتی چلی جا رہی ہی۔

صفحات مابعد میں ناقابل تردید واقعات اور مستند اعداد و شمار ایسے پیش کئے جا رہے ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ ہر جگہ جہاں کہیں کانگریس کا

تسلط ان اداروں پر ہو۔ مسلمانوں کو ان کی آبادی کے مطابق بھی حقوق حاصل نہیں بلکہ مذہبی آزادی اور شہری حقوق پر بھی جا بجا قیود اور پابندیاں عاید کر دی گئی ہیں۔

یہ چیز ہر جگہ نظر آئے گی کہ بذریعہ انتخاب مسلم نیابت بنسزلہ صفر ہی نامزدگی کے ذریعہ سے نیابت پر کرنے کے بعد بھی نیابت کا تناسب آبادی سے کم ہے۔ اور ملازمتوں میں یہ تناسب بہ لحاظ تعداد ملازمین اور بھی کم ہے۔ ان سب پر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ تنخواہ کی رقم کا تناسب تعداد کے تناسب سے بہت زیادہ کم ہے۔ اور اس صورت حال کا نام ہے ”مسادات اور قوم پرستی“

افسوس ہے کہ باوجود کوشش کے صوبہ متوسطہ و برار کے تمام ادارات بالکل سیلف گورنمنٹ کے اعداد و شمار ہیٹھ نہ آتے اور متعدد جگہیں باقی رہ گئیں۔ ہر ادارے کا تفصیلی حال الگ الگ درج کیا گیا ہے۔ تاکہ مکمل تصویر سامنے آجائے۔ نیابت مدارس اور ملازمین کی تعداد و درج کی گئی ہیں وہ مستند ذرائع سے حاصل کی گئی ہیں۔ اور اعداد و شمار جولائی ۱۹۷۷ء تا دسمبر ۱۹۷۷ء میں سے کسی ایک ماہ کے لئے گئے ہیں۔

تعلیم اور منہج کے سلسلہ میں کانگریسی اکثریت نے جو سلوک مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی نیت یہی ہے کہ مسلمانوں کو رفتہ رفتہ اچھوتوں کی حالت تک پہنچا دیا جائے۔ اور اگر کانگریسی حکومت کو زیادہ دنوں تک برسرِ اقتدار رہنے کا موقع ملے اور مسلمان جان پر کھیل کر اس کا مقابلہ نہ کریں تو یقیناً کانگریسی ہندو اپنے مقصد کی تکمیل میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

یہ اعداد و شمار اور واقعات کانگریسی ذہنیت کا مریخ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ

زبان حال سے اس حقیقت کی مزید تائید کر رہے ہیں کہ دستور حکومت ہند میں
 اقلیتوں کے حقوق کے استحفاظ کے لئے جو اختیارات خصوصی گورنر کو دئے
 گئے ہیں ان کی حیثیت روپی کاغذ کے ٹکڑے سے زیادہ نہیں ہے۔

ہوشنگ آباد۔ (میونسپل کمیٹی)

آبادی:- کل ۱۲۳۳۲ ————— مسلمان ۲۰۳۱ ————— مسلم تناسب ۱۶ تقریباً

نیابت:- کل نمبران ۱۸ ————— مسلمان ۲ ————— مسلم تناسب $\frac{1}{9}$

لازمیتیں:- کل ۱۹۴ ————— بھنگی ۱۲۵ ————— ماسٹر ۲۷ ————— بقیہ اسٹاٹ ۴۱

۲۷ ماسٹر میں ۵ مسلمان ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اردو اسکول میں مسلمان ماسٹر

رکھنے کی تجویز ہوتی ہے۔ ۱۱ نمبران اسٹاٹ میں صرف ایک مسلمان ہے۔ اس

طرح بھنگیوں کو چھوڑ کر ۶۸ ملازمین میں سے چھ مسلمان ہیں۔ یعنی ملازمت میں

مسلم تناسب $\frac{1}{4}$ سے بھی کم ہے۔

تنخواہ:- اوسط ماہانہ تنخواہ ۱۳۵۰۰ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے بھنگیوں کی

تنخواہ وضع کرنے کے بعد بقیہ ملازمین کو دھائی ہزار ماہانہ ملتا ہے۔ جس میں

سے مسلمان کو دو سو ماہانہ یعنی مسلم تناسب $\frac{1}{10}$ سے بھی کم ہے۔ اس سے

معلوم ہو گا کہ آبادی کے تناسب سے نیابت کا تناسب کم ہے۔ اور ملازمت کا اس سے

بھی کم ہے۔ پھر ملازمت کے تعدادی تناسب کے برابر تنخواہ کا رقمی تناسب

نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کم ہے۔

تعلیم:- پرائمری اسکول ۵ = مہندی ۴ - اردو ۱

ماسٹر ۲۷ = " " ۴ (ان میں صرف دو ٹریٹڈ ہیں)

ہندی اسکول میں فی اسکول ماسٹروں کا اوسط $\frac{3}{4}$ ہے اور وہیں ۴۔

بین بورڈ اسکول کے ایک ماسٹر ہیراشنگہ کو پچیس روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔ حالانکہ ٹرینڈ نہیں ہے اور ماسٹروں کو صرف بائیس ملتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نوادش کا ٹکڑا ہے اکثریت نے ہلاکسی معقول وجہ کے اُس کے ساتھ کی ہے۔

لاہوری :- ٹاؤن ہال لاہوری پبلک لائبریری ہے۔ اس کو میونسپل کمیٹی گرانٹ دیتی ہے مگر اس میں نہ اردو کتابیں ہیں نہ اردو اخبارات آتے ہیں۔

فراہمی گوشت اور متعلقات :- فیس مندرجہ چھوٹے جانوروں پر فی راس ۰.۲ رو اور سینک دار جانوروں پر فیس ۱ رو ہے۔

اگرچہ کمیٹی یہ فیس وصول کرتی ہے مگر مندرجہ کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ قصابوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے بارہا اس کی طرف توجہ دلائی گئی مگر مندرجہ اب تک نہیں بنا۔

ہوشنگ آباد۔ ڈسٹرکٹ کونسل

نیا بت :- کل ممبران ۲۵ ————— مسلمان ۲ (کانگریسی اور نامزد شدہ)

ملازمین :- ماسٹروں کو چھوڑ کر کل ۵۳ ملازم ہیں جن میں مسلمان ۱ تنخواہ :- اسٹاف کی تنخواہ ماہانہ تیرہ سو روپیہ ہے۔ جن میں سے مسلمان کو ۵ روپیہ ملتا ہے۔

تعلیم :- کل ۱۵۵ اسکول ہیں ۱۴۱ پرائمری۔ ۱۴ ملڈل۔ سب ہندی کے۔ اردو کا ایک بھی مدرسہ نہیں ہے۔ سالانہ خرچ ہندی اسکولوں پر انسٹی ٹیوٹ رورپیہ سے زائد ہے۔

ماسٹر :- کل ۳۷۸ ماسٹر ہیں جن میں سے مسلمان ۱۶ ہیں۔

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام

- (۱) لڑکوں کے لئے :- پرائمری ہندی میونسپل اسکول چار (ماسٹر ۲۳-)
- گورنمنٹ ہائی اسکول (دو بی زبان ہندی) ایک -
- (۲) لڑکیوں کے لئے :- گورنمنٹ پرائمری گرلز اسکول دو - ایک ہندی - ایک مرہٹی -

مسلمانوں کی تعلیم

- (۱) لڑکوں کے لئے :- اردو اسکول ایک (چار ماسٹر) ہائی اسکول میں ایک ماسٹر اردو - پرشین ماسٹر کی منظوری ہوئی، لیکن مقرر نہیں کیا گیا۔
- (۲) لڑکیوں کے لئے :- کچھ نہیں۔

ٹامارسی :- میونسپل کمیٹی

- آبادی :- کل ۱۱۶۸۶ مسلمان ۲۱۲۶ - مسلم تناسب $\frac{1}{5}$ سو زیادہ
- نیابت :- کل ۱۸ مسلمان ۲ - مسلم تناسب $\frac{1}{4}$
- لازمیتیں :- کل ۱۴۸ - بھنگی ۸۴ - ماسٹر ۲۸ - بقیہ اسٹاف ۳۶
- بھنگیوں کو چھوڑ کر کل ملازم ۶۴ - مسلمان ۱۰ - مسلم تناسب $\frac{1}{5}$ سو کم
- تنخواہ :- کل تنخواہ ۲۲۲۵ روپیہ ماہانہ - بھنگیوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد تقریباً پندرہ سو روپیہ ممبران اسٹاف کو ملتا ہے۔ جس میں سے مسلمان کو ۱۵۶ روپیہ مسلم تناسب $\frac{1}{4}$
- آبادی سے نیابت کا تناسب کم - آبادی سے ملازمت کا تناسب کم - اور تنخواہ کا رشتی تناسب تو بہت ہی کم ہے۔

تعلیم :- ہندی کے تین پرائمری اسکول (دو لڑکوں کا - ایک لڑکیوں کا) اور ایک ہائی اسکول۔

اُردو کالج پبلیٹی کی طرف سے کوئی اسکول نہیں ہے۔ انجمن نور الاسلام کا اُردو مڈل اسکول ہے جس میں دو انگریزی کلاس ہیں۔ پرائمری کلاسوں میں اوسط تعداد طلباء کی ۲۴ (۲۰۵ لڑکے - ۳۹ لڑکیاں) اور مڈل میں ۳۴ (۴۱ لڑکے ۲ لڑکیاں) ہے ماسٹروں کی تعداد گیارہ (۶ پرائمری ۴ مڈل) ہے۔ میونسپلٹی اس اسکول کے لئے صرف آٹھ سو روپیہ سالانہ گرانٹ دیتی ہے حالانکہ اس کا سالانہ خرچ اٹھارہ سو روپیہ ہینہ کا ہے۔ میونسپلٹی تین پرائمری ہندی اور ایک ہائی اسکول (جس میں اُردو فارسی کے لئے صرف ایک ماسٹر ہے) کا بھی خرچ برداشت کر رہی ہے مگر اُردو پرائمری اسکول کے لئے پورا خرچ دینے کو تیار نہیں۔ نہ اسکول کے لینے کو تیار ہے۔ میونسپل کمیٹی کی ذمیت اس امر سے بخوبی معلوم ہوگی کہ اسی انجمن کے تحت ایک شینہ مدرسہ تعلیم بالذات کے لئے ہے جس میں دو ماسٹر ہیں اور پڑھنے والوں کی تعداد ۶۴ کے قریب ہے مگر میونسپلٹی اس کے لئے ایک پیمہ گرانٹ نہیں دیتی برخلاف اس کے ہر مڈل اسکول کو جہاں پڑھنے والوں کی تعداد چالیس ہے دو سو روپیہ سال گرانٹ ملتا ہے اور منسکرت پاٹ شالہ کو جو صرف برہمنوں کے لئے مخصوص ہے اور پڑھنے والوں کی تعداد پندرہ سے زیادہ نہیں تو روپیہ سال گرانٹ ملتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہر مڈل پرائمری اسکول کو بھی صرف تو روپیہ سال گرانٹ دیا جاتا ہے شینہ اُردو مدرسہ کتنا مقبول اور غیر فرقہ دارانہ ہے اس کا اندازہ ماسٹر ہادی ڈال چین ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز ہونشک آباد کی مندرجہ ذیل تحریر سے جو انہوں نے اس مدرسہ کو دیکھ کر معائنہ رپورٹ میں لکھی ہے کیا جاسکتا ہے :-

”مجھے جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ اردو
پڑھنے کی جدوجہد میں ہندو اور مسلمانوں کا متحدہ
اجتماع ہے۔“

دستخط بہاری لال جین۔ بی۔ بی۔ ایل۔ ایل۔ بی۔
بی۔ ٹی، ڈسٹرکٹ انکسٹر آف اسکولز ہونٹنگ آباد

۱۹۲۹ء

سکریٹ باٹ شامل جیسے کٹر فرقہ دارانہ ادارے کو جو صرف پندرہ خاص قوم اور
ذات کے لڑکوں کی تعلیم کا انتظام کرتا ہوتا ہو تو اسی سال گرانٹ دیا جائے لیکن اردو کے
مدرسہ کو جو اتحاد کے مظاہرے کے ساتھ ہر قوم کے ان بڑھوں کو تعلیم کی دولت سے لالال
کرتا ہو ایک پیسہ گرانٹ نہ دیا جائے فرقہ پرستی اور اردو دشمنی کی کھلی ہوئی مثال ہو۔
فرقہ پرستی کی اور مثال | میونسپل کمیٹی کی فرقہ پرستی اور مسلم دشمنی کا ایک اور
واقعہ سن لیجئے :-

انجمن نور الاسلام کا اسکول انجمن کی بلڈنگ میں ہے لیکن جگہ ناکافی ہے۔ اسی عمارت
سے ملحق افتادہ زمین میونسپل کمیٹی کی ہے۔ میونسپل کمیٹی ۱۰۹ x ۱۰۵ زمین سکریٹ باٹ شامل
کو دے چکی ہے انجمن نے عمارت کی توسیع اور ہوٹل وغیرہ کی تعمیر کے لئے میونسپل کمیٹی سے
ملحقہ افتادہ زمین دیے جانے کی درخواست کی۔ ڈپٹی کمشنر نے بھی معائنہ کے بعد کمیٹی
سے سفارش کی کہ یہ زمین انجمن کو دے دی جائے۔ لیکن انجمن کی درخواست یہ وجہ
بتا کر ناقص قرار کر دی گئی کہ ”نزدیک ہی ہندی بڈل گول اسکول واقع ہے“ یہ عذر تعلیمی
ادارے کے سلسلہ میں کتنا باوزن اور معقول ہے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں، یہ
بتا دینا مناسب ہو گا کہ بڈل گول اسکول کے کپاڑے کی دیوار آٹھ فٹ اونچی بنی ہوئی
ہے۔ اور یہ بڈل اسکول اس میں اقامت گاہ وغیرہ نہیں ہے۔
لائبریری :- انجمن کی سرپرستی میں ایک لائبریری ہے جس میں ایک ہزار کتابیں ہیں اور

انگریزی اور دو ہندی اخبارات آتے ہیں۔ میونسپل کمیٹی اسے بھی ایک پیسہ گرانٹ نہیں دیتی۔

فراہمی گوشت :- میونسپلٹی کے حدود میں گائے ذبح نہیں ہو سکتی اور اس کے گوشت کا فروخت کرنا ضابطہ کی خلاف ورزی ہے۔

قبرستان :- مسلمانوں کا قبرستان بالکل بھگیا ہے۔ اس پاس کی جتنی زمین ہے ہندو مالکداروں کی ہے اور میونسپل حدود کے اندر ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت بھی ضروری ہے میونسپل کمیٹی سے متعدد بار درخواست کی گئی مگر کمیٹی کے کان پر جوں تک نہ رہی۔ حکام بالانے کوئی بار میونسپلٹی کو لکھا کہ یہ مسئلہ جیسے ضروری ہو گیا ہے میونسپلٹی کو اس کا انتظام کرنا چاہئے مگر میونسپلٹی نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام

(۱) لڑکوں کے لئے :- میونسپل پرائمری ہندی اسکول دو۔ میونسپل ہائی اسکول (دلی زبان ہندی) ایک۔ مرہٹی اسکول ایک (گرانٹ)

میونسپلٹی دو سو روپیہ سالانہ (ایک)

(۲) لڑکیوں کے لئے :- میونسپل پرائمری ہندی اسکول ایک۔ گورنمنٹ ہائی اسکول ایک

مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام

(۱) لڑکوں کے لئے :- نور الاسلام کے ہائی اسکول کو گرانٹ (میونسپلٹی)

۸۰۰ روپیہ سالانہ (گورنمنٹ) ۴۰۰ مصارف سالانہ

(۸۰۰ روپیہ)

(۲) لڑکیوں کے لئے :- کچھ نہیں۔

سوہاگ پور (میونسپل کمیٹی)

آبادی :- کل ۸۱۴۱ مسلمان ۲۰۷۲ مسلم تناسب $\frac{1}{4}$
 نیابت :- کل ممبران ۱۹ مسلمان ۳ مسلم تناسب $\frac{1}{5}$
 ملازمین :- کل ملازم ۶۹ - بھنگی ۳۵ - ماسٹر ۱۸ - بقیہ اسٹاف ۱۶
 بھنگیوں کو چھوڑ کر کل ملازمین کی تعداد ۳۴ - مسلمان ۶ مسلم تناسب $\frac{1}{5}$
 تنخواہ :- اوسط ماہانہ تنخواہ ۱۳۰۰ روپیہ ماہوار - بھنگیوں کی تنخواہ

وضع کرنے کے بعد کل ملازمین کی تنخواہ ۹۳۵ روپیہ ماہانہ
 جس میں سے مسلمان ملازمین کی تنخواہ ۱۰۹ روپیہ ماہانہ - مسلم تناسب $\frac{1}{4}$
 تعلیم :- پرائمری اسکول ہندی کے چار اور اردو کا ایک ہی - ایک
 انڈین انگلش ٹیڈل اسکول ہو ٹیل اسکول میں صرف ایک
 ماسٹر اردو کے لئے ہے - اردو اسکول میں چار کلاس ہیں
 ماسٹر صرف دو ہیں - عدم توجہی کے سبب اسکول میں
 حاضری بہت ہی کم ہے - ۱۸ ماسٹروں میں تین ماسٹر مسلمان
 ہیں جن میں دو اردو پرائمری اسکول میں اور ایک ٹیل اسکول
 میں ہیں -

لائبریری :- میونسپل کمیٹی کے زیر انتظام ایک لائبریری ہے جس پر سو روپیہ سالانہ خرچ
 ہوتا ہے - اردو کتابوں اور اردو اخبارات کی خریداری منقطع ہے -
 فراہمی گوشت :- فیس بذبح چھوٹے جانوروں پر فی راس ۲ روپیہ سینگ دار پر
 فی راس ۸ روپیہ - بذبح اور گوشت مارکٹ کی مرست اور قلعی کی طرف
 کوئی توجہ نہیں کی جاتی -

دیگر شکایات :- میونسپلٹی کے حدود کے اندر ایک محلہ فراس پورہ ہے۔ یہاں ہتھکڑوں کی آبادی زیادہ ہے۔ اس وارڈ میں نہ تو روٹری کا انتظام ہے۔ نہ ٹرک کا نہ خطان صحت کا اور نہ پینے کے پانی کی فراہمی کا۔ حالانکہ ہر قسم کا ٹیکس جو وارڈ سے لیا جاتا ہے ان سے بھی پورا پورا وصول کیا جاتا ہے۔ بارش اور گرمی میں اس وارڈ کے لوگوں کی حالت حد درجہ قابل رحم ہو جاتی ہے۔ بار بار میونسپلٹی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی مگر غریب اور اچھوت آبادی کی فریاد پر کانگریسی اکثریت نے کبھی توجہ نہ کی۔

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام :-

(۱) لڑکوں کے لئے :- اینوپل پرائمری ہندی اسکول چار۔ انڈین

انگلش میڈل اسکول (دیسے زبان ہندی) ایک۔

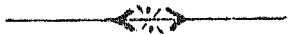
(۲) لڑکیوں کے لئے :- گورنمنٹ میڈل اسکول ایک۔

مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام :-

(۱) لڑکوں کے لئے :- اینوپل اردو پرائمری اسکول ایک۔ (دو ماسٹر)

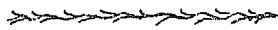
میڈل اسکول میں ایک ماسٹر۔

(۲) لڑکیوں کے لئے :- کچھ نہیں۔



پیرپا :- (نوٹیفکیشن ایریا کمیٹی)

۲ بادی :- کل ۳۹۶۸ — مسلمان ۳۹۵ — مسلم تناسب $\frac{1}{8}$
 نیابت :- کل ممبر ۹ — مسلمان (کانگریسی) ۱ — مسلم تناسب $\frac{1}{4}$
 ملازمین :- کل ملازمین ۶۰ بھنگی ۲۰ ماسٹر ۲۴ بقیہ اسٹاف ۱۶
 مسلمان ایک بھی نہیں — مسلم تناسب :- صفر
 تنخواہ :- ایک ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ تقسیم ہوتی ہے۔ مسلمان کو
 ایک پیسہ نہیں ملتا — مسلم تناسب :- صفر
 (ایک مسلمان جمعدار تھا۔ کانگریسی اکثریت نے اسے بھی نکال دیا)
 تعلیم :- لڑکوں کا پرائمری اسکول ہندی - ۶۔ لڑکیوں کا ایک (ہندی) ایک
 ہڈل اسکول ہندی - ۱۔ مہنگلش کلاس، ایک ہائی اسکول ذریعہ تعلیم ہندی -
 اردو کا ایک بھی اسکول نہیں اور نہ اردو کے لئے کسی اسکول میں کوئی
 انتظام ہے۔
 لائبریری :- ایک پبلک لائبریری کو کمیٹی دس روپیہ گرانٹ دیتی ہے اس میں اردو
 اخبارات نہیں آتے۔
 وارڈس :- سات منگل سٹیڈ وارڈس ہیں۔ ان کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ
 کسی مسلمان کا مسلمانوں کے ووٹ سے منتخب ہونا ناممکن ہے۔



گڈرواڑہ :- (میونسپل کمیٹی)

آبادی :- کل ۹۰۷۷ ————— مسلمان ۱۰۷۵ ————— مسلم تناسب $\frac{1}{9}$

نیابت :- کل ممبران ۱۴ ————— مسلمان ۱ ————— مسلم تناسب $\frac{1}{14}$

مازین :- کل مازین ۱۰۴ بھنگی ۶۰ - ماسٹر ۳۲ - بقیہ اسٹاف ۱۲
بھنگی کو چھوڑ کر کل مازین ۴۴ ہیں مسلمان معہ ماسٹروں کے مسلم تناسب $\frac{1}{5}$ سو کم

تنخواہ :- کل تنخواہ تقریباً دو ہزار روپیہ ماہانہ تقسیم ہوتی ہو

اس میں سے بھنگیوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد بقیہ

اسٹاف کو ۵۰۰ روپیہ مسلمان کو ۱۰۵ ————— مسلم تناسب $\frac{1}{5}$

تعلیم :- پرائمری اسکول ہندی کے ۴ - اردو ۱ - ایک ہائی اسکول (اردو برائے نام)

کل ماسٹروں کی تعداد ۳۲ - مسلمان ۳ - اردو اسکول میں صرف دو ماسٹر ہیں۔

بے انصافی کا ایک واقعہ | میونسپل کمیٹی نے اپنے ریذولیوشن مورخہ ۲۷ فروری ۳۹ء کے ذریعہ ہائی اسکول کے

ایک مسلمان ماسٹر مزیدی کو (جو انگریزی، اردو اور فارسی میں مہارت رکھتے تھے)

برخواست کر دیا۔ کہ اب یہ جگہ کم کر دی گئی ہو۔ ان کی ملامت پانچ سال سے زائد کی ہو چکی

تھی اور مستقل ہو چکے تھے۔ صوبہ کے بورڈ برائے ثانوی تعلیم کی یہ خاص ہدایت ہو کہ

جس قدر جلد ممکن ہو ان ٹرینڈ ماسٹروں کو ہٹا کر ٹرینڈ ماسٹر رکھیں جائیں (یادداشت

۶۹ء مورخہ ۲۴/۹/۳۹) لیکن اس کمیٹی نے ایک ٹرینڈ ماسٹر کو ہٹا کر ایک ان ٹرینڈ ماسٹر

ماسٹر شرما کا دوبارہ تقریر کیا۔ یہ امر بھی قابل غور ہو کہ ماسٹر مزیدی کے بعد کے مقرر کئے ہوئے

ماسٹروں میں پریل اور شرما کو نہیں ہٹایا گیا بلکہ نزلہ انہی پر گرا۔ شاید یہ کہا جائے کہ تحیف

اخبارات کے بغیر ایسا کیا گیا تو کمیٹی نے ماسٹر گپتا اور ماسٹر ماکو "خاص ترقی اصفافہ تنخواہ"

(SPECIAL INCREMENT) سے نوازاجی۔ ماسوا اس کے متعدد ماسٹرز تھے جو ہسٹری، حساب، سنکرت اور ہندو می پڑھا سکتے تھے لیکن اردو فارسی پڑھانے والا ایک ہی تھا اور مسلمان تھا اس لئے نکال دیا گیا۔

(گوئے گاؤں) چھوٹا چھند واڑہ :- (میونل کمیٹی)

آبادی بریکل ۳۶۷۱ ————— مسلمان ۳۲۵ ————— مسلم تناسب $\frac{1}{12}$ کچھ کم
نیابت :- کل ممبران ۱۳ ————— مسلمان ۱ (نامزد شدہ) مسلم تناسب $\frac{1}{12}$
ملازمین :- کل ملازمین ۴۹ - بھنگی ۲۵ - ماسٹر ۱۳ - بقیہ اسٹاف ۱۱
مسلمان ایک بھی نہیں ————— مسلم تناسب ۰ (صفر)

تنخواہ :- کل تنخواہ ماہانہ اوسط ۶۲۰ روپیہ بھنگی ۱۸۴ ماسٹر

۲۹۴ - بقیہ اسٹاف ۱۴۲ - مسلمان چونکہ ایک بھی نہیں ہے

اس لئے ایک پیسہ مسلمان کو نہیں ملتا ————— مسلم تناسب ۰ (صفر)
تسلیم :- ایک مشترک ہندی پرائمری اور ٹیل اسکول ہے جس میں تین انگریزی کلاسیں بھی ہیں۔ اس میں تیرہ ماسٹر ہیں۔ اردو کا کوئی اسکول نہیں نہ اس اسکول میں کوئی انتظام ہے۔ میونل کمیٹی سے بار بار ایک اردو داں مسلمان پھر کے تقریر کی درخواست کی گئی مگر کوئی انتظام نہیں ہوا اسکول میں بلیک پیسٹ مسلمان لڑکے پڑھتے ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں انہیں ہندو ماسٹروں نے اونٹن ذات کے ہندو لڑکوں کے ساتھ بیٹھنے سے روک دیا اور انہیں مجبور کیا کہ وہ ان بچوں پر بیٹھیں جو جماروں اور ہرجمنوں کے لئے مختص تھے۔

اس کی شکایت میونسپلٹی سے کی گئی۔ وائس پریسڈنٹ اور ایک مسلمان ممبر نے اس شکایت کی تحقیقات ۱۹ جولائی ۱۹۳۹ء کو کی اور شکایت بری

حد تک صحیح ثابت ہوئی خصوصاً پانچویں کلاس میں مسلمانوں کے بار بار احتجاج کرنے پر بہت کافی دنوں کے بعد یہ ہدایت کر دی گئی کہ مسلمان لڑکوں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا جائے لیکن جو ماسٹر اس کے ذمہ دار تھے نہ ان سے کوئی باز پرس کی گئی نہ معمولی سی بھی سزا دی گئی تاکہ وہ اپنے فرقہ پرستانہ رویہ میں تبدیلی کرتے۔ مسلمانوں کو اچھوتوں کی صف میں جگہ دینے کے علاوہ مسلمان لڑکوں کو رامن اور پرار تھنا کے اجتماع میں شریک ہونے پر مجبور کیا گیا۔ اور اسے بھی کافی نہ سمجھتے ہوئے۔ مسلمان لڑکوں کو جہم کی نماز کی شرکت پر غیر حاضری کو بہانہ بنا کر سزائیں دی گئیں۔ لیکن مسلمانوں کی اس تذلیل اور اسکول میں اتنے خراب اور خطرناک قسم کی فرقہ پرستی کا مظاہرہ کرنے والوں سے کوئی جواب نہیں طلب کیا گیا۔

لاہریری :- یہاں اسکول میں ایک لاہریری سچی جسے نو روپیہ سال میں سچلی اخراجات کے لئے دیتی ہے۔ چونکہ اسکول بھی میونسپلٹی کا ہے۔ اس لئے یہ لاہریری سراسر میونسپلٹی کے ماتحت ہے۔ نہ اس میں اردو کتابیں ہیں نہ اخبار آتے ہیں۔ مسلمانوں کی شکایات اور مطالبات جس میں اسکول میں مندرجہ بالا قابل اعتراض حرکتوں کے بند کئے جانے لاہریری میں ایک اردو اخبار منگوانے اور برسات میں نالہ کے اندر پھیلی کاشنکار کرنے کی اجازت دیئے جانے کا مطالبہ بھی تھا (میونسپلٹی کے سامنے اس وقت کے مسلمان ممبر کے ذریعہ ۲۲ جولائی ۳۸ء کو پیش ہوئے۔ میونسپل کمیٹی نے اپنے خاص اجلاس مورخہ ۲۸ جولائی ۳۸ء میں چار ممبروں کی ایک کمیٹی ان امور پر تحقیقات کرنے اور رپورٹ پیش کرنے کے لئے مقرر کی۔ اس کمیٹی نے ۳۱ اگست کو اپنی رپورٹ پیش کی جو جنرل کمیٹی میں ۱۰ اکتوبر کو بغرض بحث پیش ہوئی

اس جلسہ میں سب کمیٹی کی سفارشات کو منظور کر لیا گیا۔ اس کے مطابق مسلمانوں کے تمام مطالبات سوائے نالہ میں پھیلی مارنے کی اجازت کے قبول کر لئے گئے یعنی ایک اردو اخبار کا لاہر بری میں منگوانا بھی منظور کیا گیا۔ جب ایک سال تک کوئی اخبار نہیں منگوا یا گیا تو ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو یاد دہانی کی گئی۔ اس کا جواب سکریٹری نے یہ دیا کہ اردو روزانہ اخبار خریدے جانے کے متعلق کوئی ریزولیشن نہیں ہے۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں سکریٹری مقامی مسلم لیگ نے سکریٹری میونسپل کمیٹی کو ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۸ء کے جلسہ کی منظور شدہ تجویز کی نقل بھیجی کہ سٹے یہ ہوا تھا کہ ”پچھ مہینہ کے لئے ایک اردو روزنامہ خریداجائے“ دسمبر تک اس کا کوئی جواب نہیں ملا تھا اور نہ کوئی اخبار خرید گیا۔

فراہمی گوشت :- یہاں میونسپل حدود کے اندر گائے ذبح کرنے یا اس کا گوشت بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔

فرقہ پرستی کے دیگر واقعات :-

(۱) کمیٹی میں ایک کلرک کی جگہ خالی ہوئی۔ ۲۷ جولائی ۱۹۳۹ء کو نرسنگہ پور کے ایک مسلمان نے چیمبر کولیشن پاس ہونے کے علاوہ ٹائپ رائٹنگ بھی جانتا تھا۔ اور تحصیل کے دفتر میں تقریباً دو سال کام کرنے کے باعث دفتری کاروبار کا کافی تجربہ رکھتا تھا درخواست دی لیکن ایک ہندو کو چونہ دفتری تجربہ رکھتا تھا نہ ٹائپ رائٹنگ جانتا تھا۔ بلکہ صرف میٹرکولیٹ تھا۔ مسلمان کے مقابلہ میں ترجیح دے کر مقرر کیا گیا۔

(۲) ایک ہندی ٹرینڈ مسلمان نے ۱۹۳۵ء میں جگہ خالی ہونے پر درخواست دی مگر جگہ نہ ملی پھر اُس نے ۲۶ جولائی ۱۹۳۸ء میں درخواست دی مگر جگہ نہ ملی۔ اسی عرصہ میں ایک ہندو ماسٹر نے استعفا دیا اور جگہ خالی ہوئی تو اسی مسلمان

نے تیسری بار ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو درخواست دی۔ اس کے جواب میں اُسے ایک خط مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ملا کہ (۱) آیا اُس کے پاس ہندی ریفرنسز کورس کا سرٹیفکیٹ ہے؟ (۲) پندرہ روپیہ ماہانہ تنخواہ قبول کر سکتا ہے؟ اور (۳) اپنے خرچ سے انٹرویو کے لئے آنے کو تیار ہے؟ یہ مسلمان ڈسٹرکٹ کونسل پیپل میں بعدہ ماسٹر اُس وقت ملازم تھا اور اس کے پاس نارمل اسکول کا سرٹیفکیٹ تھا۔ اس نے تینوں شرطیں منظور کر لیں اور اپنے اسناد دکھائے۔ جب یہ بلا سرپرست ہو گئی تو جس ماسٹر نے استعفا دیا تھا اُسے واپس لے لینے پر تیار کیا گیا اور جب اُسے واپس لے لیا تو یہ کہا گیا کہ جگہ خالی نہیں رہی اس لئے مجبور ہی ہے۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد ہی ہندو ماسٹر مذکور نے پھر استعفا دے دیا اور اُس کی جگہ پر ایک ہندو مقرر کر دیا گیا۔

(۳) باوجود اس کے کہ ایک اردو داں مسلمان ماسٹر مقرر کئے جانے کا مطالبہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں مان لیا گیا تھا جب جولائی ۱۹۴۸ء میں تین جگہیں خالی ہوئیں تو کسی مسلمان کو مقرر نہ کیا گیا۔ جس مسلمان کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے اُسے بلوایا گیا اور بلوانے کے بعد یہ نئی شرط پیش کی گئی کہ پہلے وہ اپنی موجودہ ملازمت سے استعفا دے دے جب یہ استعفا منظور ہو جائے گا تب اُس کا تقرر کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا خطرہ کون مول لیتا کہ نہ ادھر کے رہتے نہ ادھر کے چنانچہ اس جگہ پر بھی ایک ان ٹرنیڈ ہندو کا تقرر کیا گیا۔

(۴) ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء میں اسکول میں پڑھنے والے لڑکوں کے والدین اور ولیوں کے نام یہ حکنامہ صادر کیا گیا کہ وہ اپنے بچے کی وردی کے لئے جو شذہدہ کھادی کے نیکر۔ شرٹ اور گاندھی ٹوپی پر مشتمل ہوگی تین روپیہ مقررہ پانچ تک جمع کر دیں ورنہ لڑکے کا نام اسکول سے خارج کر دیا جائے گا۔ لیگ نے جب اس پر صدارتے احتجاج بلند کی اور کمیٹی کو لکھا کہ نہ یہ وردی مسلمانوں کو قبول ہے نہ یہ جبریہ طریق کار تو اس کے جواب میں

۸ اگست ۱۹۳۷ء کو ایک خط ملا جو یونیفارم اور کھدر کی خوبیوں پر ایک لمبے وعظ سے بھرا ہوا تھا۔

کرتلی (نوٹیفکڈ ایریا کمیٹی)

آبادی :- کل ۲۵۰۰ تقریباً ————— مسلمان ۲۰۰ ————— مسلم تناسب $\frac{1}{12}$
 نیابت :- کل ممبران ۷ ————— مسلمان ۱ ————— مسلم تناسب $\frac{1}{6}$
 ملازمین :- کل ملازمین ۳۴ — بھنگی ۱۱ — ماسٹر ۱۱ بقیہ اسٹاف ۱۲
 بھنگیوں کو چھوڑ کر کل ملازمین ۲۳ — اس میں مسلمان صرف ۱ — مسلم تناسب $\frac{1}{23}$
 تنخواہ :- ماہانہ اوسط ۷۲۰ روپیہ — بھنگیوں کی تنخواہ ۱۱۳ روپیہ اسے
 وضع کرنے کے بعد بقیہ اسٹاف کی تنخواہ ۶۰۷ روپیہ — مسلمان
 کی تنخواہ ۳۲ ————— مسلم تناسب $\frac{1}{14}$
 یہ مسلمان اسکول میں ماسٹر ہیں۔

تعلیم :- ایک ہندی پرائمری اسکول ہے اور ایک انگلش ہائی اسکول ہندی ذریعہ تعلیم
 اُردو کا نہ ایک اسکول ہے اور نہ ہائی اسکول میں کوئی انتظام ہے۔ مسلمان بچوں کو باوجود
 غریب تر ہونے کے فری شپ نہیں دی جاتی۔ پرائمری اور ہائی اسکول ہندی
 تو کمیٹی کا ہے اور ہڈل اسکول ڈسٹرکٹ کونسل کا ہے یہ بھی ہندی کا ہے۔ مسلمانوں
 نے اُردو پرائمری اسکول کھولنے کے لئے کئی بار درخواست دی مگر نامنظور ہوئی
 مکتب جو مسجد میں ہے۔ اس میں بیٹوں کے قریب لڑکے اُردو اور دینیات پڑھتے ہیں
 اس کو بھی کمیٹی کوئی گرانٹ نہیں دیتی۔

لائبریری :- کمیٹی کے زیر انتظام ایک لائبریری ہے اس کے لئے ہندی کی کتابیں قیمتی
 پانچ سو روپیہ خریدی گئی ہیں۔ مگر اُردو کی ایک بھی کتاب نہیں۔ سالانہ خرچ تقریباً

پانچو روپیہ ہے۔ ہندی انگریزی کے اخبارات آتے ہیں۔ اردو کا ایک اخبار کبھی آتا ہے کبھی نہیں آتا ہے۔

فراہمی گوشت :- گائے ذبح کرنے یا اس کا گوشت فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ویدک و اخانہ :- کمیٹی کا ایک ویدک و اخانہ ہے جس کا سالانہ خراج سات سو روپیہ ہے اور وید کو ۴۶ روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔

قبرستان اور سمان :- مسلمانوں کے قبرستان میں چکیدار کے لئے ایک پختہ جھونپڑے کی سخت ضرورت ہے اور ایک کنوئیں کی بھی کیونکہ پانی قبرستان سے دو فرلانگ پر ہے۔ ہر دست مسلمانوں نے اپنے چندے سے پھر (Picher) پمپ لگا رکھا ہے مگر قبرستان کے باغ کی آبیاری کے لئے یہ بالکل ناکافی ہے مسلمانوں نے کمیٹی میں درخواست دی مگر یہ نامنظر کی گئی۔ اس کے بعد ہی سمان والوں نے درخواست دی کہ انھیں سمان میں پختہ جھونپڑا بنانے کے لئے امداد دی جائے کمیٹی نے بلا کسی تکلیف کے ساڑھے تین سو روپیہ منظور کر کے سمان والوں کے حوالہ کر دیا۔ سمان ندی کے کنارے ہے یہ ندی بارہ مہینہ جاری رہتی ہے۔ سمان تک جانے کا راستہ بھی اچھا ہے۔ مگر قبرستان جانے کے لئے تھوڑی اُچھاڑہ میں اور ایک نالہ سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔ برسات میں سخت تکلیف ہوتی ہے کمیٹی سے کہی بار کہا گیا کہ ایک پل یا بنوادے اور راستہ برابر کر کے برسی ٹرک میں ملا دو۔ مگر کمیٹی نے اس پر کوئی توجہ نہ کی۔

دھرمادا :- کمیٹی کے تحت غلہ بازار بھی ہے۔ اس بازار کے ”آٹھلے“ دھرمادا کے نام سے فی چار من دو پیسہ گاڑی والوں سے وصول کرتے ہیں اور اس رقم کو خالص قہ دارانہ کاموں پر صرف کرتے ہیں۔ اس ذریعہ سے تقریباً ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ آمدنی وصول ہوتی ہے۔ اس بازار میں گاڑیاں لانے والے بیوپاری کم از کم بارہ فی صدی مسلمان ہوتے

ہیں۔ آرٹھیوں کی اکثریت کانگریسیوں کی ہے۔ اور دھرماداکمیٹی کے منتظمین اور عہدیداروں کی اکثریت بھی کانگریسی ہے۔ یہ نڈا سنکرت پاٹ شالہ اور سمان کی امداد۔ مندروں کے انتظام۔ شادی کی پہلین اور ہندو مہاسہما کے مہلوں کی مہمان نوازی پر خرچ کیا جاتا ہے۔ دھرماداکمیٹی کی طرف سے ایک ”سدا برت“ کا انتظام بھی ہے۔ اس سدا برت میں صرف ہندو فقیروں کو خیرات ملتی ہے۔ مسلمان فقیروں کو دھتکار دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے اس کمیٹی کے پاس درخواست بھیجی کہ دھرماداکمیٹی کا ایک اچھا خاصہ حصہ مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے مدرسے اور قبرستان کی بھی امداد کی جانی چاہئے۔ لیکن انہیں کو جواب ملا۔ کانگریسی اکثریت کے نوٹیفکڈ ایریا کمیٹی پر قابض ہونے سے پہلے انڈینڈنٹ پارٹی صاحب اختیار تھی۔ ڈیڑھ سال ہوئے اس پارٹی نے کمیٹی میں یہ ریزولوشن منظور کیا کہ غلہ بازار میں دھرماداکمیٹی وصولی نے ٹیکس کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور یہ ہر امر ناجائز ہے۔ چنانچہ اس خلاف قانون ٹیکس کی وصولی چند دنوں بند رہی۔ لیکن جب کانگریسی عہدہ دار کمیٹی میں غالب ہو گئے تو دھرماداکمیٹی وصولی پھر شروع ہو گئی۔ نہ تو کمیٹی ریزولوشن منسوخ کیا گیا اور نہ مضابطہ کی خلاف ورزی کرنے والے کانگریسی آرٹھیوں کے خلاف قانون چارہ جوی کی گئی۔

دیگر شکایات :- (۱) خطانِ صحت اور صفائی کا انتظام مسلمان محلوں میں بے نام ہے۔ نہ نالیاں بنائی گئی ہیں نہ سرکیں درست ہیں اور نہ ہندو محلوں کے مقابلہ میں روشنی کا انتظام ہے۔

(۲) وارڈس اس طرح بنائے جا رہے ہیں کہ ایک جگہ کے مسلم دور و طقسیم ہو جائیں اور کجائی باقی نہ رہے۔

(۳) غلہ بازار کے قریب ایک کھلی ہوئی جگہ تھی جہاں گاڑی والے اپنی گاڑیاں

کھڑی کرتے تھے۔ کمیٹی نے اس جگہ کو خاں داراؤں سے گھیر دیا ہے اور اسے ہر دوسرے ہائی اسکول کے لئے کھیل کا میدان بنایا ہے۔ حالانکہ یہ جگہ شہر کے اندر ہے اور ہائی اسکول اس جگہ سے دور ہے۔ گاڑی والوں کو مجبوراً سڑک پر گاڑی کھڑی کرنی ہوتی ہے اور جہانہ دیتے دیتے پریشان ہو گئے ہیں۔ تجویز جو ابھی کاغذ پر نہیں آئی ہے یہ ہے کہ یہ جگہ ”ہنومان ویام شالہ“ کو دے دی جائے۔ ویام شالہ کے لئے یہی جگہ اس جیسے ضروری سمجھی جا رہی ہے کہ مسجد، کتب اور مسلمانوں کے چند گھروں کا محلہ اس جگہ سے قریب ہے۔ مسجد کے نزدیک بنیڈ باجہ۔ اور شور و غل کا ہنگامہ اور مسلمانوں کے محلہ کے پاس ورز ششی کرتوں کا روزانہ مظاہر مسلمانوں پر رعب جمانے اور اپنے دلوں میں ہمت پیدا کرانے کے لئے ایک مفید طریقہ کار ہے۔

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام :-

- (۱) لڑکوں کے لئے :- کمیٹی کا ہندی پرائمری اسکول ایک اور انگلش ہائی اسکول دیسی زبان ہندی ایک۔
- (۲) لڑکیوں کے لئے :- گورنمنٹ پرائمری اسکول ایک۔ ڈسٹرکٹ کونسل ہندی ٹیل اسکول ایک۔ گورنمنٹ ٹیل اسکول ہندی (واقع پرانی گرلی) ایک۔

مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام :-

- (۱) لڑکوں کے لئے :- کچھ نہیں۔
- (۲) لڑکیوں کے لئے :- کچھ نہیں۔

سیون (مالوہ) میونسپل کمیٹی

آبادی :- کل ۶۴۱۰ ————— مسلمان ۱۰۴۹ ————— مسلم تناسب $\frac{1}{6}$
 نیاہٹ :- کل ممبران ۱۶ ————— مسلمان ۳ ————— مسلم تناسب $\frac{1}{5}$
 ملازمین :- کل ۶۵ - بھنگی ۲۰ - ماسٹر ۲۵ - بقیہ اسٹاف ۲۰
 بھنگیوں کو چھوڑ کر کل ملازم ۴۵ - مسلمان صرف ایک — مسلم تناسب $\frac{1}{45}$

تنخواہ ۵۱ :- اوسط ماہانہ تنخواہ ۱۳۲۶ روپیہ اس میں سے بھنگیوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد بقیہ اسٹاف کو گیارہ سو روپیہ مہینہ تنخواہ ملتی ہے جس میں ایک مسلمان ماسٹر کو پندرہ روپیہ مہینہ ملتا ہے — مسلم تناسب $\frac{1}{16}$
 تعلیم :- ہندی پرائمری اسکول ۳ - ہندی ٹیڈل اسکول ۱ - ہائی اسکول ۱ - اردو اسکول ایک بھی نہیں ہے - ہائی اسکول میں اردو کا کوئی انتظام نہیں ہے - ہندی نیو پرائمری اسکول کے ساتھ صرف ایک ابتدائی کلاس اردو کے لئے موجود ہے - اس کلاس کے لئے ایک مسلمان ماسٹر ہیں جنہیں باوجود ٹرینڈ ہونے کے پندرہ روپیہ مہینہ تنخواہ ملتی ہے - ہندی اسکولوں میں روز پر ارتقا ہوتی ہے - اسکول کے مسلمان لڑکوں اور اُردو ابتدائی کلاس کے لڑکوں کو اس میں شریک ہونا پڑتا ہے -

لائبریری :- میونسپلٹی کی ایک لائبریری بھی ہے - ہندی اخبارات کے ساتھ ساتھ ایک اردو اخبار منگوائے جانے کی تجویز کمیٹی نے منظور کی - لیکن ہندی اخبارات چند بھیج دیے گئے - مگر اردو اخبار نہیں منگوا یا گیا -

گاوہ کشی :- گائے کا ذبح کرنا یا اس کے گوشت کا فروخت کرنا قطعاً ممنوع ہے -
 ہندو نواز می :- روشنی کا ٹھیکہ دار بہت زمانہ سے ایک شخص شیخ نذیر چلا آرہا تھا - کانگریسوں نے اس سے ٹھیکہ چھین کر ایک ہندو جگل کشور کو دیدیا حالانکہ مسلمان کا ٹنڈر ساٹھ روپیہ کم کا تھا -

اگرچہ یہ پُرانا کارکردہ آدمی تھا اور بنگلہ دیش اور بنگلہ دیش کے لائسنس ہولڈر ہیں بالکل نیا تھا، لیکن ہندو کے مقابلہ میں نہ پرانی ساکھ کام آئی۔ نہ تجربہ اور نہ ٹھیکہ کی رقم کا کافی کم ہونا۔

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام (۱) لڑکوں کے لئے :- میونسپل پرائمری ہندی اسکول
ہندی ٹیل میونسپل اسکول ایک - میونسپل ہائی اسکول - ۱
(۲) لڑکوں کے لئے :- گورنمنٹ گرل اسکول - ۱
مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام (۱) لڑکوں کے لئے :- ایک ابتدائی کلاس جی
ایک ماسٹر بندرہ روپیہ ماہوار پر مقرر ہے۔
(۲) لڑکوں کے لئے :- کچھ نہیں۔

ترنگہ پور :- (میونسپل کمیٹی)

آبادی :- کل ۱۱۰۷۷ مسلمان ۲۱۷۰ مسلم تناسب ۱/۵ تقریباً
نیابت :- کل ممبران ۱۹ مسلمان ۳ مسلم تناسب ۱/۶ بھی کم
ملازمین :- کل ملازمین ۱۰۹ بھنگی ۵۸ - ماسٹر ۲۵ بقیہ اسٹاف ۲۶
بھنگیوں کو چھوڑ کر کل ملازمین ۵۱ - مسلمان ۷ مسلم تناسب ۱/۷ بھی کم
تنخواہ :- ماہانہ اوسط ۱۶۰۰ روپیہ - بھنگیوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد
بقیہ اسٹاف کو ساڑھے گیارہ سو روپیہ تنخواہ ملتی ہے اس میں سے
مسلمانوں کو ۱۳۸ روپیہ ماہانہ ملتا ہے مسلم تناسب ۱/۵ تقریباً
تسلیم :- دوپرائمری اسکول ہندی - ایک ٹیل اسکول ہندی - ایک
انڈین انگلش ٹیل اسکول ہندی - اردو کا کوئی اسکول نہیں ہے۔

انگلش ٹرل اسکول میں اُردو کا برائے نام انتظام ہے۔ تین کلاسوں کے لئے صرف ایک ماسٹر ہے اور صرف دو گھنٹہ اُردو کے لئے الگ کر دیے ہیں۔

اُردو کے دو پرائیویٹ اسکول ہیں جن کو مقامی انجمن چلاتی ہے ایک لڑکوں کا (بورن فلاح عام اسکول) ایک لڑکیوں کا (مسلم اُردو گرل اسکول)۔ لڑکوں کے اسکول میں طلباء کی تعداد ۱۰۵ ہے اسے میونسپل کمیٹی ۳۵۰ روپیہ سالانہ گرانٹ دیتی ہے اور گورنمنٹ پانچ سو روپیہ سالانہ دیتی ہے مگر اس کا خرچ ۱۸۰۰ روپیہ سالانہ کے قریب ہے۔ لڑکیوں کے اسکول میں تعداد طالبات ۷۰ ہے اس کا سالانہ خرچ ۹۰۰ روپیہ ہے۔ گورنمنٹ ۲۲۸ روپیہ اور کمیٹی صرف سو روپیہ دیتی ہے۔ یعنی اُردو کی تعلیم پر کمیٹی صرف ساڑھے چار سو روپیہ سال خرچ کرتی ہے۔ برخلاف اس کے ہندی کا ایک ٹرل اسکول اور دو پرائمری اسکول اور ایک انگلش ٹرل اسکول کا پورا خرچ برداشت کرتی ہے یعنی تقریباً سات ہزار روپیہ سالانہ اس کے علاوہ آدرس کنیا پاٹ شالہ کو ڈیڑھ سو روپیہ سالانہ گرانٹ دیتی ہے۔ اور مشن پرائمری اسکول کو جس میں بھی ذریعہ تعلیم صرف ہندی ہے ڈیڑھ سو روپیہ سالانہ گرانٹ دیتی ہے۔ وزیر تعلیم کو ۲۸ اپریل ۱۹۳۹ء کو درخواست دی گئی کہ یا تو ان مسلم اسکولوں کے گرانٹ میں گورنمنٹ اضافہ کرے یا اسکولوں کو کم از کم لڑکیوں کے اسکول کو اپنے انتظام میں لے لے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ واضح رہے کہ یہ درخواست شکلا۔ لیاقت علی معاہدہ کے دھائی ماہ بعد دی گئی تھی۔ اس معاہدہ میں حکومت نے مسلمانوں کے اسکولوں کی امداد کے سلسلہ میں مزید رعایت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر کچھ نہ کیا۔

پراہتھنا:- ہندی ٹرل اسکول کے ٹائم ٹیبل میں ایک وقت ”ایشور پرارتھنا“ کا

بھی ہے۔ لیکن اس گھنٹہ میں ”ایشور پرارتھنا“ کی بجائے کانگریسی جھنڈے کی سلامی کا گیت اور دوسرے کانگریسی گیت گائے جاتے ہیں اور مسلمان لڑکوں کو شریک ہونا پڑتا ہے۔

”ایشور پرارتھنا“ کے نام پر کانگریس کی قصیدہ خوانی کس قدر صداقت آمیز فعل ہے۔ فراہمی گوشت :- چھوٹے جانوروں پر فیس مذبح فی اس ۲ رہی۔ کراہیہ بازار اروپہ لائسنس فیس ۴ سالانہ ہے۔ سینک دار جانور پر فیس مذبح فی اس ۴ رہی۔ اور لائسنس فیس ۴ رہی۔ سینک دار جانور کے لئے کوئی مذبح نہیں بنایا گیا ہے۔ بلکہ شہر سے تین میل دور ایک جگہ مقرر کر دی گئی ہے۔ وہاں جانے کے لئے راستہ بھی ٹھیک نہیں ہے اور نہ صفائی کا انتظام ہے نہ حفظان صحت کا۔ برسات میں بے حد ٹھیک ہوتی ہے۔ چھوٹے جانور کا مذبح بھی گندگی سے پُر اور بہت بُری حالت میں ہے۔ مذبح کی فیس سے کیڑی کو دو سو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ اُس پر یہ حال ہے۔ بار بار درخواست دینے کے باوجود کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ مارکیٹ کی حالت بھی بہت بُری ہے حالانکہ اس سے بھی تقریباً سو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔

فرقہ پرستی :- یونیسپلٹی کے تحت کمڈیلی میں ہر اقدار کو بازار لگتا ہے۔ اس بازار کے ذریعہ یونیسپلٹی کو کافی آمدنی ہوتی ہے۔ مولشی کا بازار لگانے کی صرف اس وجہ سے اجازت نہیں دی جاتی کہ ہندوؤں کو اس پر اعتراض ہے۔ ورنہ اس ذریعہ سے ہزار روپیہ سالانہ آمدنی ہو سکتی ہے۔

ڈسٹرکٹ کونسل نرسنگہ پور

نیابت :- کل ممبران ۱۸ ————— مسلمان ۱ — (نامزد شدہ)

ملازمین :- ماسٹروں کے علاوہ ۵۴۔ ملازم ہیں جن میں مسلمان ۳۔
تنخواہ :- تنخواہ ۱۷۰۰ ماہانہ تقسیم ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو ۱۰ روپیہ ملتا ہے۔

ماسٹر: کل ماسٹر ۲۴ ہیں جن میں مسلمان ۱۳ ہیں۔ ماسٹروں کی کل تنخواہ چھ ہزار روپیہ ماہانہ ہے جس میں مسلمان کو ۲۵۰ روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔

تعلیم: کل ۱۱۰ اسکول ہیں۔ ۹۵ پرائمری لڑکوں کے۔ ۲ پرائمری لڑکیوں کے۔ ۱۳ ہڈل اسکول۔ سب ہندی کے ہیں۔ اردو کا ایک بھی اسکول نہیں۔

لائبریری:۔ چھ لائبریریاں ہیں۔ دو مستقل اور چار گشتی۔ ان پر دو ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ کسی لائبریری میں ایک کتاب یا ایک اخبار اردو کا نہیں ہے۔ کرپلی کی لائبریری میں ایک اردو کتاب (بڑا شہادتناہ) ہے جو کسی مسلمان صاحب نے بطور تحفہ دے دی تھی۔ جس عمارت میں دفتر ہے اسی میں ایک لائبریری بھی ہے جو پین میموریل لائبریری کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا انتظام بھی ڈسٹرکٹ کونسل کے تحت ہے۔ اس لائبریری پر کونسل سو روپیہ سالانہ خرچ کرتی ہے۔ جس وقت یہ لائبریری قائم ہوئی تھی اس وقت کچھ اردو کتابیں آئی تھیں اس کے بعد سے اب تک اردو کتابیں نہیں خریدی گئیں۔ کانگریسی اکثریت سے پہلے اردو اخبار بھی آتے تھے لیکن وہ بھی بند کر دیے گئے ہیں۔

مسلمانوں کی تعلیم سے اغماص | ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء میں اغماص

نے درخواست دی کہ یہاں پرائمری اسکول کا انتظام کیا جائے۔ چالیں لڑکوں کی فہرست بھی بھیجی اور یہ بھی یقین دلایا کہ اسکول کے اخراجات کا بار کچھ مسلمانانِ قصہ بھی برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ مگر ڈسٹرکٹ کونسل نے کوئی توجہ نہ کی۔

بندے ماترم | ڈسٹرکٹ کونسل نے اپنے تمام اسکول میں بندے ماترم
لگا کر لازمی قرار دے دیا۔

گرائنٹ :- ڈسٹرکٹ کونسل انڈیوں اور جاٹوں کے اسپتال کی امداد
کے علاوہ پین میموریل لائبریری کو جس میں ایک بھی اردو اخبار نہیں آتا
سورہ سیر سالانہ دیتی ہے اور پانچ سو روپیہ سالانہ ہر تین سالہ اور پانچ سو روپیہ
آدھریس گینا پاٹ شالہ کو دیتی ہے لیکن کسی مسلم ادارہ کو ایک پیسہ نہیں ملتا۔
دوا خانے :- ڈسٹرکٹ کونسل کے تحت ۳ ڈاکٹری دوا خانے ہیں اور ۴
ویدیں کسی حکیم یا یونانی دوا خانہ کی کوئی امداد نہیں کی جاتی۔

انسانیت سوز سلوک | مسلمانوں کے ساتھ محض اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں کیا
سلوک کیا جاتا ہے اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے

ہو جائے گا۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے ایک ہندی ٹرل اسکول واقع
پرائی کیٹی میں ایک مسلمان ماسٹر کام کر رہے تھے۔ یہ بہت کافی سنیر
ٹرینڈ اور ہر طرح اپنے کام میں باہر و ممتاز تھے۔ ۳۹ء میں انھوں
نے اپنی لڑکی کی شادی کے انتظامات کئے۔ تیار خ وغیرہ مقرر
ہو گئی۔ اس زمانہ میں پنڈت رام چندر شرما آریہ پرچارک نرسنگہ پور گئے
ہوئے تھے اور ان کی تحریک کے زیر اثر تمام کانگریسی لیڈر مسلمانوں کو
شرانے کے لئے نئے ذریعے تلاش و اختیار کر رہے تھے۔ نظر التفات
ان مسلمان ماسٹر صاحب پر بھی پڑی۔ ان سے خاص ضد اس وجہ
سے بھی تھی کہ مسلمان ہونے کے علاوہ یہ پابند صوم و مصلوہ بھی تھے
چنانچہ عین اس زمانے میں جبکہ شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی اور
ان کے گھر میں زچگی کے دن قریب تھے۔ ان کا تہا دلہ کر دیا گیا اور

تبادلہ بھی ایک ایسی جگہ کیا گیا۔ جہاں (۱) ایک مسلمان کا گھر نہیں ہے (۲) جس جگہ تک موٹر لاری جاسکتی ہو وہاں سے نو میل دور ہے (۳) برسات میں یہ نو میل بھی پیدل چلنا پڑتا ہے کیونکہ میل گاڑی بھی اس موسم میں وہاں نہیں جاتی۔ (۴) چھوٹی جگہ ہونے کے باعث مکان ملنا اور وہ بھی ایک مسلمان کے لئے بے حد دشوار ہے۔ (۵) سامان اور مناسب ڈاکٹری امداد کی فراہمی بہت دشوار ہے انھوں نے درخواست دی کہ انہیں دو مہینہ اور کرپلی میں رہنے دیا جائے تاکہ وہ لڑکی کی شادی اور گھر کی زچگی سے فراغت پا جائیں اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو انہیں چھٹی دی جائے جس کے وہ ہر طرح مستحق ہیں۔ چھٹی کے بعد وہ برہنہ (جہاں ان کا تبادلہ کیا گیا تھا) چلے جائیں گے گران کی ایک نہ سستی گئی اور انہیں حکم ہوا کہ وہ فوراً جا کر چارج لیں ورنہ عدول حکمی کے مجرم سمجھے جائیں گے۔ ان کا تبادلہ خاص کر ایسے زمانہ میں کیا گیا تھا کہ میل گاڑیاں بھی اس مقام تک نہیں جاسکتی تھیں۔ چنانچہ غریب کو اپنی لڑکی کی شادی کی تاریخ ملتوی کرنی پڑی۔ اور برسات کے موسم میں پردہ نشین جوان لڑکی اور حاملہ اور بیمار بیوی کو کچھڑ سے آلودہ نو میل کار راستہ پیدل چل کر آنا پڑا۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے عہدے داروں نے اس طرح ایک پابند مذہب مسلمان کو پریشان کر کے اور شریعت اور پردہ نشین خواتین کو کچھڑ میں نو میل پیدل چلا کر اپنے جذبہ دشمنی کو تسکین دی۔ یہاں پہنچ کر غریب کی بیوی سخت بیمار ہو گئی اور مرتے مرتے بچی۔

دیگر واقعات

کوآپرٹو بینک یا مندر | سنٹرل کوآپرٹو بینک زنگہ پور کی عمارت میں لینڈ ایجنٹ بینک کا دفتر بھی ہے اس عمارت میں گینیش کا ایک بت رکھا گیا ہے اور اسی عمارت کے کپاؤنڈ میں ہنومان اکھاڑہ قائم کیا گیا اور ہنومان ویام شالہ بھی ہے جہاں ہنومان

کی صورتی رکھی ہوئی ہے اور مندر بنانے کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہر قرض لینے والے اور رقم جمع کرنے والے سے کٹوتی مندر کے نام سے لی جاتی ہے۔

بروسٹل انسٹی ٹیوٹ میں اردو نذر | بروسٹل انسٹی ٹیوٹ میں ہندی کی تعلیم کا انتظام ہے مگر اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں مالا نکہ چالیس سے پچاس مسلمان لڑکوں کی تعداد ہر زمانہ میں رہتی ہے۔

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام :-

- (۱) لڑکوں کے لئے :- دو ہندی میونسپل پرائمری اسکول - ایک ہندی میونسپل ہڈل اسکول - ایک میونسپل انگلش ہڈل اسکول (دلیسی زبان ہندی) ایک گورنمنٹ ہائی اسکول (دلیسی زبان ہندی)
- (۲) لڑکیوں کے لئے :- مشن پرائمری اسکول (میونسپل گرانٹ ڈیڑھ سو سالانہ) آدرس کینیا پاٹ ٹالہ (میونسپل گرانٹ ۵۰ روپیہ سٹرکٹ کونسل ۵۰ روپیہ سالانہ) گورنمنٹ ہندی انگلش ہڈل اسکول۔

مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام :-

- (۱) لڑکوں کے لئے :- انجمن کا اسکول موسوم ”بہ بورن فلاح عام پرائمری اسکول“ (اخراجات سترہ سو روپیہ سالانہ - گرانٹ گورنمنٹ پانچ سو روپیہ سالانہ - میونسپل کمیٹی تین سو روپیہ سالانہ) انگلش ہڈل اسکول میں اردو کے لئے تین کلاس ہیں ایک ماسٹر اور دو گھنٹہ گورنمنٹ ہائی اسکول میں برائے نام۔
- (۲) لڑکیوں کے لئے :- انجمن کا مسلم گرلز پرائمری اسکول - (اخراجات نو سو روپیہ سالانہ - گرانٹ گورنمنٹ ۲۲۸ - میونسپل کمیٹی ۱۰۰ روپیہ سالانہ)

چھند وارہ میونسپل کمیٹی :-

کل آبادی :- ۲۲۰۰۰ :- مسلم - ۶۰۰۰ - مسلم تناسب $\frac{1}{4}$ -
 نیابت :- کل ممبران ۲۲ - مسلمان - ۵ - مسلم تناسب $\frac{1}{4}$ سے کم
 ملازمین :- کل ملازمین ۲۶۶ (بھنگی ۱۵۱ - ماسٹر ۲۴ - بقیہ اسٹاف ۸۱ - ان میں
 سے مسلمان ماسٹر ۶ بقیہ اسٹاف میں ۲۴ کل مسلم ملازمین ۲۸ ہیں یعنی ملازمین مسلم تناسب -
 $\frac{1}{4}$ سے کم۔

تنخواہ :- ماہانہ تنخواہ اوسط پانچ ہزار روپے جس میں سے بھنگیوں کی تنخواہ
 چودہ سو اڑسٹھ روپے وضع کرنے کے بعد کل اسٹاف کی تنخواہ تین ہزار سات سو ستاون
 روپے - مسلمانوں کی تنخواہ ۵۰۸ روپے مسلم تناسب $\frac{1}{4}$ سے کم۔
 تعلیم :- سات پرائمری اسکول ہیں جن میں ایک لڑکیوں کا ہے اردو پرائمری اسکول
 صرف ایک ہے - ایک ہندی مڈل اسکول ہے - اور ایک ہندی ذریعہ تعلیم کا ہائی اسکول
 ہے - مڈل اور ہائی اسکول میں اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں - کل ۳۴ مدرس ہیں جن میں
 ۶ مسلمان ہیں - وہ بھی اسوجہ سے کہ اردو پرائمری اسکول میں پانچ ماسٹر مسلمان ہیں - ایک
 گورنمنٹ ہائی اسکول بھی ہے جس میں سنسکرت اور ہندی کے لئے خاص ماسٹر ہے - مگر اردو فارسی
 کے لئے نہیں حالانکہ میں لڑکے مسلمان ہیں جو اردو فارسی کی تعلیم سے محروم ہیں۔
 امداد :- میونسپل کمیٹی حب ذیل اداروں کو امداد دیتی ہے :-

جگناتھ اسکول ۳۰۰ روپے سالانہ — بی۔ این۔ آر۔ اسکول ۵۰ روپے سالانہ
 فن اسکول ۲۵۰ روپے سالانہ — مہاراشٹر مڈل ۳۰ روپے سالانہ
 ہندی سہتیہ ۳۰ روپے سالانہ — اردو گرل اسکول ۱۵۰ روپے سالانہ
 اعداد شمار مندرجہ بالا سے ظاہر ہوگا کہ میونسپل کمیٹی ساڑھے تیرہ ہزار سالانہ تعلیم پر خود

خرج کرتی ہر جس میں سے صرف ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ اردو کی تعلیم پر خرچ ہوا اور تعلیمی ادارات کو ایک ہزار روپیہ سالانہ امداد دیتی ہر جس میں سے صرف ۵۰ روپیہ مسلم ادارے یعنی اردو گرل اسکول کو ملتا ہے۔

لائسیری:۔ میونسپل کپٹی لائبریری کو دوسو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہر جس میں اردو کتب اور اردو اخبارات ناپید ہیں۔

فرائضی گوشت:۔ سینک دار جانوروں پر محصول فی راس ۶ روپیہ۔ سالانہ لائسنس چھ روپیہ ہوا و دوکان کا کرایہ ۴ روپیہ لیا جاتا ہے۔ منج اور گوشت کی دوکانوں کی قلعی اور مرمت کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

چھند واڑہ ڈسٹرکٹ کونسل:۔

نیابت:۔ کل ممبران ۱۸ (منتخب شدہ ۱۳ باہمی انتخاب سے ۳ نامزد کردہ ۳) مسلم ممبر ۲ (منتخب شدہ ۱ نذر و باہمی انتخاب سے ۱ نامزد کردہ ۱)۔

تعلیم:۔ کل ۱۱۶ اسکول ہیں۔ ۱۰۹ پرائمری اور سات ہڈل (ہندی) پرائمری اسکولوں میں ۱۰۳ لڑکوں کے ہیں اور ۶ لڑکیوں کے۔ ان ۱۰۶ اسکولوں میں صرف ایک پرائمری اسکول اردو کا ہوا جس میں بھی چار کلاسوں کے لئے صرف ایک ماسٹر ہے۔

کل ماسٹروں کی تعداد ۲۲۰ ہر جس میں ۲۲ ماسٹر مسلمان ہیں۔ ماسٹروں کی کل تنخواہ ۵۰،۴۵۰ روپیہ ماہانہ ہر جس میں ۴،۵۰۰ روپیہ ماہانہ مسلم ماسٹروں کو ملتا ہے۔ ملازمین:۔ کل ۶۴ ملازمین ہیں (ماسٹروں کے علاوہ) اس میں مسلمان چھ ہیں۔ تنخواہ:۔ اسٹاف کو ماہانہ تنخواہ ۵۰،۱۵۰ ملتی ہے جس میں سے ۱۶۶ ماہانہ مسلم ملازمین کو ملتا ہے۔

دلیسی دوواخانہ:۔ تین ویدک دوواخانے ہیں۔ ۶ ایلوپیتھک۔ یونانی ایک بھی ہیں۔

گشتی کتب خانہ :- ہ گشتی کتب خانے ہیں چار خالص ہندی کے اور ایک میں ہندی کے ساتھ چند کتابیں اردو کی ہیں۔

چھند واڑہ ماننگ بورڈ۔

نیابت :- ماننگ بورڈ نیم سرکاری ادارہ ہے۔ کل ممبران ۱۳ ہیں (منتخب شدہ ۴۔ نامزد کردہ ۹) ان تیرہ ممبروں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔
تعلیم :- ماننگ بورڈ کی طرف سے ۱۵ اسکول ہیں۔ ۱۳ پرائمری (لڑکوں کے) اور ۲ لڑکیوں کے (۲) ایک انگریزی ہندی ہڈل اسکول۔ ایک ہندی ہڈل اسکول۔ اردو کا ایک بھی اسکول نہیں نہ کسی اسکول میں اردو کا انتظام ہے۔

ملازمین :- ملازمین کی کل تعداد ۶۷ ہے جس میں مسلمان ۴ ہیں۔
تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ملازمین کی ۲۶۷۷ روپیہ ہے جس میں مسلم ملازمین کو ۱۴۴ روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔

امرواڑہ (ضلع چھند واڑہ)

پنچایت بورڈ :-

آبادی :- کل ۲۰۰۰۔ مسلم ۲۰۰۔

یہ ایک چھوٹی بستی ہے جہاں ویلج پنچایت بورڈ ہے۔

نیابت :- کل ممبران ۱۱۔ مسلم ایک۔

تعلیم :- ہندی اسکول ڈسٹرکٹ کونسل کی طرف سے ہے۔ مسلمانوں نے کوشش کر کے

اکتوبر ۱۹۳۹ء میں ایک اردو مدرسہ قائم کیا۔ فنڈ کی قلت کے سبب صرف ایک ماسٹر رکھا گیا۔

اگرچہ لڑکوں کی تعداد ۶۰ کے قریب ہے۔ یہ ماسٹر بھی ہندو ہیں۔ ڈسٹرکٹ کونسل کو متواتر تین درخواستیں

اس اسکول کی امداد دینے یا اپنے انتظام میں لے لینے کے متعلق دی گئیں مگر کوئی جواب نہیں ملا۔
ملازمین :- پنجایت بورڈ میں سات ملازم ہیں جس میں ۵۱ روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی
 ہر سب غیر مسلم ہیں۔

فراہمی گوشت :- یہاں گائے ذبح نہیں ہوتی اور صرف بازار کے دن جو ہر
 بدھ کو ہوتا ہے چھوٹے جانور کا گوشت ملتا ہے۔

سونسر (ضلع چھندواڑہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل ۵۹۱۹ — مسلم — ۴۴۵ — مسلم تناسب $\frac{1}{14}$ سے زائد۔
نیابت :- کل ممبران ۱۲ (منتخب ۸ - باہمی انتخاب ۲ - نامزد ۲) مسلم ندار و مسلم
 تناسب $\frac{1}{4}$ [ایک مسلمان آخر ۱۹۳۹ء کے انتخابات میں کانگریس ٹکٹ پر کھڑا ہوا تھا۔ مگر
 اس پر بھی ووٹ نہ ملے اور ہار گیا۔]

تعلیم :- میونسپل کمیٹی کے تحت دو اسکول ہیں ایک پرائمری جس میں ۳۲۵ لڑکے
 اور ۱۲ لڑکیاں زیر تعلیم ہیں۔ دوسرا مڈل جس میں ۱۰۰ لڑکے اور تیرہ لڑکیاں پڑھتی ہیں دونوں
 اسکول ہندی کے ہیں۔ اردو کا کوئی انتظام نہیں۔ میونسپل کمیٹی تعلیم پر ساڑھے چار ہزار روپیہ
 سالانہ خرچ کرتی ہے۔ اردو پر ایک پیسہ نہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین ۳۶ — مسلمان ۲ — مسلم تناسب $\frac{1}{14}$ ۔
تنخواہ :- کل ماہانہ اوسط تنخواہ ۹۰۰ روپیہ ماہانہ۔

مسلم ملازمین کی تنخواہ ۳۲ روپیہ ماہانہ مسلم تناسب $\frac{1}{14}$ کے قریب۔

فراہمی گوشت :- گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔ چھوٹے جانور میدان میں ذبح
 ہوتے ہیں اور میدان ہی میں فروخت ہوتے ہیں۔ نہ مذبح سے نہ دوکان حالانکہ میونسپل کمیٹی
 فیس اور لائسنس لیتی ہے۔

پانڈھرنا (ضلع چند و اڑہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۱۵۰۰ ———— مسلم — ۱۱۲۸ ———— مسلم تناسب ۱٪ -

نیا بت :- کل ممبران ۷۱ (منتخب ۱۲ - باہمی انتخاب ۲ - نامزد ۲۰ - عہدیداران)

مسلم ممبر منتخب شدہ ۲۰ ———— مسلم تناسب ۱٪ سے کم -

تعلیم :- مرہٹی پرائمری اسکول ۳ - اردو اسکول ایک - مڈل مرہٹی اسکول ایک -

اردو اسکول :- یہاں کے اردو میونسپل پرائمری اسکول کی تاریخ دردناک

ہے ۱۹۳۰ء میں اس اسکول میں ۲۵ طلباء تھے اور پانچ ماسٹرنہیں ۳ ٹرینڈ اور دو

ان ٹرینڈ تھے اور انہیں اٹھارہ روپیہ سے چھپیس روپیہ مابانہ تنخواہ دی جاتی تھی - لیکن

جیسے جیسے کانگریسی حضرات کا غلبہ زیادہ ہوتا گیا حالات بدلتے گئے ۱۹۳۳ء میں ۱۲

ماسٹر رہنے دئے گئے اور ۱۹۳۹ء میں بھی صرف دو ان ٹرینڈ ماسٹر اس اسکول کے لئے رکھ

چھوڑے گئے ہیں - دونوں کو ملا کر صرف ستائیس روپیہ مابانہ تنخواہ دی جاتی ہے - اور

اگرچہ نام اردو اسکول ہے مگر اردو مضمون کے سوا تمام مضامین مرہٹی میں پڑھا جاتے ہیں -

سرسوتی کی پوجا :- یہاں کے میونسپل اسکولوں میں تعلیم شروع ہونے سے

پہلے سرسوتی کی پوجا ہوتی ہے - ۱۹۳۶ء میں مسلمان بچوں کو بھی اس پوجا میں شریک ہونے

پر مجبور کیا جاتا تھا اور مسلمان بچوں کو حکم تھا کہ ”اسلام علیکم“ نہ کہا کریں بلکہ ”نمسکار“ یا ”نام جی کی جے“

بول لائیں - اس سلسلہ میں جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو منہد نے

اکتوبر ۱۹۳۶ء میں گاندھی جی کو ایک خط لکھا تھا - گاندھی جی نے تو جواب نہیں دیا - مگر کئی

ماہ بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے مسلم شکایات کا جواب دیتے ہوئے یہ لکھا کہ ”انہیں اطلاع

ملی ہے کہ اس نام کا (یعنی پانڈھرنا) کوئی قصہ ہی نہیں ہے - جب مولانا کو قصہ کے وجود

کا ثبوت دیا گیا تو مولانا خاموش ہو گئے - لیکن اسکے بھی کئی ماہ بعد مسٹر شکلا وزیر اعظم سی۔ بی۔

دہرائے پیر پور پورٹ کا جواب دیتے ہوئے ایک سرکاری اعلان میں یہ کہا کہ ”سر سوتی کی پوجا میں شرکت کے لئے مسلم بچوں کو مجبور نہیں کیا جاتا۔ نمسکار اور رام جی کی جے کے متعلق ابھی تحقیقات ہو رہی ہیں۔“ اس تحقیقات کے نتیجے سے پھر کبھی مطلع نہیں کیا گیا۔ مسلم شکایات کے ساتھ کانگریسی حلقہ اثر میں کس طرح کا سلوک ہوتا ہے اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ پہلے تو ایک ایسے قصبہ کے وجود ہی سے انکار کر دیا گیا جس کی آبادی گیارہ ہزار سے اوپر ہے اور سینیل کیٹی کے علاوہ ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ کانگریسی حضرات اور مولانا آزاد نے دہلی سے وردھا کا سفر کرتے ہوئے اسے ضرور خود دیکھا ہوگا۔ ہمیں تو اس طرح ٹالا گیا۔ جب قصبہ کے وجود کا یقین دلایا گیا تو مولانا آزاد نے مزید جواب کی ضرورت نہ سمجھی۔ البتہ کانگریسی وزیراعظم نے ”تحقیقات ہو رہی ہیں“ کی آڑ میں پناہ لی اور سال بھر تک یہ زیادتی جاری رہی۔ وزیراعظم نے پھر یہ نہ بتایا کہ نتیجہ کیا نکلا اور جن لوگوں نے یہ زیادتی کی اُنکے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ بتائے کیوں یہ چیز تو انکی مرضی کے مطابق تھی۔ بہر حال کانگریسی دور ختم ہونے کے ساتھ ساتھ یہ زیادتی بھی ختم ہو گئی۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۴۵۷ ہے (بھنگی ۲۳۰ - ماسٹر ۱۰ - اسٹاف ۱۲)

اس میں مسلمان ۶ ہیں (ماسٹر ۲ - اسٹاف ۲) مسلم تناسب ——— ۱/۶ —

تنخواہ :- کل اوسط تنخواہ ماہانہ ۸۵۴ روپیہ ہے جس میں سے مسلم ملازمین کو ۱۰ روپیہ

ماہانہ ملتا ہے۔ ——— مسلم تناسب ——— ۱/۸۵ —

کل ماسٹروں کو ۵۱۳ روپیہ ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے جس میں صرف ۲۰ روپیہ ماہانہ

اُردو اسکول کے ماسٹروں کی تنخواہ ہے۔

فراسمی گوشت :- مندرجہ کی فیس چھوٹے جانور پر ۲۴ روپیہ رانی راس اور سینک دار جانور

پر ۲۴ روپیہ رانی راس ہے۔ مگر منہج کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ لائسنس فیس پانچ روپیہ سالانہ ہے مگر گوشت بیچنے کے لئے کوئی انتظام نہیں ہے۔

سیون (ضلع چند واڑہ) میونسپل کمیٹی

آبادی :- کل آبادی ۱۶ ہزار - مسلم - ۲۰۰۰ ہزار - مسلم تناسب - $\frac{1}{4}$
نیابت :- کل ممبر ۱۹ (منتخب ۱۲ - باہمی انتخاب سے ۳ - نامزد ۳ عہدیدار ۱)
 مسلمان $\frac{3}{4}$ - مسلم تناسب $\frac{3}{4}$ سے کم -

تعلیم :- پرائمری اسکول ۵ ہیں - جس میں اردو کا ہے دو ٹیل اسکول ایک
 لڑکوں کا ایک لڑکیوں کا - لڑکوں کے ٹیل اسکول میں تقریباً ۸۰ اردو پڑھنے والے لڑکے
 ہیں مگر اردو تعلیم کا انتظام برائے نام ہے - کل ماسٹر ۵۶ ہیں جس میں ۴ مسلمان ماسٹر ہیں - ان
 میں گیارہ اردو پرائمری اسکول ہیں -

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۴۴ ہے جس میں مسلمان ۳۴ ہیں مسلم تناسب $\frac{3}{4}$ سے کم -
تنخواہ :- اوسط ماہانہ تنخواہ چار ہزار روپیہ تقسیم ہوتی ہے جس میں سب سے کم ملازمین کو آٹھ سو ساٹھ
 روپیہ ملتا ہے - مسلم تناسب $\frac{1}{4}$ -

اعداد :- میونسپل کمیٹی میں پرائمری اسکول کو ۶۰۰ روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے مگر اردو
 گرل اسکول کو جسے انجن خدام الاسلام چلا رہی صرف دو سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے - اسکے
 علاوہ ایورڈیک ہاؤس کو بھی دو سو روپیہ سالانہ امداد کیٹی دیتی ہے - اردو گرل اسکول
 کے سالانہ اخراجات ہزار روپیہ مہینہ کے قریب ہیں جس میں سے کمیٹی دو سو روپیہ سالانہ
 اور حکومت تین سو روپیہ سالانہ دیتی ہے -

سیون ڈسٹرکٹ کونسل

نیابت :- کل ممبران ۱۹ - مسلم - ۲
تعلیم :- کل ۱۰۲ - اسکول ہیں - پرائمری ہندی اسکول ۸۹ - ہندی گرل اسکول،

اُردو پرائمری اسکول ۲۔ ٹڈل مندی اسکول ۴۔

سیونی کا علاقہ صوبہ متوسط میں ایسا علاقہ ہے جہاں دیہاتوں میں مسلم آبادی اور علاقوں سے نسبتاً بہت زاید ہے۔ لیکن ایسے علاقہ میں بھی اردو کے صرف ۲ پرائمری اسکول ہیں۔ ڈسٹرکٹ کونسل تعلیم پر تقریباً ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ صرف کرتی ہے جس میں سے اُردو کا حصہ صرف دو پرائمری اسکول ہیں۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے کانگریسی صدر مسٹر جٹار کا یہ قول ہے کہ اس علاقہ میں اردو بیخ و بن سے اٹھا ڈکرا رہا ہے۔ کانگریسی دور سے پہلے اردو اسکولوں کی تعداد خاصی تھی۔ اس کے علاوہ ڈسٹرکٹ کونسل ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ لائبریریوں پر خرچ کرتی ہے جو سب کا سب ہندی کے لئے وقف ہے۔ دو گشتی اور دو مستقل لائبریریاں ہندی کی ہیں۔ اردو کی ایک بھی نہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین ۲۷۲ (ماسٹر ۲۵۷ - اسٹاف ۱۵) مسلم ملازمین ۲۶ (ماسٹر ۲۳ - اسٹاف ۲)۔

تنخواہ :- کل تنخواہ اوسط ماہانہ ۵۵۷۶ روپیہ (ماسٹر ۱۹۹۶ روپیہ - اسٹاف ۳۸۰) مسلم ملازمین ۸۲۶ روپیہ - (ماسٹر ۷۲۰ - اسٹاف ۹۸)

کینڈر وہ سیونیل کمیٹی

آبادی :- کل ۳۲۶۲۲ - مسلم ۹۵۷۲ - مسلم تناسب ————— سے کم۔
پہاڑے :- کل ممبران ۲۷ - مسلم ممبران ۶ - مسلم تناسب ————— سے کم۔
تعلیم :- کل اسکول ۱۶ - پرائمری لڑکوں کا ۱۳ - لڑکیوں کا ۲ - ٹڈل اسکول ایک۔
اُردو پرائمری اسکول لڑکوں کے چار - لڑکیوں کا ایک - کینڈی سالانہ سناٹھ ہزار روپیہ تعلیم پر خرچ کرتی ہیں جس سے ساڑھے بارہ سو روپیہ اُردو پر خرچ ہوتا ہے۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۲۵۰ ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد ۱۰۳ ہے۔ یہاں سیونیل کمیٹی میں مسلم ملازمین کی تعداد مناسب تھی مگر جب سے کانگریسی کا غلبہ ہوا ہے مسلمان

ملازمین کو تنگ کرنے اور انکی تعداد کم کرنے کے جن شروع ہو گئے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل واقعات رونا ہوسے ہیں:-

- (۱) جعفر خاں ناجی ماسٹر کو دو سال کی توسیع سابق کمیٹی نے دی تھی مگر کانگریسی اکثریت کی نئی کمیٹی نے اسے منسوخ کر دیا اور انھیں ریٹائر ہونا پڑا۔
- (۲) جن خاں ملازم کمیٹی کو معمولی باتوں کا بہانہ بنا کر برطرف کیا گیا مگر ڈپٹی کمشنر نے اپیل پر دوبارہ بحال کر دیا۔

- (۳) مرزا یلین بیگ ناکہ محر کی ملازمت عمر کی بنا پر ختم کر دی گئی۔ اگرچہ انھوں نے ثبوت پیش کیا کہ انکی عمر بھی پچیس سال کی نہیں ہوئی ہے۔
- (۴) بھٹکے ہوئے جانوروں کو پکڑنے کے لئے چار ملازم مسلمان تھے۔ چاروں کو تخفیف کے نام پر برطرف کر دیا گیا اور یہ جگہ توڑ دی گئی۔ تین مہینہ کے بعد پھر اس جگہ پر تقرر کیا گیا۔ لیکن تین ہندوؤں کا اور صرف ایک مسلمان کا۔
- (۵) ایک مسلمان چیراسی کی ملازمت ختم کر دی گئی۔

- (۶) روٹی بازار میں فصل کے موقع پر عارضی تقرر پہلے نصف ہندو نصف مسلمان کے ہوا کرتے تھے تقریباً چھ آدمی مقرر کئے جاتے تھے۔ اس مرتبہ نئی کمیٹی نے چار ہندو اور ایک مسلمان کا تقرر کیا۔ ان مسلم امیدواروں پر جو دو سال کا تجربہ رکھتے تھے اور زیادہ قابلیت کے مالک تھے نئے ہندوؤں کو جو کم قابلیت رکھتے تھے اور پہلے کا تجربہ نہ تھا ترجیح دی گئی۔
- (۷) سکندر خاں نامی ایک شخص کو لیبر سپروائزر مقرر کیا گیا۔ بعد میں انھیں سابق امیدوار ہونے کے سبب گزیرہ کی جگہ خالی ہونے پر منتقل کر دیا گیا اور لیبر سپروائزر کی جگہ ایک ہندو مقرر کیا گیا۔ اگرچہ تقرری اس طرح نامزد ہوئی مگر کام بدستور سابق دونوں کرتے رہے یعنی لیبر سپروائزر کا کام مسلمان کرتا رہا اور گزیرہ کا کام ہندو کمیٹی نے یہ سمجھتے ہوئے کہ لیبر سپروائزر مسلمان ہے یہ جگہ تخفیف کے نام پر اڑادی۔ مگر جب معلوم ہوا کہ اگرچہ کام مسلمان

کر رہا ہے جگہ ہندو کی ہے تو اس تجویز پر عمل نہیں کیا گیا کیونکہ ہندو کو برطانت ہونا پڑتا۔
فرقہ پرستی اور اوچھال :- کانگریسی اکثریت کے دور میں کھنڈوہ کے
 ایک ہندو کاروباری چھوٹا لال بھی کانگریس ٹکٹ پر میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہو گئے۔ یہ موٹر
 اور موٹر کے سامان کے تاجر ہیں۔ انکے حریف تجارت میں ایک مسلمان مسٹر عبادت علی ہیں۔
 میونسپل کی ممبری کا ناجائز استعمال اپنے مسلمان مقابل کو نقصان پہنچانے کے لئے ہونے
 لگا۔ پہلے تو عبادت علی پرنسپل ٹیکس نہ دینے کا الزام لگایا گیا۔ حالانکہ ڈرائور نے رقم
 ادا کر دی تھی اور بقیہ رقم نوش ملنے پر ادا کی جا چکی تھی۔ پھر بمبئی سے جو موٹریں آئی ہوں
 ان پر ڈیوٹی دینے کے لئے فہمائش کی گئی۔ لطف یہ ہے کہ عبادت علی صاحب کے علاوہ
 دوسرے ہندو تاجروں نے اور خود مسٹر چھوٹا لال نے موٹریں بمبئی سے منگوائی تھیں مگر ان
 لوگوں کو ایسی فہمائش نہیں کی گئی۔

یہ صوارہ بازار کے ایک مسلمان ہوٹل والے کو ہندو ہمایوں کی شکایت پر بری طرح
 تنگ کیا گیا پہلے تو نرول کی جو جگہ اسکے پاس تھی اس کا پتہ منسوخ کرنے کی کوشش کی
 گئی۔ مگر کشنر صاحب نے آکر خود جگہ کو دیکھا اور منسوخی کے احکام مسترد کر دئے۔ شکایت
 کرنے والوں میں کانگریسی ممبر کمیٹی بھی تھے۔ جب یہ چال کامیاب نہ ہوئی تو ہوٹل کالائسنس
 دینے سے انکار کیا گیا اور لائسنس دینے کے لئے ایسی شرطیں پیش کی گئیں جو ناقابل عمل
 ہیں۔ یہ شرطیں کسی دوسرے ہوٹل والے کے ساتھ نہیں لگائی گئیں۔ خود میونسپل مارکٹ
 میں ہوٹل کی دوکانیں ان شرائط کی پابند نہیں۔

غریبوں کی خانہ برداری :- محلہ کہا روڈی میں تقریباً سو سال سے
 ۲۰۰ کے قریب کھارہ رہتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ یہ برتنوں کا آواہیں لگایا کرتے ہیں۔ بعد
 تحقیقات کے سنہ ۱۹۷۱ء میں یہ بات طے پا گئی کہ آٹھ یا نو آوے لگانے کی اجازت ہے اس
 سے کوئی حرج نہیں مگر تعداد اس سے زیادہ نہ بڑھنی چاہیے۔ کچھ دنوں سے مسٹر چھوٹا لال

نے اسی محلہ میں مکان بنوایا اور رہنے لگے ہیں۔ انہوں نے اپنے آرام کی خاطر کہاروں کی شکایت شروع کی کہ آواہاں نہ لگانے دیا جائے۔ سابق میونسپل کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ مسٹر چھو لال کی شکایت بجا ہو اور کہاروں کو لائسنس حسب دستور دیدیا۔ نئی کمیٹی کانگریسی اکثریت کی آئی اور مسٹر چھو لال بھی ایک ممبر ہوئے۔ پھر کیا تھا۔ ۱۹۳۹ء کے الیکشن کو آوے لگانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا گیا۔ ایک ہندو کانگریسی رئیس کی آسائش پسندی کے لئے دوسو غریبوں کو انکی واحد اور سو سالہ قدیم ذریعہ آمدنی سے قطعاً محروم کر دیا گیا۔ یہ عوام کی نمائندگی اور غریبوں کی ترجمانی کے جھوٹے دعویداروں کی ذہنیت کی نمایاں مثال ہے۔

فراہمی گوشت :- اگرچہ مذبح اور گوشت مارکٹ سے میونسپل کمیٹی کو ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے مگر مذبح اور مارکٹ کی حالت بہت خراب ہے۔ صفائی اور حفظان صحت کا کوئی انتظام نہیں نہ مرمت و قلعی کا۔ ماسوا اسکے مذبح سے گوشت مارکٹ تک لانے کے لئے راستے مقرر ہیں۔ دوسرے راستوں سے گوشت لیجانا ممنوع ہے۔

لائبریری :- میونسپل کمیٹی پر نے چھ سو روپیہ سالانہ پبلک لائبریری کو گرانٹ دی ہے۔ اس میں اردو کتب اور اخبارات برائے نام ہیں۔

برہان پور۔ میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل ۴۴۰۰۰ مسلم ۱۸۰۰۰ مسلم تناسب ————— ۲ سے کم

نیابت :- کل ممبر ۲ ————— مسلم ممبر ۱۔

تعلیم :- کل پرائمری اسکول ۲۴ (لڑکوں کے مرٹھی ۷۔ گجراتی ۳۔ ہندی ۳۔ اردو ۱۶۔ لڑکیوں کے مرٹھی ۱۔ گجراتی ۱۔ ہندی ۱۔ اردو ۱)۔

ایک ہائی اسکول جس میں مڈل تک اردو پڑھائی جاتی ہے۔ ایک ماسٹر اردو فارسی

کے لئے ہے۔ کیٹی تقریباً تراسی ہزار روپیہ سالانہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے جس میں سے صرف دس ہزار یعنی آٹھویں حصہ سے بھی کم اردو کی تعلیم پر خرچ ہوتا ہے۔ حالانکہ مسلم آبادی ایک تہائی سے زائد ہے۔

ملازمین:۔ کل پانچ سو دس ملازم ہیں (ماسٹر ۱۲۷ - بھنگی ۲۲۰ - اسٹانٹ ۱۶۳) اس میں سے مسلم ملازمین کی تعداد ۹ ہے (ماسٹر ۳۵ - بقیہ ۶۳) مسلم تناسب $\frac{1}{10}$ سے کم۔
تنخواہ:۔ ماہانہ اوسط تنخواہ گیارہ ہزار روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ مسلم ملازمین کو پندرہ سو ماہانہ ملتا ہے۔ مسلم تناسب $\frac{1}{10}$ ۔

فراہمی گوشت:۔ مذبح اور گوشت کی دوکانوں اور لائسنس سے کیٹی کو تقریباً سولہ سو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے لیکن چھوٹے گوشت کا مارکٹ بہت تنگ اور مرطوب ہے اور بڑے کا پرانی عمارت میں ہے جسکے چبوترے بہت ہی مرست طلب ہیں۔ کئی بار درخواست دی گئی مگر کوئی توجہ نہ ہوئی۔ قلعہ سالانہ نہیں کی جاتی ہے۔

ہندو ذہنیت:۔ کانگریسی اکثریت نے اپنی ہندو ذہنیت اور اختیارات کے ناجائز استعمال کا جو مظاہرہ کیا ہے اسکی چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔
(۱) گنپت نامی ایک ریٹائرڈ کانسٹبل کیٹی کے بھنگیوں کو بھاری سود پر رقم قرض دیا کرتا ہے۔ سکریٹری میونسپلٹی اس کانسٹبل کے دلال کا کام کرتے ہیں۔ انکے حکم سے اس کانسٹبل کی واجب الادا رقم بھنگیوں کی تنخواہ میں سے تنخواہ کی ادائیگی کے پہلے کاٹ لی جاتی ہے اور کانسٹبل کو دیدی جاتی ہے۔ میونسپلٹی کا اسٹاف کانسٹبل کے ساتھ کاری کے سلسلہ میں وصولی کا کام مفت کرتا ہے۔

(۲) روٹی کی فصل میں چار عارضی تقرر ہوا کرتے تھے۔ دو ہندو اور دو مسلمان لیکن ۱۹۳۹ء میں کانگریسی اکثریت نے تین تقرر کئے اور تینوں جگہیں ہندوؤں کو دی گئیں۔

(۳) میونسپل ملازم ماسٹر رام دت گیانی کو حیدر آباد ستیہ گرہ میں حصہ لینے کے لئے رخصت

دی گئی۔

(۴) لوہارنڈی کی قدیم مسجد کی تعمیر کے لئے اجازت طلب کی گئی۔ سکریٹری نے رپورٹ دی کہ ایک پُرانی مسجد ہے۔ معاہدہ کے مطابق پُرانی مسجدوں کے سامنے باجا نہیں بجا جاسکتا اس لئے میونسپل کمیٹی نے سکریٹری کی رپورٹ کے باوجود حکم صادر کیا کہ درخواست نامنظور لیکن اُسی جگہ نئی مسجد بنانے کی اجازت دی جاتی ہے۔ مصلحت یہ تھی کہ نئی مسجدوں کے سامنے باجہ بجا جاسکتا ہے۔

(۵) مارچ ۱۹۳۹ء میں باہمی انتخاب کی چار نشستوں میں سے ایک کے لئے مسٹر محمد اصغر وکیل برہانپور بھی اسیدوار تھے۔ انہیں پہلے نمبر کے چار ووٹ ملے لیکن کانگریسی چیرمین نے ایک ووٹ مسترد کر دیا اس لئے کہ اسپیشل کی دوسری لکیر ہند سے پر تھی۔ ووٹ دینے والا لکھنے پڑھنے سے نا بلد تھا اور شکل سے ہندی ہند سے لکھ سکتا تھا۔ لیکن ایک کانگریسی ممبر کا ووٹ کا پرچہ جس پر پان کے داغ دھبے دونوں طرف تھے مسترد نہیں کیا گیا۔

(۶) میونسپل کمیٹی نے گاؤ کشی ممنوع قرار دے جانے کے متعلق مسٹر چٹوئیس ممبر اسمبلی کے مسودہ قانون کی تائید کی۔

(۷) اردو اسکول لال باغ اور دین اردو اسکول کو کافی چٹائیاں تک نہیں دی گئیں۔ حالانکہ ہیڈ ماسٹر نے کئی بار لکھا اور ایک ممبر نے بھی رپورٹ کی۔ جاٹوں میں لڑکوں کو زمین پر بیٹھنا پڑا۔ دو سال سے ان اسکولوں میں نقشے نہیں فراہم کئے گئے ہیں۔ جدید نصاب کا سامان اکتوبر ۱۹۳۹ء تک نہیں دیا گیا حالانکہ اپریل سے برابر مطالبہ جاری رہا۔

(۸) مسٹر بدیع الزماں لوہارنڈی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ ۱۹۳۶ء میں ان پر یہہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے ایک لڑکے کو سید مارا۔ لڑکے کے والدین نے درخواست دی کہ انہیں بدلہ نہیں چاہیے نہ کوئی شکایت ہے۔ تحقیقات کرنے والے مہندہ ممبر نے بھی رپورٹ دی کہ الزام غلط ہے۔ اسکے باوجود انہیں اسسٹنٹ ماسٹر بنا دیا گیا اور اپنے ایک

پروردہ کو جبکی مدت ملازمت صرف چھ سال کی تھی اور ٹریڈ بھی نہیں تھا تیرہ دوسرے ماسٹروں کے حقوق کو قطع نظر کرتے ہوئے ہیڈ ماسٹر بنا دیا گیا۔ ان تیرہ ماسٹروں کی اپیل کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی بدیلع الزماں نے ڈپٹی کمشنر کے پاس اپیل کی۔ ڈپٹی کمشنر کی یاد دہانیوں کے باوجود تمام متعلقہ کاغذات نہیں بھیجے گئے اور تاخیر کی جا رہی ہے۔ اس عرصہ میں جذبہ انتقام اور بھڑک اٹھا۔ ۱۹۳۹ء میں اسنے دو گھنٹے کی رخصت طلب کی۔ ہیڈ ماسٹر نے کہا کہ دفتر جا کر بالاحکام سے رخصت لو۔ یہ دفتر چلا اور ہیڈ ماسٹر نے رپورٹ کر دی کہ بغیر میری اجازت کے اسکول چھوڑ دیا ہے رپورٹ بھی براہ راست وائس پریسیڈنٹ کو کی گئی۔ سپروائزر کو نہیں۔ اس خطا کے اوپر بدیلع الزماں کو معطل کر دیا گیا۔ سپروائزر نے ایک اور کانگریسی ممبر کے ساتھ اس واقعہ کی تحقیقات کی اور بدیلع الزماں کو بے قصور ٹھہرایا۔ ان کی رپورٹ بھی لیت و لعل میں پڑی ہوئی ہے اور بدیلع الزماں کی معطلی کا آخر ۱۹۳۹ء تک کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔

(۹) سندی پورہ اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے دسمبر ۱۹۳۹ء میں جپٹی لی انکی جگہ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۹ء تک کسی کو متعین نہیں کیا گیا۔

(۱۰) انگریزی۔ ہندی۔ مرہٹی۔ گجراتی اور اردو اسکول کمیٹی کے تحت میں ہیں۔ ان سب زبانوں کے ماسٹروں میں سے اردو اسکول کے ماسٹروں کو سب کے بعد تنخواہ دی جاتی ہے۔

(۱۱) ہندو محلوں میں نل اور روشنی سفادت کے ساتھ دی جاتی ہے۔ برخلاف اسکے مسلم محلوں میں ضرورت کے مطابق بھی نہیں ملتی۔ خصوصاً سندی پورہ میں جو مسلم محلہ چھ منظوری کے باوجود فنڈ کی کمی کی آڑ لیکر فراہمی کو ٹال دیا گیا۔

(۱۲) کمیٹی کے ضعیف العمر سینٹری انپیکٹر کی مدت ملازمت میں توسیع کی گئی اور انہیں اور سیر بنا دیا گیا۔ انکی تنخواہ بہ حیثیت انپیکٹر انتہی روپیہ ماہانہ تھی۔ انکی جگہ پر چالیس چالیس روپیہ ماہانہ کے دو انپیکٹر رکھے گئے۔ ایک ہندو ایک مسلمان۔ تخفیف کی آڑ لیکر تھوڑے دنوں بعد مسلمان انپیکٹر کو برطرف کر دیا گیا۔ یہ تجویز پیش کی گئی کہ ضعیف العمر اور سیر کو تو توسیع

دی گئی ہوا نہیں ریٹائر کر دیا جائے اور ہندو انپکٹر کو اور سیر بنا کر انپکٹر کی جگہ مسلمان کو رہنے دیا جائے۔ مگر یہ تجویز بھی کانگریسی اکثریت نے نامنظور کر دی۔

(۱۳۴) فائر بریگیڈ اور پانی کی موٹر کے لئے ایک ہندو ڈرائور مقرر کیا گیا اور بعد میں اسے مارکٹ انپکٹر بنا دیا گیا۔ مسلمان اسٹیم رولر ڈرائیور کو جسے موٹر ڈرائوری بھی آتی تھی ان موٹر کے چلانے کا کام سپرد کیا گیا۔ اس انتظام کے بعد سے ہندو نے کبھی موٹر نہیں چلائی مگر اسے تنخواہ کے علاوہ بیس روپیہ سالانہ الاؤنس دیا گیا اور مسلمان کو جو دوسری ڈیوٹی کرتا رہا ایک پیسہ نہیں دیا گیا۔

(۱۳۵) جس ٹینک میں ہندو ڈرائور کا الاؤنس منظور ہوا۔ اسی ٹینک میں ایک مسلمان چہر اسی کی تنخواہ میں ایک روپیہ کی ترقی کی تجویز نامنظور کر دی گئی۔ یہ چہر اسی سولہ سال کا ملازم ہوا اور پندرہ روپیہ تنخواہ ملتی رہے۔ ایک مدت سے کوئی ترقی نہیں ملی۔

(۱۵۱) اسٹیشن کے پاس لال باغ کے علاقہ میں نئی چالیں بنی ہیں جنہیں اکثر دوکانیں ہیں۔ پہلے یہاں ہندو ہوٹل کھلے جنکی تعداد تین تک پہنچ گئی۔ سامنے کی کھلی زمین میں ہوٹل والے بیچ کرسیاں برابر رکھتے رہے۔ ایک مسلمان نے بھی اس عمارت میں ہوٹل کھولا اور تمام ہندو دوکانداروں کی طرح دو چار کرسیاں دوکان کے سامنے ڈال دیں۔ کیٹی کے سینڈیٹری انپکٹر نے فوراً نوٹس دیدیا کہ کرسیاں ہٹا لو ورنہ چالان کر دیا جائیگا۔ لیکن ہندو ہوٹل والوں کو کچھ نہ کہا گیا اور وہ نزدول کی زمین کے پہلے کی طرح مالک بنے ہوئے ہیں۔

بیتول میونسپل کمیٹی

آبادی :- کل آبادی ۹۶۱۴ ——— مسلم ۱۶۱۰ ——— مسلم تناسب ۱۶٪

نیابت :- کل ممبران ۲۰ (منتخب ۱۳۔ باہمی انتخاب سے ۳۔ نامزد ۴۔ عہدیداران)

مسلم ممبر منتخب ۲ ——— مسلم تناسب ۱۰٪

تعلیم :- ہندی پرائمری اسکول ۴۰ - تین لڑکوں کا ایک لڑکیوں کا - ایک بڈل اسکول - اردو کا ایک بھی اسکول نہیں - کل ۲۱ ماسٹر ہیں جنہیں صرف دو مسلمان ہیں - ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد تلوہ ہے - جس میں صرف پانچ مسلمان ہیں - مسلم تناسب ————— ۱/۱۰ -

تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۱۸۰۰ روپیہ تقسیم ہوتی ہے - مسلم ملازمین ۹۰ روپیہ - مسلم تناسب ————— ۱/۱۰ -

لائبریری :- میونسپل کمیٹی کی طرف سے ایک لائبریری ہے - جس کے اخراجات ۴۵۰ روپیہ سالانہ ہے - اس میں ایک بھی اردو کی کتاب نہیں - صرف ایک اردو اخبار منگوا یا جاتا ہے - مسلمانوں کی انجمن نے ایک اردو لائبریری قائم کر رکھی ہے - اسکو کوئی گرانٹ نہیں دیا جاتا -

فراہمی گوشت :- ۱۹۲۱ء کے بعد سے میونسپل حدود کے اندر گائے ذبح کرنا ممنوع ہے - باہر ذبح ہوتی ہے اور گوشت ذبح کیا ہوا شہر میں لانے کے لئے راستہ مقرر کیا گیا ہے - اس راستہ کے سوا دوسرے راستوں سے نہیں لا سکتے - میونسپل کمیٹی نے کوئی مارکٹ یا دوکان گائے کے گوشت کے لئے نہیں بنوائی ہے - لوگ گھروں پر بیچتے ہیں - اس سلسلہ میں ان کا چالان کیا جاتا ہے اور برابر جرمانہ دینا پڑتا ہے - مقصد یہ ہے کہ شہر کے اندر گوشت ملنا بند ہو جائے -

اردو اسکول کی دروناک کہانی :- یہاں اردو کے دو اسکول تھے ایک لڑکوں کا ایک لڑکیوں کا - اسکی بنیاد مسلم انجمن نے ڈالی تھی اور بعد میں میونسپل کمیٹی کے حوالہ کر دیا تھا - لڑکوں کا اسکول ساٹھ سال سے قائم تھا - کانگریسی اثرات کے حاوی ہوتے ہی اس پر آفت آگئی - جولائی ۱۹۳۷ء میں اسے جبکہ لڑکوں کی تعداد اٹنی تھی ہندی اسکول کے ساتھ ضم کر دیا گیا - اُسکے بعد ایک ایک کلاس کو توڑنا شروع کیا یہاں تک

کہ درجہ چہارم رہ گیا ۱۹۳۵ء میں ان سب لڑکوں کو پاس کر کے اسکول بالکل توڑ دیا گیا۔ مسلمان لڑکوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ دیکھ کر مسلم انجن نے پھر سے اردو پرائمری اسکول قائم کیا۔ اس میں ۶۴ لڑکے ہیں اور دو ماسٹر بڑھاتے ہیں تقریباً پندرہ سو روپیہ سالانہ کا خرچ ہے۔ کمیٹی ایک پیسہ بھی نہیں دیتی ۱۹۳۵ء میں حکومت نے وعدہ کیا کہ کمیٹی گرانٹ دیگی مگر پورے سال بھر تک یعنی آخر ۱۹۳۹ء تک کوئی گرانٹ نہیں ملا۔ انجن کی اپنی عمارت ہے۔ اس میں دفتر، لائبریری، لڑکیوں کا اسکول اور لڑکوں کا اسکول ہے۔ ان تمام کے لئے عمارت ناکافی ہے۔ انجن نے کمیٹی سے درخواست کی کہ کمیٹی کی جس عمارت میں پہلے اردو اسکول تھا۔ اُسی میں اسکول رکھنے کی اجازت دی جائے۔ مگر کمیٹی نے انجن کی یہ درخواست نامنظور کر دی۔ جگہ کی قلت کے سبب انجن اردو اسکول کو ترقی دینے سے قاصر ہے۔ یہ تو ہوا لڑکوں کے اسکول کا قصہ لڑکیوں کا اردو اسکول مسلم انجن نے ۱۹۳۲ء میں قائم کیا۔ ۱۹۳۵ء میں یہ اسکول میونسپل کمیٹی کے حوالہ کیا گیا۔ اس وقت اسکول میں ۲۷ لڑکیاں تھیں۔ کمیٹی نے اسکے ساتھ قصداً نا تو جی برتنی شروع کر دی یہاں تک کہ دو سال بعد صرف ۱۸ لڑکیاں رہ گئیں۔ میونسپل کمیٹی نے انجن کو دھکی دی کہ وہ اسکول کا انتظام واپس لے لے ورنہ اسکول بند کر دیا جائیگا۔ اور اسکو عملی جامہ پہناتے ہوئے جولائی ۱۹۳۵ء میں کمیٹی نے اس اسکول کو توڑ دیا۔ یہ اسکول انجن ہی کی عمارت میں تھا۔ کمیٹی کو کرایہ بھی نہیں دینا پڑتا تھا۔ لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام نہ دیکھ کر مسلم انجن نے پھر سے اسکول قائم کیا۔ اس وقت اسکول میں ۱۰۹ لڑکیاں ہیں۔ اور تین استانیات مستقل تنخواہ دار ہیں اور چند اعزازی۔ میونسپل کمیٹی گرل اسکول کو صرف ۳۶ روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ میونسپل کمیٹی چار ہزار روپیہ سالانہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے جس میں سے تین سو چوٹھ روپیہ سالانہ اردو کی قسمت کا ہے۔

اس اسکول کے متعلق بھی کانگریسی حکومت کا رویہ پابند صرنا کے واقعہ سے کم نہیں رہا۔

جب سوالات کئے گئے کہ کیا بیتول کا لڑکوں اور لڑکیوں کا اسکول بند کر دیا گیا ہے تو جواب ملا کہ ایسا کوئی اسکول بیتول میں تھا ہی نہیں۔ بڑی رد و قدر کے اور کئی ماہ کے بعد کانگریسی حکومت نے وعدہ کیا کہ میونسپل کمیٹی امداد جاری کر دے گی۔ مگر سال بھر تک یہ وعدہ پورا نہ کیا گیا۔ کانگریسی حکومت کے جانے کے بعد کچھ حالات رو یہ اصلاح ہوئے ہیں۔

مڈل اسکول کا ٹھیکہ :- میونسپل کمیٹی کا ایک انگریزی مڈل اسکول بھی

ہے۔ ۱۹۳۷ء تک اسے میونسپل کمیٹی خود چلاتی رہی۔ اس وقت تک اس اسکول میں تین مسلمان ماسٹرز تھے اور اردو میں بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعد میں اس اسکول کو کمیٹی نے مسٹر ستارام مسرا ریٹائرڈ انسپکٹر مدارس کی پرورش کے لئے انھیں ٹھیکہ پر دیدیا۔ تمام سامان اور عمارت انکے حوالہ کر دیا گیا۔ برائے نام پندرہ روپیہ مہینہ کرایہ مقرر کیا گیا مگر وہ کبھی وصول نہیں کیا گیا۔ تینوں مسلمان ماسٹروں کو علیحدہ کر دیا گیا۔ دو کی ملازمت ختم کر دی گئی اور ایک کو مندی اسکول میں واپس کر دیا گیا۔ ان دو ماسٹروں کی جگہ نئے ٹھیکہ دار کے اعزہ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ اس ترکیب سے اردو کو اور مسلم ماسٹروں کو مڈل اسکول سے خارج کر دیا گیا۔

مسلم ملازمین کا اخراج :- اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو جنکی مدت ملازمت

سولہ سال کی تھی چنن لینے پر مجبور کیا گیا۔ یکم ستمبر ۱۹۳۷ء سے یہ ریٹائر کر دئے گئے۔ مگر اخیر ۱۹۳۹ء تک انہیں ایک پیسہ نہیں ملا۔ ایک دوسرے مسلمان ماسٹر کو جنکی مدت ملازمت تیرہ سال کی تھی اسی طرح برطرف کر دیا گیا۔ کانگریسی اکثریت پرتل میونسپل کمیٹی نے تخفیف کی آڑ میں پانچ مزید مسلمانوں کو برطرف کر دیا۔ تین مسلمان جمعداروں کو۔ ایک ٹیکس کلکٹر کو اور ایک مستری سے جسکی بارہ سال کی مدت ملازمت تھی زبردستی استعفا دلوا یا گیا۔ کسی ہندو کی ملازمت تخفیف کی زد میں نہ آ سکی۔ غور سے دونوں بعد ان مسلمانوں کی جگہوں پر ہندوؤں کا تقرر کر دیا گیا۔

بیتول ڈسٹرکٹ کونسل۔

نیابت :- ڈسٹرکٹ کونسل میں کوئی بھی مسلمان ممبر نہیں ہے۔

تعلیم :- کل ۱۲۲۰ اسکول ہیں (قدیم ۳۷ جدید ۱۲۷ - قدیم اقوام کے ۵۶) - اردو کا صرف ایک اسکول ہے۔

ملازم :- کل نو سو چھیانوے ملازم ہیں (ماسٹر ۹۵۶ - اسٹاف ۴۰) مسلمان ۴ ہیں (ماسٹر ۳ - اسٹاف ۱)۔

تنخواہ :- کل تنخواہ ماہانہ اوسط ۹۸۸۰ روپیہ - (ماسٹر ۸۹۰ - اسٹاف ۹۸۰) مسلمانوں کی تنخواہ ۴۶ روپیہ (ماسٹر ۳۶ - اسٹاف ۱۰)۔

لائبریری :- دو ہندی کی لائبریری ہیں۔

آملہ (ضلع بیتول) پنچاپیت بورڈ۔

آبادی :- کل ۳۰۰۰۰ ——— مسلم ——— ۲۵۰۔

یہ چھوٹی بستی ہے یہاں دیلج پنچاپیت بورڈ ہے۔

نیابت :- بورڈ میں تیرہ ممبر ہیں۔ جن میں دو نامزد شدہ مسلمان ہیں۔

تعلیم :- یہاں سرکاری اور ڈسٹرکٹ کونسل کے دو ہندی پرائمری اسکول ہیں۔ ایک لڑکوں کا ایک لڑکیوں کا۔

ملازم :- کل آٹھ ملازم ہیں۔ سب غیر مسلم۔

تنخواہ :- کل ماہانہ تنخواہ ایک سو تین روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔

لائبریری :- بورڈ کی ایک لائبریری ہے۔ کتابیں کل ہندی ہیں۔ ایک سو چار روپیہ

کی ہندی کتابیں خریدی گئیں۔ سکریٹری اور سرچنگ نے ان کتابوں میں سے بہت سی اہم اور

کردیں مگر کوئی جواب طلب نہیں کیا۔ دس روپیہ کی اردو کتابیں خریدنے کی منظوری بشکل ہوئی تھی۔ اس میں سے صرف دو روپیہ تیرہ آنے کی کتابیں خریدی گئیں۔

فراہمی گوشت :- بڑے جانور ذبح نہیں ہوتے ہیں۔

قبرستان :- قبرستان بالکل بھر گیا ہے۔ سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ایک سال سے زائد سے حکام کو اسکے متعلق برابر لکھا جا رہا ہے مگر کوئی توجہ نہیں ہوئی۔

ریلوے علاقہ :- یہ بی این آر اور جی۔ آئی۔ پی کا جنگل بھی ہے۔ اور ایک مختصر ریلوے آبادی ہے۔ اس آبادی میں تقریباً دو سو مسلمان ہیں۔ مگر ریلوے نے ایک اردو پرائمری اسکول کا انتظام کر رکھا ہے۔

ملتان (ضلع بیتول) نوٹیفکڈ ایریا کمیٹی :-

آبادی :- کل ۵۰۰۰ — مسلم آبادی ۵۰۰۔

نیابت :- کل ممبر ۶ (منتخب ۶۔ نامزد ۳)۔ مسلم منتخب شدہ ۲۔

تعلیم :- کمیٹی کا ایک ہندی پرائمری اسکول ہے۔ ایک سرکاری مڈل اسکول ہے۔ ایک لڑکیوں کا ہندی اسکول ہے۔ اردو کا کوئی انتظام نہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین ۲۶ ہیں (بھنگی ۱۵۔ اسٹاف ۴۔ ماسٹر ۷) مسلمان صرف

ایک جمعدار۔

تنخواہ :- تقریباً تین سو روپیہ ماہانہ تقسیم ہوتی ہے۔ جس میں صرف بارہ روپیہ مہینہ مسلمان کو ملتا ہے۔ تعلیم پر کمیٹی تقریباً دو سو روپیہ سالانہ خرچ کرتی ہے۔ اردو پر ایک پیسہ نہیں۔

ایک مکتبہ اردو کا ہے جس میں ۲۴ لکے پڑھتے ہیں۔ کمیٹی اسکول کوئی امداد نہیں دیتی ہے۔

پالاکھٹ - میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل ۹۶۰۰ — مسلم ۱۶۰۰ — مسلم تناسب — ۱/۶۔

نیابت :- کل ممبران ۱۷ (منتخب ۱۰ - باہمی انتخاب سے ۲ - نامزد ۲ - عہدیدار ۲)
 مسلم ممبران ۴ (منتخب ۲ - باہمی انتخاب سے ۱) — مسلم تناسب — — — — —
تعلیم :- پرائمری اسکول ۴ (ہندی ۲ - مرٹھی ۱ - اردو ۱)
 اسکے علاوہ سرکاری ہندی گرل اسکول بڑو - ایک انگلش بڈل اسکول سیونپل کیشی
 کاہر - کل ماسٹر ۲۹ ہیں جن میں دو مسلمان ماسٹر ہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۹۰ ہے جس میں مسلمان ملازم ۵ ہیں مسلم تناسب ۱/۱۸۔
تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۱۹۵۰ روپیہ - مسلم ملازمین کی ۱۰۴ - مسلم تناسب ۱/۱۹۔
ہندو ذہنیت :- ۱۹۳۹ء میں اردو پرائمری اسکول کے دو ماسٹروں ملازمین
 (بڈت ملازمت ۲۰ سال) اور نورالحسن (بڈت ملازمت ۱۰ سال) کو تخفیف کے بہانے
 برطرف کر دیا گیا۔ یہ بھی بہانہ بتایا گیا کہ لڑکوں کی تعداد کم ہے۔ تماشایہ ہے کہ جبر یہ تعلیم
 رائج ہے۔ مرٹھی اور ہندی کے لئے لڑکوں کے داخلہ میں کوئی مزاحمت نہ کی گئی لیکن اردو
 اسکول کے لئے عمر کی تصدیق کے بکھیرے نکالے گئے۔ لڑکوں کی تعداد کافی دکھانے
 کے بعد ایک نئے ماسٹر کے تقرر پر کیشی مجبور ہوئی تو باوجود درخواست کے برطرف ماسٹر
 میں سے کسی کو نہیں لیا گیا بلکہ ایک پرائمری پاس شخص کو جیسا چوری کے الزام میں چالان
 ہوا تھا ماسٹر مقرر کر دیا گیا۔ ان تجاویز کے بحث کے موقع پر مسلم ممبران کو کئی بار بطور احتجاج
 یٹنگ سے واک آؤٹ کرنا پڑا۔ اور جناب فیض الحسن صاحب وکیل نے جو باہمی انتخاب
 سے ممبر چنے گئے تھے تنگ آکر رکنیت سے استعفا دیدیا۔ مقامی انجمن اسلامیہ پرائمری
 گرل اسکول چلاتی ہے۔ جس کے اخراجات تقریباً ہزار روپیہ سالانہ ہیں۔ سنو لڑکیاں ہیں اور
 چار اُستانیوں۔ حکومت صرف سوا دو سو روپیہ سالانہ گرانٹ دیتی ہے۔ سیونپل کیشی اور
 ڈسٹرکٹ کونسل ایک پیسہ گرانٹ نہیں دیتی۔

بالا گھاٹ ڈسٹرکٹ کو نسل۔

نیابت :- کل ممبران بچپن میں جنہیں سے دو مسلمان ہیں۔ ایک منتخب۔ ایک نامزد شدہ۔

تعلیم :- ۱۲ پرائمری اور ۶ ٹیل اسکول ہیں۔ اردو کا کوئی اسکول نہیں نہ کسی اسکول میں اسکا انتظام ہے۔ ماسٹروں کی تعداد ۳۱۵ ہے جن میں ۷۷ مسلمان ماسٹر ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ۵۵ کی آبادی رکھنے والے ہندو دیہاتوں میں اسکول ہیں مگر ایسے دیہاتوں میں جہاں مسلمانوں کی تعداد پانچ سو سے زائد ہے اور خانگی مدرسے ہیں باوجود بار بار درخواست کرنے کے اردو اسکول نہیں قائم کئے جا رہے ہیں۔

ملازمین :- ماسٹروں کے علاوہ بقیہ ملازمین کی تعداد ۱۴۳ ہے جن میں صرف دو مسلمان ہیں ایک کانچی ہاؤس انسپکٹر اور ایک سب اور سیر۔

ڈرگ میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۳۰۰۰۔ مسلم آبادی ۱۳۰۰۔ مسلم تناسب ————— ۱۰۔

نیابت :- کل ممبران ۱۸ (منتخب ۹۔ باہمی انتخاب سے ۳۔ نامزد ۳۔ عہدیدار ۳)

مسلم ممبر نامزد شدہ ایک ————— مسلم تناسب ————— ۱۰۔

تعلیم :- پرائمری اسکول ۶۔ ہندی کے پانچ۔ اردو کا ایک۔ ٹیل انگلش اسکول ایک۔ اس میں اردو کا کوئی انتظام نہیں۔ کل ماسٹروں کی تعداد ۲۴۷۔ مسلم ماسٹر ۳۷۔

ملازمین :- کل ملازمین ۱۸۲۔ مسلم ملازمین ۹۔ مسلم تناسب ۵۔

تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۳۵۰۰ روپیہ۔ مسلم ملازمین کی ۸۰ روپیہ۔ مسلم تناسب

۱۱ کے قریب۔

لائسری :- میونسپل کمیٹی کی ایک لائسری ہے۔ اس میں اردو کتابیں برائے نام ہیں۔ کوئی اردو اخبار نہیں آتا۔

دلیسی و واخانہ :- کمیٹی کی طرف سے ایک ویدک و واخانہ ہے۔ یونانی کوئی بھی نہیں۔

قراچی گوشت :- سینک دار جانور نہیں ذبح کئے جاسکتے۔

اعداو :- کمیٹی ۵ روپیہ ماہانہ مارواڑی اسکول کو اردو سو روپیہ سالانہ سنسکرت پاٹ شالہ کو امداد دیتی تھی۔ کسی مسلم ادارے کو ایک پیسہ امداد نہیں ملتی ہے۔

قبرستان :- مسلمانوں نے ۱۹۳۹ء میں قبرستان کے لئے زمین حاصل کرنے کی درخواست دی۔ کیونکہ قبرستان کا بہت کافی حصہ ایک دیوانی مقدمہ کے ذریعہ ہندو کانگریسی مالگنڈار نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ اس درخواست کے بعد ہی ہندوؤں کی طرف سے میونسپل کمیٹی کو درخواست دی گئی کہ سرے سے قبرستان ہی اس جگہ سے اٹھا دیا جائے۔ میونسپل کمیٹی کے سکرٹری نے کمیٹی کو سفارش کی ہے کہ قبرستان کے لئے جو زمین مانگی جا رہی ہے وہ کمیٹی خود حاصل کر لے۔

اردو دشمنی :- کمیٹی کے سات اسکولوں میں سے پانچ اپنی عمارتوں میں ہیں ایک ہندی اسکول کے لئے عمارت بن رہی ہے۔ مگر اردو اسکول کے لئے جو ۱۹۳۲ء سے کمیٹی کے تحت ہے۔ کسی عمارت کا انتظام نہیں کیا گیا۔ اردو اسکول میں ایکسٹینس ایک ہیں۔ جس مکان میں اسکول ہوا اس کا کرایہ اٹھارہ روپیہ ماہانہ دیا جاتا ہے۔ انپکٹر مدارس اور دیگر افسران تعلیم نے اسکی مذمت کی ہے۔ برسات میں اس مکان تک جانے کا راستہ بالکل دلدل بن جاتا ہے۔ لیکن کمیٹی نے اس طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔

رائے پور۔ میونسپل کمیٹی

آبادی :- کل آبادی ۲۵۳۹۰ مسلم آبادی ۶۲۲۷ - مسلم تناسب - ۲۴.۵۱٪

نیابت :- کل ممبر ۲ (منتخب ۱۹ - باہمی انتخاب سے ۳ نامزد ۴ - عہدیدار - ۱) -
 مسلم ممبر (منتخب ۵ - باہمی انتخاب سے ۱ - نامزد ۱) مسلم تناسب $\frac{1}{4}$ -
تعلیم :- کل پرائمری اسکول ۲۱ - (لڑکوں کے ۱۶ - لڑکیوں کے ۵) - ایک مڈل
 اسکول اور ایک ہائی اسکول ہے - اردو پرائمری اسکول ۵ ہیں - (لڑکوں کے ۳ - لڑکیوں
 کے ۲) کل ماسٹروں کی تعداد ۳۷ ہے جن میں ۳۰ ماسٹر مسلمان ہیں -
ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۶۶ ہے جس میں مسلمان ۱۲۰ ہیں - مسلم تناسب
 $\frac{1}{4}$ سے کم -

تنخواہ :- کل تنخواہ ماہانہ اوسط سترہ ہزار روپیہ تقسیم ہوتی ہے - اس میں سے مسلم
 ملازمین کو ڈھائی ہزار روپیہ ملتا ہے - مسلم تناسب $\frac{1}{4}$ کے قریب -
دلیسی دواخانے :- دو ایور ویدک دواخانے ہیں - یونانی ایک بھی نہیں -
امداد :- اسپتالوں کو چھوڑ کر میونسپل کمیٹی جماعتی اداروں کو تقریباً ساڑھے چار ہزار
 روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے - اس میں سے اگر دو ہزار روپیہ سالانہ امداد چھپتیس گڑھ کالج
 کو ملتی ہے وضع کر بھی لی جائے تو ڈھائی ہزار سالانہ کی امداد جماعتی اور فرقہ وارانہ اداروں
 کو ملتی ہے - اس میں سے مسلم اداروں کو صرف دو سو ستر روپیہ سالانہ کی امداد ملتی ہے -
لائبریری :- میونسپل لائبریری میں اردو کتابیں برائے نام ہیں - اردو اخبارات
 بند کر دیے گئے -

ڈسٹرکٹ کونسل رائے پور

نیابت :- ڈسٹرکٹ کونسل میں مسلم نیابت کا عدم وجود برابر ہے -
تعلیم :- ۳۰۳ پرائمری اسکول ہیں اور ۱۲۰ مڈل اسکول ان میں سے صرف ایک جگہ
 اردو کا انتظام ہے -

ملازمین :- ماسٹروں کو ملا کر ملازمین کی تعداد ۴۶۹ ہر جس میں صرف ۴۱ مسلمان ہیں۔
 دھمتری (ضلع رائے پور) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۱۰۰۰ - مسلم آبادی ۱۱۰۰ - مسلم تناسب ————— ۱۰٪

تیا بت :- کل نمبر ۱ (منتخب ۱۰ - باہمی انتخاب سے ۲ - نامزد ۲ - عہدیدار ۳)

مسلم نمبر ایک نامزد شدہ ————— مسلم تناسب ————— ۱۰٪

تعلیم :- چار پرائمری اسکول ہیں - تین ہندی کے - ایک اردو کا - ایک انگلش
 مڈل اسکول ہر اس میں اردو کا کوئی انتظام نہیں - پانچ اسکولوں میں سے تین اسکول
 کی عمارت اپنی ہر ایک ہندی اسکول ۲۵ روپیہ ماہانہ کرایہ کے مکان میں ہے - اردو
 اسکول کے لئے کوئی عمارت نہیں - ادھر سے ادھر منتقل ہوتا رہتا ہے - پہلے بارہ روپیہ
 مہینہ کے کرایہ کے مکان میں تھا - اب اٹھا کر میونسپل سرائے کے ایک حصہ میں منتقل
 کر دیا گیا ہے - اس اسکول میں تنولڈ کے ہیں اور چار ماسٹر - تین مسلمان اور ایک ہندو -

کل ماسٹروں کی تعداد ۲۴ ہر جس میں ۴ ماسٹر مسلمان ہیں - ہندی اسکول کے واحد
 مسلمان ماسٹر کو معطل کر دیا گیا ہے - اردو اسکول میں رام پال سنگھ نانای ایک ایسے شخص کو
 مقرر کیا گیا جس نے ٹرینڈ ہونے کا جعلی سرٹیفکیٹ پیش کیا تھا اور ۱۹۳۵ء میں دھوکہ دہی کے
 الزام میں درخواست کیا گیا تھا - مگر ۶ ماہ بعد پھر بحال کر دیا گیا - یہ شخص مقامی آریہ سماج
 کا سکریٹری بھی ہے - جولائی ۱۹۳۵ء میں ایک عیسائی عورت کے بھگوانے اور ناجائز تعلق
 رکھنے کے سلسلہ میں اس پر مقدمہ بھی چلا تھا جس میں عدالت ماتحت سے ۴ ماہ کی سزا
 ہوئی تھی مگر اپیل سے نیک چلتی کی ضمانت لیکر قید کی سزا سنوٹ کر دی گئی - چھوٹے مسلمان
 بچوں کی تعلیم کے لئے ایک غیر سند یافتہ - آریہ پرچارک - برے چال چلن کا آدمی بطور
 مدرس مقرر کیا جاتا ہے - اسکا ہندو مسلم بلوہ کے سلسلہ میں بھی چالان کیا گیا ہے -

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۴۴ ہے جس میں مسلمان صرف چھ ہیں۔ مسلم تناسب $\frac{1}{14}$ ۔
تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۷۰۰ روپیہ۔ مسلم ملازمین کو ۵۴ روپیہ مسلم تناسب $\frac{1}{14}$ ۔
فراہمی گوشت :- سینک داری جانور ذبح نہیں کئے جاسکتے۔

لائبریری :- ہندی لائبریری کو مفت کی عمارت کیٹی نے دی ہے اور ۳۰ روپیہ سالانہ امداد دی جاتی ہے۔ اس لائبریری میں نہ اردو کی کتاب ہے نہ کوئی اردو اخبار آتا ہے۔
 مسلم انجن کی لائبریری کو ایک پیسہ بھی امداد نہیں دی جاتی۔

امداد :- اس قصبہ میں ہمارا ششبرہن اور مرٹھوں کی تعداد چار سو کے قریب ہے۔ لڑکیوں کا ایک پرائیوٹ پرائمری مرٹھی اسکول ہے جس میں شکل سے ۵۴ لڑکیاں ہونگی اسے کیٹی چار سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ برخلاف اسکے مسلمان لڑکیوں کے پرائمری اسکول کو جس میں پچھتر لڑکیاں ہیں صرف دو سو روپیہ سالانہ امداد ملتی ہے۔ ایک سنسکرت پاٹ شالہ ہے جس میں شکل سے پچیس طالب علم ہونگے۔ اسے بھی دو سو روپیہ سالانہ امداد دی جاتی ہے۔ مسلمانوں کا ایک یتیم خانہ بارہ سال سے قائم ہے۔ چالیس بچوں کی کفالت کی جاتی ہے۔ اسے سو روپیہ سالانہ امداد گزشتہ تین سال سے ملتی شروع ہوئی ہے۔ اسکے مقابلہ میں ہندوؤں کا یتیم خانہ جسے قائم ہوئے ابھی چار سال ہوئے ہیں دو سال سے دو سو روپیہ مہینہ امداد حاصل کر رہا ہے۔ ان مثالوں سے قطعاً واضح ہے کہ امداد میں ضرورت یا استحقاق کی بجائے ہندو نوازی اور فرقہ پرستی کا رفرما ہے۔

بھاٹا پارہ (ضلع رائے پور) نوٹی فائڈ ایریا کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۸۰۰۰۔ مسلم ۸۰۰۔ مسلم تناسب $\frac{1}{14}$ ۔
نیابت :- کل ممبران ۱۱ (منتخب ۸۔ نامزد ۳) مسلم منتخب ۱۔ مسلم تناسب $\frac{1}{11}$ ۔
تعلیم :- پرائمری اسکول ۳-۲ ہندی کا۔ ایک اردو کا۔ کل ماسٹروں کی تعداد

بارہ ہر جس میں ۲ مسلمان ہیں۔ اُردو اسکول ۱۹۳۳ء سے ہر مگر اسکے لئے کوئی عمارت نہیں بنائی جاتی۔ ہندی اسکول میں دو کمرے دیدئے گئے ہیں۔ نیا ہندی اسکول جو ۱۹۳۳ء میں کھولا گیا ہر اسکول کے لئے عمارت تیار کر دی گئی ہے۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۲۷ ہے جس میں ۸ مسلمان ہیں۔ مسلم تناسب — ۱/۴۔
تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ پندرہ سو روپیہ جس میں سے مسلم ملازمین کو ۱۵۰ روپیہ مسلم تناسب — ۱/۴۔

فراہمی گوشت :- سینک دار جانور ذبح نہیں کئے جاسکتے۔
امداد :- کمیٹی کو سالہ کو ۵۰ روپیہ اور کلیان کلب لا بُریری کو سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ کسی مسلم ادارہ کو ایک پیسہ بھی نہیں ملتا۔

بلود ایازار (ضلع رائے پور) سینٹیشن کمیٹی :-

آبادی :- کل ۴۰۰۰۰ مسلم ۳۰۰۰۔
نیابت :- کل نمبر ۱۱۔ مسلمان ایک بھی نہیں۔
تعلیم :- ڈسٹرکٹ کونسل کی طرف سے ایک ہندی پرائمری اسکول ہے۔ کمیٹی کی طرف سے ایک انگلش میڈل اسکول ہے۔ مشن کا ایک ہندی گرل اسکول ہے۔ اردو کا کوئی انتظام نہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین ۲۸ ہیں جس میں ۲ مسلمان ہیں۔
تنخواہ :- ماہانہ ۳۲۲ تقسیم ہوتی ہے جس میں ۴۵ مسلمان کو ملتا ہے۔
فراہمی گوشت :- سینک دار جانور ذبح نہیں ہو سکتے۔
بلا سپور میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۳۰۰۰۰ مسلم ۵۰۰۰ — مسلم تناسب — ۱/۴۔

نیابت:- کل ممبران ۲۰ (منتخب ۱۱- باہمی انتخاب سے ۳- نامزد ۳- عہدیدار ۳)
 مسلم ممبر ۲ (باہمی انتخاب سے ایک- نامزد ایک) مسلم تناسب ۱/۱-
 تعلیم:- پرائمری اسکول ۱۲ (لڑکوں کا ۹- لڑکیوں کا ۳)- لڑکیوں کا مڈل اسکول
 ایک- ہائی اسکول ایک- اردو پرائمری اسکول صرف ایک ہے- کل ۸۶ ماسٹر اور استائیاں
 ہیں جن میں صرف ۳ ماسٹر مسلمان ہیں-

ملازمین:- کل ملازمین کی تعداد ۹۲ ہے جس میں ۷۱ مسلمان، ۲۱ ہیں مسلم تناسب ۱/۲
تنخواہ:- ماہانہ اوسط تنخواہ آٹھ ہزار روپیہ تقسیم ہوتی ہے جس میں مسلمانوں کو
 تین سو چھیالیس روپیہ ملتے ہیں۔ مسلم تناسب ۱/۲ سے کم۔
لائبریری:- میونسپل کمیٹی کی لائبریری کا نام سر راجنک داجنالیہ رکھا گیا ہے۔
 نہ اس میں اردو کتابیں ہیں نہ اخبارات۔ ایک پرائیوٹ، اردو لائبریری ہے۔ باوجود متواتر
 درخواست کے کمیٹی نے کوئی امداد اس لائبریری کو نہیں دی۔

دبسی دواخانہ:- کمیٹی کی طرف سے ایک ویدک دواخانہ قائم ہو رہا ہے۔
 کام کرتے ہیں ایک سو چونتیس روپیہ ماہانہ خرچ ہے۔ بڑی کوششوں کے بعد مئی ۱۹۳۷ء
 میں یونانی دواخانہ بھی کمیٹی کی طرف سے کھولا گیا۔ حکیم کو تیس روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔
 لیکن دس ماہ بعد جب کانگریسی اکثریت پر مشتمل نئی کمیٹی آئی تو اس نے یونانی دواخانے
 کو بند کر دیا۔ یہ درخواست کہ ویدک کے ساتھ ہی یونانی کو بھی ضم کر دیا جائے
 نامنظور کر دی گئی۔

فرائض گونشت:- کانگریسی اکثریت کی کمیٹی نے آتے ہی سینک دار جانوروں
 کا میونسپل حدود میں ذبح کیا جانا ممنوع قرار دیا۔ حالانکہ مذبح موجود ہے ایک مدت سے
 ذبیحہ ہوتا جانا آ رہا تھا اور کمیٹی فی راس ہم رئیس بھی وصول کیا کرتی تھی۔
امداد:- میونسپل کمیٹی کی طرف سے لڑکیوں کے تین پرائمری اور ایک مڈل اسکول ہیں

ایک اسکول سرکاری بھی ہے۔ جس میں ذریعہ تعلیم ہندی ہے۔ مسلمان بچیوں کی اردو تعلیم کے لئے مسلم انجمن نے ایک پرائمری اسکول قائم کر رکھا ہے جس میں اکیسویں لڑکیاں پڑھتی ہیں تین ٹرینڈ استانیاں ہیں۔ اس اسکول کو کیٹی صرف اکیسواہی روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ برخلاف اسکے بنگالی پرائمری اسکول کو جس میں مشکل سے ۲۰ یا ۲۲ طلبہ رکتے مدت دراز تک اتنی ہی امداد ملتی رہی جتنی کہ انجمن کے گرل اسکول کو ملتی ہے۔

مونگیلی (ضلع بلاسپور) نوٹیفکڈ ایریا کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۶۶۶۵ - مسلم آبادی ۴۲۷ - مسلم تناسب ————— ۱/۱۵

نیابت :- کل ممبران ۹ - مسلمان نامزد شدہ ایک - مسلم تناسب ————— ۱/۹

تعلیم :- کیٹی کی طرف سے ایک ہندی پرائمری اسکول پر اردو کا کوئی انتظام نہیں۔ مسلم انجمن کا اردو مدرسہ ہے جسے کوئی امداد نہیں ملتی۔ انجمن کی ایک لائبریری بھی ہے اسے بھی کوئی امداد نہیں ملتی۔

ملازمین :- کل ملازمین ۳۶ ہیں جنہیں ایک صفائی جمعدار مسلمان ہے۔ مسلم

تناسب ————— ۱/۳۶

تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۵۰۰ روپیہ۔ مسلمان ملازم کو ۲۳ روپیہ۔ مسلم

تناسب ————— ۱/۳۶ کے قریب۔

فرائی گوشت :- سینک دار جانور ذبح نہیں ہو سکتے اور چھوٹے جانوروں

پر بھی کیٹی نے فیس فی راس ۴ رکھ دی ہے۔ فیس کم کرنے کی درخواست دی گئی مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

چاندہ - میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل ۳۰۰۰ (اچھوت ۱۲۰۰) مسلم ۲۰۰۰ - مسلم تناسب ————— ۱/۱۵

نیا بیت :- کل ممبران ۱۹ - مسلم — ۲ — مسلم تناسب — $\frac{1}{4}$ -
 تعلیم :- ۹ پرائمری اور ایک مرہٹی ٹل اسکول ہے - اردو پرائمری اسکول ایک
 ہے - تعلیم پر سالانہ خرچ بائیس ہزار روپیہ ہے - جس میں سے صرف ۶۰۰۰ اردو کی تعلیم پر خرچ
 کیا جاتا ہے - بچپن ماسٹر ہیں جنہیں سے ۶ مسلمان ہیں -
ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۱۳۶ ہے جس میں سے پندرہ مسلمان ہیں -

مسلم تناسب — $\frac{1}{4}$ -
تنخواہ :- ماہانہ تنخواہ اوسط ۶ ہزار روپیہ تقسیم ہوتی ہے جس میں سے مسلم ملازمین
 کو ۵۰۰ روپیہ ماہانہ ملتا ہے - مسلم تناسب — $\frac{1}{11}$ کی قریب -
نالوجہی :- یہاں جبریہ تعلیم رائج ہے - اردو اسکول میں صرف دو ماسٹر ہیں -
 ہر ماسٹر کو دو کلاس پڑھانے پڑتے ہیں - مرہٹی اسکولوں میں ہر ماسٹر کے پاس صرف
 ایک کلاس ہے - اردو اسکول جس عمارت میں ہے وہ ناکافی ہے - انیسٹر مدارس اور
 اسٹڈنس انسر نے توسیع عمارت کی سفارش کی ہے مگر کمیٹی نے کوئی توجہ نہیں کی -

ورورہ (ضلع چاندہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۹۸۱۱ - مسلم آبادی ۱۳۵۰ - مسلم تناسب — $\frac{1}{7}$ -
نیا بیت :- کل ممبران ۱۳ (منتخب ۹ - باہمی انتخاب سے ۲ - نامزد ۲) -
 مسلم ممبر (منتخب ۳ - باہمی انتخاب سے ۱) — $\frac{1}{11}$ سے زائد -
 تعلیم :- پرائمری اسکول ۵ - (مرہٹی ۳ - اردو ایک - مرہٹی لڑکیوں کا ایک)
 ٹل اسکول ایک - کل ماسٹر ۴ ہیں جن میں مسلمان ۴ ہیں -

ملازمین :- کل ملازمین ۱۳۱ ہیں جن میں ۲۲ مسلمان ہیں - مسلم تناسب — $\frac{1}{4}$ -
تنخواہ :- کل ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۲۰۰ روپیہ - مسلم ملازمین کو ۲۵۰ روپیہ مسلم تناسب $\frac{1}{4}$ -

فراہمی گوشت :- سینک دار جانور پرفیس ۸ رنی راس ہر اور چھوٹے جانور پرہم رنی راس ۹ سال سے کم عمر کی گائے ذبح کرنے کی ممانعت ہے۔

ہندو ذہنیت :- رحیم خاں نامی ایک مسلمان چھ سال سے ناکہ موری میں اسیدوار کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ ایک مرتبہ آٹھ ماہ کے لئے اسکا تقریباً ۱۱ اور عارضی جگہ کئی مرتبہ دی گئی۔ اتفاق سے ایک مستقل جگہ خالی ہوئی اس موقع پر رحیم خاں کی اہلیت۔ کارگزاری اور امیدداری سب کو نظر انداز کر دیا گیا اور ایک نئے ہندو کو جو ایک ممبر کا عزیز ہے اس مستقل جگہ پر مقرر کر دیا گیا رحیم خاں امیدوار کے امیدوار ہے۔

ورودھا۔ میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۲۱۰۰۰۔ مسلم آبادی ۱۳۰۰۔ مسلم تناسب $\frac{1}{14}$
نیابت :- کل ممبران ۲۶۔ (منتخب ۱۷۔ باہمی انتخاب سے ۹۔ نامزد ممبران ۱) مسلم ممبران (نامزد شدہ) ————— مسلم تناسب $\frac{1}{14}$
تعلیم :- پرائمری اسکول ۱۲۔ (لڑکوں کے ۹۔ لڑکیوں کے ۳)۔ انہیں سے ایک پرائمری اسکول لڑکوں کا اور ایک لڑکیوں کا اردو کا ہر مڈل اسکول تین ہیں۔ ان میں ایک بھی اردو کا نہیں اور نہ اردو کا انتظام ہے۔ مسلم انجمن ایک پرائیوٹ اردو مڈل اسکول چلا رہی ہے۔ لڑکیوں کا اردو اسکول جو میونسپل کمیٹی چلا رہی ہے اسکی عمارت کا کرایہ مسلم انجمن کو دینا پڑتا ہے۔ میونسپل کمیٹی تعلیم پر سالانہ ۲۹۳۴ روپیہ خرچ کرتی ہے۔ اس میں سے ۲۸۴۴ روپیہ سالانہ اردو کا حصہ ہے۔

ملازمین :- کل میونسپل ملازمین کی تعداد ۳۷ ہے اس میں مسلم ملازمین کی تعداد باسٹھ استانیاں ملا کر ۱۳ ہے۔ مسلم تناسب $\frac{1}{3}$ ۔

تنخواہ :- کمیٹی ماہانہ اوسط تنخواہ چھ ہزار دو سو روپیہ تقسیم کرتی ہے۔ مسلم ملازمین کی

تنخواہ ڈوٹو استی روپیہ ہر ————— مسلم تناسب ————— ۱/۲۔

لاٹری میری:۔ کیٹی جنرل لاٹری میری کو جس میں اردو کے اخبارات اور کتابیں کا لعدم ہیں سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے اور ہندی مندر لاٹری میری کو ڈیڑھ سو روپیہ سالانہ۔ مسلم لاٹری میری کو صرف پچاس روپیہ سالانہ امداد ملتی ہے۔

فراہمی گوشت:۔ میونسپل حدود کے اندر سیننگ دار جانوروں کے ذبح کرنے کی اجازت نہیں۔ کیٹی نے اسکی بھی کوشش کی کہ بڑے کا گوشت میونسپل حدود کے اندر نہ فروخت ہو سکے۔ مگر گنٹن نے کیٹی کے اعتراض کو مسترد کر کے اجازت دیدی اسکے باوجود گوشت کے فروخت کرنے میں کیٹی کی طرف سے مختلف طریقوں پر مداخلت کی جاتی ہے اور پریشان کیا جاتا ہے۔

احداو:۔ ہر بچن ہوشل کو ڈھائی سو روپیہ سالانہ سے زائد امداد دی جاتی ہے مگر مسلم ہوشل کو ایک پیسہ نہیں ملتا۔ مختلف فرقہ دارانہ جماعتی اداروں کو کیٹی تقریباً گیارہ سو روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ اس میں سے صرف پچاس روپیہ مسلم لاٹری میری کو ملتا ہے۔ اور کسی مسلم ادارے کو ایک پیسہ نہیں ملتا۔

ہینگن گھاٹ (ضلع وردھا) میونسپل کیٹی۔

آبادی:۔ کل آبادی ۲۲۸۰۰۔ مسلم آبادی ۲۴۰۰۔ مسلم تناسب ۱/۲۔
نیابت:۔ کل ممبران ۲۰۔ (منتخب ۱۲۔ باہمی انتخاب سے ۳۔ نامزد ۳۔
عہدیدار: ۲۔ مسلم ممبران ۵۔ (منتخب ۴۔ باہمی انتخاب سے ایک)۔ مسلم تناسب ۱/۲۔
تعلیم:۔ پرائمری اسکول ۹۔ (لڑکوں کے ۷۔ لڑکیوں کا ایک) ہائی اسکول ایک۔
 اردو کا ایک پرائمری اسکول ہے اور لڑکیوں کے اسکول میں اردو پڑھانے کے لئے ایک اُستانی ہے۔ کل ماسٹروں کی تعداد ۹۳ ہے جس میں ۱۱ ماسٹر مسلمان ہیں۔ ہائی اسکول کو چھوڑ کر

تقریباً تیس ہزار روپیہ سالانہ تعلیم پر خرچ ہوتا ہے جس میں سے تین ہزار روپیہ سالانہ اردو کا حصہ ہے۔
ہائی اسکول میں کل ماسٹروں کی سالانہ تنخواہ ۲۶۲۳۳ روپیہ تقسیم ہوتی ہے جس میں سے مسلمانوں
کو ۸۶ روپیہ سالانہ ملتا ہے۔ ہائی اسکول میں ۲۸ ماسٹر اور ۵ چپراسی ہیں جس میں سے
ایک ماسٹر اور ایک چپراسی مسلمان ہے۔ اردو پرائمری اسکول میں ۸ ماسٹر ہیں۔ سات
مسلمان ایک ہندو جو مڑھی پڑھاتا ہے۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۲۹۱ ہے جس میں مسلمان ۳۲ ہیں مسلم تناسب ۱۰٪۔
تنخواہ :- ماہانہ تنخواہ اوسط ۸۸۵۳ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے کل مسلم
ملازمین کی ماہانہ تنخواہ ۷۷۲ ہوتی ہے۔ مسلم تناسب ۱۱٪ سے کم۔

لائبریری :- کیتھی کی ایک اپنی لائبریری ہے چپراسی ۳۰ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ اس
میں اردو اخبارات اور کتابیں برائے نام ہیں۔

فراہمی گوشت :- میونسپل حدود میں گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔ پہلے ذبیحہ
ہوتا تھا۔ عرصہ آٹھ سال سے یہ قید لگا دی گئی ہے۔ یعنی جبکہ میونسپلٹی غیر سرکاری ہاتھوں
میں آگئی اور کانگریسی خیال کے ہندوؤں کا اثر و غلبہ ہوا۔ چھوٹے جانور کے گوشت کے
لائسنسدار ایک مسلمان کے سوا سب ہندو ہیں۔ ہر ہندو تھوڑا اور جنم دنوں میں گوشت
کا بازار بند رہتا ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ چونکہ اس علاقہ میں گوشت بیچنے والے
زیادہ ہندو ہیں اسلئے ذبیحہ پرفیس بمقابلہ اور میونسپل کمیٹیوں کے بہت کم ہی پیسے فی راس مارے۔
ہندو ذہنیت :- اردو اسکول میں گاندھی۔ تلک وغیرہ کی تصویریں لگی
ہوتی ہیں۔ ایک مسلمان ماسٹر نے مسٹر جناح کی تصویر بھی لاکر لٹکا دی۔ اس سے فوراً جواب

طلب کیا گیا اور تصویر اسکول سے ہٹا دی گئی۔
آرومی (ضلع وردھا) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۶۴۳۳۔ مسلم آبادی ۱۸۱۱۔ مسلم تناسب ۱۱٪۔

نیا بت :- کل ممبران ۱۹ (منتخب ۱۰ - باہمی انتخاب سے ۳ - نامزد ۳ - عہدیدار ۳)
مسلم ممبر ایک - (عہدیدار باہر سے) مسلم تناسب ————— $\frac{1}{19}$ -

تعلیم :- پرائمری اسکول ۶ - مڈل اسکول ایک - اردو پرائمری اسکول ایک
ہر کل ماسٹروں کی تعداد ساٹھ ہے جس میں چار مسلمان ٹیچر ہیں - تعلیم پر تقریباً ۳۳ ہزار
روپیہ سالانہ کمیٹی خرچ کرتی ہے - اس میں سے ۳۴ سو روپیہ اردو کا حصہ ہے - فوری کوششوں
کے بعد کمیٹی نے یہ تجویز منظور کی کہ مڈل اسکول میں ایک اردو ماسٹر رکھا جائے - لیکن
تقرر کے وقت یہ جگہ ہندی جاننے والے کے حوالہ کر دی گئی -

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۲۲۲ ہے - مسلم ملازمین کل ۶ ہیں - مسلم تناسب $\frac{1}{37}$ -
تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۵۶۰۰ روپیہ - مسلم ملازمین کو ۱۶۲ روپیہ - مسلم تناسب

$\frac{1}{37}$ کے قریب -
فراہمی گوشت :- گائے کا ذبیحہ ممنوع ہے - چھوٹے جانوروں پر فیس فی راس
۲۲ ہے - سینگ دار پر فی راس ۶ ہے - باوجودیکہ کمیٹی کو مذبح اور کرایہ دوکان گوشت سے
۳۳۰ روپیہ کی آمدنی ہوتی ہے گوشت مارکٹ کی حالت بہت ہی خراب ہے - نہ صفائی کا
انتظام ہے نہ مرمت یا قلعی کا -

امریٹر (ضلع ناگیور) سیوٹیل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۷۰۶۳۳ - مسلم آبادی ۸۶۰ - مسلم تناسب ————— $\frac{1}{19}$ -

نیا بت :- کل ممبران ۱۸ (منتخب ۵ - باہمی انتخاب سے ۳ - نامزد ۳ - عہدیدار ۳)

مسلم ممبر ایک نامزد شدہ ————— مسلم تناسب ————— $\frac{1}{18}$ -

تعلیم :- پرائمری اسکول ۷ - مڈل اسکول ایک - اردو پرائمری اسکول ایک ہے - کل ماسٹروں کی
تعداد چھ ہیں جن میں تین مسلمان ہیں - کمیٹی تعلیم پر نو ہزار روپیہ سالانہ صرف کرتی ہے - اس میں سے چھ سو روپیہ

سالانہ اردو کی تعلیم پھر ہوتا ہے۔ اردو اسکول میں ۶ لڑکے اور بارہ لڑکیاں ہیں۔
ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۱۵ ہے جس میں ۱۰ مسلمان ہیں۔ مسلم تناسب $\frac{1}{3}$
تنخواہ :- کل تنخواہ ماہانہ اوسط ۲۳۰۰ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے کل
 مسلم ملازمین کو ۱۹۰ ماہانہ ملتا ہے۔ مسلم تناسب $\frac{1}{16}$ ۔
فراہمی گوشت :- یہاں گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔
سلاؤٹیر (ضلع ناگپور) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۷۹۶۹۔ مسلم آبادی ۷۹۵۔ مسلم تناسب $\frac{1}{13}$ سے کم۔

نیابت :- کل ممبران ۱۷ (انتخاب ۱۰۔ باہمی انتخاب سے ۷۔ نامزد ۳۔ عہدیدار)
 مسلم ممبران ۲ (انتخاب)۔ مسلم تناسب $\frac{1}{8}$ سے کم۔
تعلیم :- پرائمری اسکول ۶۔ سب کے سب مرہٹی کے۔ ٹل اسکول مرہٹی ایک
 اردو کا ایک بھی اسکول نہیں۔ نہ اردو کا کسی اسکول میں انتظام ہے۔ کل چوبیس ماسٹر
 ہیں۔ جن میں دو مسلمان ہیں۔ مسجد میں ایک مکتب ہے جس میں اردو کی تعلیم ہوتی ہے۔
 پہلے میونسپل کمیٹی اس مکتب کے لئے آٹھ روپیہ ماہوار دیا کرتی تھی۔ لیکن قوم پرست
 کانگریسی اکثریت جب کمیٹی پر قابض ہوئی تو یہ امداد نصف کر دی گئی اور اب صرف
 چار روپیہ مہینہ امداد ملتی ہے۔ کمیٹی تعلیم پر ۸۴۰ روپیہ سالانہ خرچ کرتی ہے۔ اس میں
 سے صرف ۸۴ روپیہ سالانہ اردو کے حق کارہی جو مکتب کو بطور امداد ملتا ہے۔
ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۶۰ ہے۔ جن میں مسلم ملازم چار ہیں۔ مسلم
 تناسب $\frac{1}{15}$ ۔

تنخواہ :- کل ماہانہ تنخواہ اوسط بارہ سو روپیہ ہے۔ مسلم ملازمین کو ۱۱۲ روپیہ۔

مسلم تناسب —————
لائبریری :- ایک مرہٹی لائبریری ہے جسے پچاس روپیہ سالانہ کمیٹی امداد دیتی ہے۔ مکتب کے سوا کسی مسلم ادارے کو ایک پیسہ امداد نہیں دی جاتی۔
فراہمی گوشت :- گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔ چھوٹے جانور پر نہیں فی راس

۲۰۶۔ کٹول (ضلع ناگپور) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۰۹۰۰۔ مسلم آبادی ۱۰۹۴۔ مسلم تناسب ۱۰۔
نیابت :- کل ممبران ۱۸ (منتخب ۱۱۔ باہمی انتخاب سے ۳۔ نامزد ۴۔ عہدیدار ۱)
 مسلم ممبران ۴۔ مسلم تناسب ۲۲۔
تعلیم :- پرائمری اسکول ۴۔ (مرہٹی ۳۔ اردو ایک)۔ کل ماسٹروں کی تعداد ۱۲ ہے۔ مسلمان ماسٹر ۴ ہیں۔ اردو پرائمری اسکول میں ۶ لڑکے اور ۱۰ لڑکیاں تعلیم ہیں۔ اردو اسکول کے لئے کمیٹی نے ایک نیابت پوشیدہ شکستہ مکان چار روپیہ ماہوار کالے رکھا ہے۔ اس مکان کی مذمت افسران تعلیم۔ افسران محکمہ حفظان صحت نے تحریری طور پر کی۔ صدر اسکول کمیٹی نے بھی یہاں سے اسکول ہٹانے کو لکھا۔ مگر کمیٹی نے کوئی توجہ نہ کی۔ کمیٹی کو اردو اسکول کی عمارت کے لئے ساڑھے تین سو روپیہ مدت ہوئی مل چکا ہے۔ لیکن کمیٹی نے اسکول کے نام پر زمین خرید کر اسے گرا یہ پر لگادیا ہے۔ عمارت نہیں بنوائی البتہ اس سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۱۲ ہے۔ مسلم ملازمین ۶ ہیں۔ مسلم تناسب ۵۰۔
تنخواہ :- کل اوسط ماہانہ تنخواہ ۲۱۱۶ روپیہ دی جاتی ہے۔ مسلم ملازمین کی کل تنخواہ بانٹوے روپیہ ماہانہ ہے۔ مسلم تناسب ۴۴۔

لائسری:۔ ایک مرہٹی لائسری ہر جسے کیٹی ۲۵ روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔
کسی مسلم ادارے کو ایک پیسہ امداد نہیں ملتی ہے۔

فراہمی گوشت:۔ میونسپل حدود میں گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔ چھوٹے
جانور پر فیس فی راس ۴ ہے۔ پہلے یہاں گائے ذبح ہوا کرتی تھی۔ مذبح موجود ہے۔

مرتضیٰ پور (ضلع اکوٹ) میونسپل کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل آبادی ۱۱۵۴۱۔ مسلم آبادی ۲۸۲۱۔ مسلم تناسب ۱/۴
نیابت:۔ کل ممبران ۱۴ (منتخب ۹۔ باہمی انتخاب سے ۲۔ نامزد ۲۔ عہدیدار ۱)
مسلم ممبر ایک (نامزد شدہ)۔ مسلم تناسب ۱/۱۴۔

تعلیم:۔ پرائمری اسکول ۵ (مرہٹی لڑکیوں کا ایک۔ مرہٹی لڑکوں کا دو۔
اردو پرائمری اسکول دو) کل ماسٹر اور استائیاں ملا کر انیس ہیں جن میں ۵ مسلمان ہیں۔
ملازمین:۔ کل ملازمین کی تعداد ۹ ہے۔ جن میں ۷ مسلمان ہیں۔ مسلم تناسب ۱/۱۴
تنخواہ:۔ ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۲۵۰ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے کل مسلم

ملازمین کو ۱۱۸ ماہانہ ملتا ہے۔ مسلم تناسب ۱/۱۱۔
اعداد:۔ کمیٹی آریہ سماج ایڈر ویک ڈسپنسری کو ڈیڑھ سو روپیہ سالانہ امداد
دیتی ہے اور پاٹ شالہ کو بھی سو روپیہ گرانٹ دینا منظور کیا تھا مگر حکومت نے مسترد کر دیا
کسی مسلم ادارے کو ایک پیسہ گرانٹ نہیں ملتا۔

فراہمی گوشت:۔ چھوٹے جانوروں پر فی راس اور سینگ دار پر
فی راس فیس ہے۔ مگر سینگ دار کے لئے قیود ایسی ہیں کہ ذبح کرنا نا ممکن ہے۔ بچھڑا ہوا۔
نشیور ہوا۔ جوان ہوا۔ عمر رسیدہ ہوا۔ گائے قطعاً ذبح نہیں ہو سکتی۔

ہندو ذمہ داریت:۔ (۱) کانگریسی اکثریت نے آتے ہی میونسپل کمیٹی کے

سات پُرانے مسلم ملازمین پر ہاتھ صاف کیا۔ مہاجر اسیوں اور وراسٹروں کو یہ کہہ کر نکالا کہ کام تشفی بخش نہیں ہے۔ ایک ٹیکہ لگانے والے کو کہ گنجائش نہیں ہے اور ایک بل کلکٹر سے جبراً استعفا دلوا یا گیا۔ ان میں سے پانچ جگہوں پر ہندو مقرر کر لئے گئے۔ تخفیف کے بہانے ملازمین کی تنخواہ میں رقم کاٹی گئی اس طرح کہ ہندو ملازمین کی تنخواہ میں سے برائے نام اور مسلم ملازمین کی تنخواہ میں سے کافی۔ زیادہ سے زیادہ جو رقم ہندو ملازم کی تنخواہ میں سے کاٹی گئی ہے وہ دس فی صدی ہے برخلاف اسکے مسلم ملازم کی تنخواہ میں سے تین فی صدی تک رقم کاٹی گئی ہے۔

قبرستان :- ۱۹۳۶ء میں کیٹی نے مبارک پور میں مسلمانوں کو قبرستان کے لئے زمین دی تھی۔ اپریل ۱۹۳۹ء میں کانگریسیوں نے ایک ہندو لڑکی کی لاش لاکر یہاں دفن کر دی۔ اب یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ ”مشترکہ قبرستان“ ہے۔ اور مسلمانوں کے تمام شور اور احتجاج اور ثبوت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح ایک اچھی خامی بڑی مسجد کی عمارت میں توسیع کے لئے جب درخواست دی گئی تو یہ جواب ملا کہ یہاں مسجد نہیں عربی مدرسہ کی طرف سے درخواست دو۔ تب اجازت ملیگی۔ حالانکہ اس مسجد کے سامنے نماز کے وقت باہر بجانا ممنوع ہے۔

باسم (ضلع اکولہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۴۴۰۹۱۔ مسلم آبادی ۴۱۲۱۱۔ مسلم تناسب ۲۸ سے کم

نیابت :- کل ممبران ۱۶ (منتخب ۹۔ باہمی انتخاب ۲۔ نامزد ۲۔ عہدیدار ۲)

مسلم ممبران ۲ (نامزد ۱۔ عہدیدار ۱۔ دونوں نے کانگریسی حلف لیا) مسلم تناسب ۱۰۔

تعلیم :- پرائمری اسکول ۵ (مرہٹی ۳۔ اردو ۲) ڈیل اسکول ۲۔ ایک انگلش ایک مرہٹی۔ کل ماسٹروں کی تعداد ۲۴ ہے۔ جس میں مسلمان ۹ ہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۱۱۲ ہے۔ مسلم ملازمین ۱۸۔ مسلم تناسب $\frac{1}{6}$ ۔
تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۲۱۲ روپیہ۔ مسلم ملازمین کو اس میں سے چار سو اکیاون
 روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔ مسلم تناسب $\frac{1}{6}$ ۔

فسر اہمی کو شہت :- سینک دار جانور پر فیس ۶ رنی راس ہے اور چھوٹے
 جانور پر ۲ رنی راس۔ لائنس فیس دو روپیہ ہے۔
امداد :- کیٹی جماعتی اداروں کو نوے روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ اس میں
 سے صرف دس روپیہ سالانہ مسلم ادارے کو ملتا ہے۔

اکوٹ (ضلع اکوٹ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۸۴۰۰۔ مسلم آبادی ۴۵۵۰۔ مسلم تناسب $\frac{1}{4}$ ۔
نیابت :- کل ممبران ۱۶ (منتخب ۱۰۔ باہمی انتخاب ۲۔ نامزد ۲۔ عہدیدار ۲)
 مسلم ممبران ایک (منتخب شدہ)۔ مسلم تناسب $\frac{1}{14}$ ۔
تعلیم :- پرائمری اسکول ۶۔ (مریٹی ۴۔ اردو ۲)۔ کل ماسٹروں کی تعداد
 ۳۱ ہے۔ مسلم ماسٹر ۶ ہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۱۳۹ ہے۔ مسلم ملازمین ۹ ہیں۔ مسلم تناسب $\frac{1}{15}$ ۔
تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۶۵۴ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے کل مسلم
 ملازمین کو ۳۷۵ روپیہ ملتا ہے۔ مسلم تناسب $\frac{1}{7}$ ۔
 روٹی بازار میں ایک بھی مسلمان ملازم نہیں ہے۔

لائبریری :- کیٹی کورنیشن لائبریری کو سنوار دیہ اور یادھو جی لائبریری کو
 پچاس روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ اس میں اردو اخبارات یا کتابیں نہیں ہیں مسلم لائبریری
 کو جو واحد اردو لائبریری ہے پچاس روپیہ سالانہ امداد ملتی ہے۔

فراہمی گوشت:۔ سینک دار جانور پر ہم فی راس اور چھوٹے جانور پر ۲ فی راس فیس لی جاتی ہے۔ اور سالانہ پانچ روپیہ فی دوکان لائسنس فیس ہے۔ چھوٹے گوشت کے لئے بازار کیٹی کی طرف سے ہے۔ بڑے کے لئے قھتا یوں نے خود بنایا ہے۔ ہندوؤں کی طرف سے برابر ایچی ٹیشن جاری ہے کہ بڑے گوشت کی دوکانیں اٹھادی جائیں۔

امداد:۔ کیٹی ایک ہزار پچاس روپیہ سالانہ امداد جماعتی اداروں کو دیتی ہے۔ اس میں سے صرف پچاس روپیہ مسلم لائبریری کو ملتے ہیں۔
کارہنجہ (ضلع اکوٹہ) میونسپل کمیٹی:۔

آبادی:۔ کل آبادی ۱۶۶۱۵۔ مسلم آبادی ۴۷۴۵۔ مسلم تناسب ۲۸ کے قریب۔

نیابت:۔ کل ممبران ۱۲۔ (منتخب ۹۔ باہمی انتخاب سے ۲۔ نامزد ۱)۔ مسلم ممبر ایک نامزد شدہ (کانگریس حلف لینے کے بعد نامزد کئے گئے) مسلم تناسب ۱۱۔
تعلیم:۔ پرائمری اسکول ۵۔ (مرہٹی ۳۔ اردو ایک۔ گجراتی ایک) گرل انگلش ٹیل اسکول ایک۔ مرہٹی ٹیل اسکول ایک۔ گجراتیوں کی آبادی مشکل سے ۳۰ کے قریب ہے جنکے لئے ایک پرائمری اسکول ہے اور ایک تہائی اردو بولنے والی آبادی کے لئے ایک ہی پرائمری اسکول ہے۔ کل ماسٹروں اور اسٹائیوں کی تعداد ۲۲ ہے۔ انہیں سے آٹھ مسلمان ہیں۔

ملازمین:۔ کل ملازمین کی تعداد ۱۱۱ ہے۔ جس میں ۴۴ مسلمان ہیں۔ مسلم تناسب ۱۔

شعخواہ:۔ کل شعخواہ ماہانہ اوسط اٹھارہ سو روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے

مسلم ملازمین کو کل ملا کر ۳۰ روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔ مسلم تناسب - ۱/۴ -
لاہور می:۔ مرہٹی ہندی لاہوری "سر سوتی" و "چٹالیہ" کو کیٹیج سوروپیہ سالانہ
 امداد دیتی ہے۔ نہ اس میں اردو کتابیں ہیں نہ اخبارات۔
 امداد:- کیٹیج مختلف جماعتی اداروں کو ساڑھے تین سوروپیہ سالانہ امداد
 دیتی ہے۔ کسی مسلم ادارے کو کوئی امداد نہیں ملتی۔

فراہمی گوشت:- سینک دار جانور پر فیس فی راس ۴۴ ہے۔ یہاں چونکہ
 چھوٹے جانوروں کو ذبح کرنے اور بیچنے والے زیادہ ہندو ہیں اسلئے بمقابلہ دوسری
 میونسپلٹیوں کے چھوٹے جانور پر فیس کم ہے یعنی ار فی راس۔ اتوار کے بازار میں بڑے
 کا گوشت بیچنے کی جگہ بہت ہی کنارے اور گندگی اور کوڑے کرکٹ کے پاس دی گئی
 ہے۔ مگر فی دوکان بازار ٹیکس ان قصابوں سے ۴۴ لیا جاتا ہے۔ پہلے ۲۴ لیا جاتا تھا مگر
 اب کانگریسی قوم پرستوں کی اکثریت نے ۴۴ کر دیا ہے۔ اسکے مقابلہ میں چھوٹے جانوروں
 کے گوشت بیچنے والے چونکہ زیادہ تر ہندو ہیں اسلئے ان سے بازار ٹیکس فی دوکان
 ۱۲ جو پہلے تھا وہی لیا جاتا ہے۔ کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ اتوار کے سوا اور روز گائے
 کے گوشت بیچنے کی جگہ ایک کہنہ شکستہ عمارت میں ہے۔ لیکن چھوٹے جانوروں کے
 گوشت کی فروخت کے لئے ہندو گوشت فروشوں کی خاطر سے نئی عمارت بنادی گئی
 ہے۔ حالانکہ کیٹیج کو گائے کے گوشت کے دوکانوں کے کرایہ سے بمقابلہ چھوٹے جانوروں
 کی دوکانوں کے کرایہ کے دوگنی آمدنی ہوتی ہے۔ اسی طرح چھوٹے جانوروں کا
 منبج (کیلہ) اچھی جگہ ہے اور صفائی قلعی کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے گائے
 کے لئے شہر سے باہر ایک جگہ مقرر کر دی گئی ہے وہیں ذبیحہ ہوتا ہے۔ کوئی منبج بنا ہوا نہیں ہے
 حالانکہ گائے کے ذبیحہ سے کیٹیج کو ۵۰ سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔ چھوٹے جانوروں کے ذبیحہ
 سے صرف ۵۰ سالانہ ان تمام امتیازی سلوک کے علاوہ بڑے جانوروں کے لئے ذبیح

کی جگہ تک جانور لیجانے کے لئے سخت قیود ہیں۔ راستہ پیچیدہ۔ خراب اور طویل ہے مقررہ راستہ کے سوا دوسرا راستہ اختیار کرنا ممنوع ہے۔ یہ بھی شرط ہے کہ جانور کو بغیر رشی لگائے لیجانا چاہیے۔

ہندو ذہنیت :- تعصب اور مسلم دشمنی کی چند مثالیں درج ذیل ہیں :-

(۱) ۱۹۳۷ء کے انتخاب سے پہلے مقامی مسلمانوں اور مقامی کانگریس کمیٹی کے درمیان تحریری معاہدہ ہوا جسکی رو سے مقامی کانگریس کمیٹی نے جو کانگریسی امیدوار کھڑے کر رہی تھی مسلمانوں کی چند شرطوں کو پورا کرنے کا وعدہ کیا اور مسلمانوں نے وعدہ کیا کہ وہ کانگریسی امیدوار کو ووٹ دینگے۔ مسلمانوں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنی طرف سے کوئی امیدوار کھڑا نہیں کیا اور مسلمانوں کو کانگریسی امیدوار کو ووٹ دینے کی ترغیب دی اور کامیاب بنایا۔ جب کانگریسی اکثریت کمیٹی پر قابض ہو گئی تو تحریری معاہدہ ردی کا کاغذ ثابت ہوا اور گاندھی صوفی صداقت کے پرستاروں نے ایک بھی شرط پوری نہ کی۔ یہ معاملہ مشہر برج لال بیانی صدر برار صوبائی کانگریس کمیٹی کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمادیا کہ مقامی کانگریس کمیٹی نے غلطی کی اسے ایسا معاہدہ کرنا ہی نہ چاہیئے تھا۔

(۲) شہر میں بجلی کی روشنی آجانے کے بعد اکثر جگہسہ لالینیں ہبیا کی جاتی ہیں۔ آٹھ مسندروں اور تین مسجدوں میں ایسی روشنی ہبیا کی جاتی تھی۔ نئی کمیٹی نے مسندروں کو تو نہ چھوڑا۔ لیکن ایک مسجد اور ایک درگاہ کے سامنے سے لالینیں نکلوالیں۔

(۳) نئی کمیٹی نے آنے کے بعد سے اخیر ۱۹۳۹ء تک بقتے نئے تقرر کئے سب ہندوؤں کے کئے ہیں۔

(۴) کمیٹی کے بہت پرانے ملازم محمد ابراہیم تھے۔ یہ اکوٹنٹ کے عہدہ پر تھے۔ انکی عمر ۶۷ سال کی ہے اور مدت ملازمت ۲۸ سال۔ انہیں پہلی اکتوبر ۱۹۳۹ء سے جبر رٹائر کر دیا گیا۔ یہ کہہ کر کہ یہ جگہ اڑادی گئی ہے تخفیف اخراجات کے لئے۔ پہلے یہ کام ہیڈ کلرک

کو دیا گیا اور جب نہ چل سکا تو مدد کے لئے ایک بل کلکٹر دیا گیا۔ پھر بھی کام نہ نکلا تو کیشیر کو اکونٹنٹس کا کام دیا گیا۔ اور مددگار بل کلکٹر کو کیشیر کا۔ اور بل کلکٹر کی جگہ ایک نیا ہندو بل کلکٹر مقرر کر لیا گیا۔ اس طرح ایک پرانے مسلمان کو نکال کر دو ہندو کو ترقی دی گئی اور ایک نئے ہندو کے لئے جگہ بنالی گئی۔

(۵) اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور مرہٹی اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی اسناد اور تنخواہ کا اسکیل برابر ہے۔ لیکن اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو ۲۹ روپیہ ملتا ہے۔ اور مرہٹی اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو خاص نوعیت کے بہانہ ۴۲ روپیہ دیا جاتا ہے۔

اردو اسکول کی جگہ مرہٹی اسکول۔ (۶) جولائی ۱۹۳۶ء میں کمیٹی کی ہندو اکثریت نے اردو ٹڈل اسکول کو جو ایک عرصہ سے قائم تھا توڑ دیا۔ وجہ یہ بتائی کہ لڑکے کم ہیں حالانکہ تینوں کلاسوں میں کل ملا کر ۱۳ لڑکے موجود تھے۔ اسکول سٹن کے درمیان میں توڑا گیا وہ بھی بلانوش۔ اصل سبب یہ تھا کہ اپریل ۱۹۳۶ء میں ایک مرہٹی ٹڈل اسکول ایک کلاس یعنی درجہ پنجم کے ساتھ قائم کیا گیا۔ اردو ٹڈل اسکول توڑنے کے بعد اس اسکول کا سارا سامان اور فرنیچر مرہٹی ٹڈل اسکول کے حوالہ کر دیا گیا۔

(۷) ماسٹروں کے بار بار کی درخواست متعلق ترقی و اضافہ تنخواہ کے جواب میں کمیٹی نے ایک گشتی مراسلہ نکال دیا کہ اس معاملہ پر کوئی غور نہیں کیا جائیگا۔ مدرسین ایسی درخواستیں نہ بھیجیں لیکن اس گشتی مراسلہ کے ذریعہ دوسروں کو چپ کرنے کے بعد ایک ماسٹر ماسٹر کھرے کو جو سکریٹری میونسپل کمیٹی کے عزیز ہیں ترقی دی گئی اور ان کے بعد دوسرے ماسٹر ماسٹر ڈانگے نے درخواست دی اور انکو بھی ترقی دی گئی۔

(۸) جمنانی ریاضت کے لئے کمیٹی نے ”بلونت و یام شالہ“ قائم کر رکھا ہے۔ سوائے ہندوؤں کے کوئی اس سے فائدہ اٹھا نہیں سکتا۔ اسلئے کہ غیر ہندوؤں کو اولاً تو سکھانے

والا کچھ بتاتا نہیں پھر سلوک اور طریقہ ایسا اختیار کیا جاتا ہے کہ وہ عاجز آکر خود ہی چھوڑ دے۔
(۹) ۱۹۳۷ء میں اردو اسکولوں کے حالات کی تحقیقات کے لئے کمیٹی نے ایک سکیٹی

مقرر کی۔ ان کانگریسی ممبروں نے رپورٹ دی کہ دو مسلمان ماسٹر عبدالرحمن اور شیخ حسین کو خدمات سے سبکدش کر دیا جائے۔ انہوں نے ڈی۔ سی کے پاس اپیل کی۔ وہاں سے ضابطہ کی خامی کی بنا پر نئے سرے سے تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ ان دونوں ماسٹروں نے اس عرصہ میں کانگریس کی طرف سے ہٹرجی نے کام اپنے ذمہ لے لیا اور اگر کسی جلسہ میں کسی مسلمان نے کانگریس کے خلاف کچھ کہا تو یہ شور مچانے اور تردید کو موجود ہو گئے۔ اس کا صلہ یہ ملا کہ ڈی۔ سی کے حکم کو ۶ مہینہ ہو گئے اور برطانی کی تجویز خود کمیٹی کی تھی مگر اخیر ۱۹۳۹ء تک ان دونوں کے خلاف کوئی کارروائی کمیٹی نے نہیں کی تحقیقات سعلق معطل کر دی گئی۔

(۱۰) ان حالات سے عاجز آکر واحد کانگریسی مسلمان نامزد ممبر سٹریٹن الدین نے کانگریس اور کمیٹی دونوں سے استعفا دیدیا۔ انکی جگہ ایک ایسے شخص کو جو پہلے کانگریس کا مخالف تھا کانگریس حلف نامہ پر تخط لیکر نامزد کر دیا گیا۔

(۱۱) اردو اسکول کی ابتر حالت اور کمیٹی کی ناتوجی دیکھ کر اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر مسٹر شیخ جی نے ہیڈ ماسٹری سے استعفا دیدیا۔ انکی جگہ محمد خاں ہیڈ ماسٹر بنائے گئے انھوں نے بھی استعفا دیدیا کہ پڑھانے کو تیار ہیں مگر اس فضا میں ہیڈ ماسٹری کی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں جہاں کوئی شنوائی اور پرساں سال ہوا اور جو ابہر ہی موجود۔

بلڈانہ۔ سیوہل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۷۵۰۴۔ مسلم آبادی ۱۴۲۰۔ مسلمان خاستہ

سے زائد۔

نیا پت :- کل ممبران ۱۷ (منتخب ۹ - باہمی انتخاب ۳ - نامزد ۳ - عہدیدار ۲) -
مسلم ممبر ایک (نامزد شدہ) ————— مسلم تناسب ۱/۶ -

تعلیم :- اردو اور مرہٹی کا ایک مشترک پرائمری اسکول ہے - اسکول میں ۱۶ کمرے ہیں جس میں سے ۱۲ مرہٹی کے لئے ہیں اور چار اردو کے لئے - کمروں کی کمی کی وجہ سے سیکشن نہیں بنائے جاسکتے حالانکہ پہلے درجے میں ساٹھ لڑکے ہیں - جبریہ تعلیم رائج ہے مگر افسر حاضری مسلمانوں کی طرف سے غفلت برتتے ہیں -

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۷۷ ہے جس میں مسلمان ۲۴ ہیں - مسلم تناسب ۱/۲ سے کم (۲۵ بھنگیوں میں ۱۹ مسلمان ہیں) -

تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۲۲۷ روپیہ تقسیم ہوتی ہے - اس میں سے مسلم ملازمین کو ۳۳۳۰ روپیہ ماہانہ ملتا ہے - مسلم تناسب ۱/۶ -

امداد :- کیٹیجی ۹۵ روپیہ سالانہ ادا دیتی ہے - مسلم ادارے کو کچھ نہیں ملتا -
فراہمی گوشت :- سینک دار جانور پرفیس منڈج فی راس ۴ روپیہ اور چھوٹے جانور پرفی راس ۲ روپیہ - اپریل ۱۹۳۹ء میں ایک ہندو بھمپو بچا گیا کہ وہ بیچ میں جھٹکا بھی کیا کرے - مسلمانوں کے احتجاج کرنے پر منڈج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا - بڑا حصہ جسر چھت بنی ہوئی ہے جھٹکے والے ہندو کے حوالہ کیا گیا اور چھوٹا حصہ جو کھلا ہوا ہے مسلمانوں کے لئے مسلمان قصاب تقریباً ۵ جانور روزانہ ذبح کرتے ہیں اور ہندو جھٹکے والا ہفتہ بھر میں ایک جانور - ستمبر ۱۹۳۹ء کے بعد سے اس نے ایک جانور کا جھٹکا نہیں کیا - پھر بھی آرام دہ اور کشادہ جگہ اُس کے لئے مخصوص ہے اور چھوٹی اور بلا چھت کا حصہ مسلمانوں کو دیا گیا ہے -

بلڈانہ ڈسٹرکٹ کونسل :-

نیا پت :- کل ممبران ۳۱ (منتخب ۲۱ - باہمی انتخاب ۴ - نامزد ۵ - عہدیدار ۱)

مسلم ممبران ۲ (نامزد شدہ)۔
 تعلیم :- اس کونسل کے حلقہ میں کل ۴۵۸ اسکول ہیں جس میں سے ۴۲ اسکول
 اردو کے ہیں کل ماسٹروں کی تعداد ۹۰۹ ہے جن میں ۸۸ ماسٹر مسلمان ہیں۔
 کھام گاؤں (ضلع بلڈانہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۲۴۲۴۲ - مسلم آبادی ۴۶۹۴ - مسلم تناسب $\frac{1}{5}$ سے زائد۔

نیابت :- کل ممبران ۱۸ (منتخب ۱۲ - باہمی انتخاب ۳ - نامزد ۳) مسلم ممبر
 ایک (منتخب) - مسلم تناسب $\frac{1}{5}$ ۔
 تعلیم :- پرائمری اسکول ۱۹ لڑکوں کا مرہٹی اسکول ۶ - لڑکیوں کا مرہٹی اسکول
 ایک اردو پرائمری اسکول ۲ - مرہٹی انگلش ہڈل اسکول ایک - کل ماسٹر اور اسٹانیوں
 کی تعداد ۲۷ ہے۔ اس میں سے مسلمان ماسٹروں کی تعداد ۱۲ ہے کیٹی تعلیم پر ۲ ہزار روپیہ سالانہ
 خرچ کرتی ہے۔ اس میں سے اردو پر چار ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ ایک اردو
 اسکول جلال پورہ میں بہت قدیم ہے اسکی طرف سخت ناتوجہی برتی جاتی ہے۔ ۱۹۲۷ء
 میں دوسرا اسکول ایک عارضی جھونپڑے میں قائم کیا گیا۔ اسکے بعد سے پانچ مرہٹی
 اسکولوں کی عمارتیں بن چکی ہیں لیکن اس اسکول کے لئے منہوز روناؤل ہے۔ ہر سال
 کمیٹی میں اسکی عمارت اسکے لئے مدقرر کی جاتی ہے لیکن کبھی اسپر علدرآمد نہیں کیا جاتا۔
 ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۳۱ (تین سوسترہ) ہے۔ مسلمان ۴۲ ہیں۔
 مسلم تناسب $\frac{1}{5}$ سے کم۔

تنخواہ :- کل ماہانہ اوسط تنخواہ چھ ہزار روپیہ تقسیم کی جاتی ہے۔ اس میں سی مسلمان
 ملازمین کو ۵۷ روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔ مسلم تناسب $\frac{1}{5}$ ۔

ہندوؤں کی منیت :- (۱) راشٹریا ہائی اسکول کو جہاں کسی غیر ہندو کا سایہ بھی نظر نہیں آتا اور جہاں تمام ہندو مراسم سختی اور پابندی کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں یوگ کی شق بھی کرائی جاتی ہے۔ شیواجی۔ سرسوتی۔ ہنومان۔ گنیش وغیرہ کی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ہر طرح کی امداد دی جاتی ہے۔ ٹیکس معاف کر دیا گیا۔ سالانہ امداد الگ دی گئی اور مین الیکٹرک لائن سے چار فرلانگ تک صرف اس اسکول میں بجلی پہنچانے کے لئے نئی لائن کھینچی گئی ہے۔

(۲) جہاں ریاضت کے لئے ”ہنومان کھاڑہ“ میونسپل کمیٹی نے قائم کر رکھا ہے۔ اسکی عمارت میں ہنومان کی مورتی رکھی گئی ہے اور اس سے ملی ہوئی کھلی زمین راشٹریا سویم سیوک سنگھ کے حوالہ کر دی گئی ہے۔ انکے علاوہ متعدد خالص ہندو جماعتی اداروں کو گرانقدر امداد دی جاتی ہے۔

(۳) برخلاف ہندو اداروں کے مسلم اداروں کو امداد کی بجائے بھاری ٹیکسوں سے زیر بار کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ انجمن ہائی اسکول اور انجمن مفید الاسلام پر بھاری سالانہ ٹیکس لگائے گئے ہیں۔

(۴) قبروں کے متعلق قیود عائد کئے گئے ہیں۔ قبروں کی لمبائی۔ چوڑائی۔ گہرائی کے متعلق اور لاش کی نقل و حمل کے متعلق ضوابط اور قواعد بنائے گئے ہیں جو سراسر مداخلت فی الدین ہے۔

(۵) گائے کے گوشت کے لانے اور لیجانے کے متعلق سخت قیود عائد کئے گئے ہیں۔

مہکم (ضلع بلڈانہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۷۰۰۹۔ مسلم آبادی ۱۵۸۲۔ مسلم تناسب — ۱/۵ سے زائد۔

نیابت :- کل ممبران ۱۴۱- (منتخب ۱۰- باہمی انتخاب سے ۲۰- نامزد ۲۰)-

مسلم ممبر منتخب ایک ————— مسلم تناسب $\frac{1}{11}$ ۔

تعلیم :- پرائمری اسکول دو (مرہٹی ایک- اردو ایک) - مرہٹی مڈل اسکول ایک - کل ماسٹروں کی تعداد ۱۹ ہے مسلم ماسٹر ۵ ہیں - مرہٹی ٹرینیڈ ماسٹروں کو اردو ٹرینیڈ ماسٹروں سے زیادہ تنخواہ دی جاتی ہے۔ مڈل اسکول کی عمارت کا جو خرچ کاغذات میں بتایا گیا ہے وہ چودہ ہزار روپیہ ہے۔ اس وقت اسکی قیمت ۴۴ ہزار روپیہ لگ رہی ہے۔ ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد پچاس ہے۔ مسلمان ۷ - مسلم تناسب $\frac{1}{5}$ ۔ تنخواہ :- کل ماہانہ اوسط تنخواہ آٹھ سو ساٹھ روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں مسلمانوں کو ۲۳ روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔ مسلم تناسب ————— $\frac{1}{4}$ ۔

خزانیہ کی نشست :- سینک دار جانور پرنس ۸۰ رنی راس ہے چھوٹے جانور پر ۲۰ رنی راس - اگرچہ یہ فیس کیٹی لیتی ہے مگر جانور میونسپل حدود سے باہر فرج ہوتے ہیں گائے ذبح کرنے کے ممانعت کی تجویز کیٹی نے منظور کی ہے۔ آسان طریقہ ذبحہ بند کرنے کا یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ جانور پاس نہیں کئے جاتے۔

چکی (ضلع بلدانہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۷۰۴۱ - مسلم آبادی ۱۷۷۷ - مسلم تناسب $\frac{1}{4}$ ۔

نیابت :- کل ممبران ۱۴۱- (منتخب ۹- باہمی انتخاب سے ۲۰- نامزد ۲۰- عہدیدار

ایک) مسلم ممبر ایک - منتخب شدہ ————— مسلم تناسب $\frac{1}{11}$ ۔

تعلیم :- پرائمری اسکول تین (مرہٹی دو - اردو ایک) - مڈل اسکول دو

(مرہٹی ایک - اردو ایک) کل ماسٹروں کی تعداد بائیس ہے۔ مسلمان ماسٹر آٹھ ہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۶۴ ہے جس میں سے ۱۱ مسلمان ہیں۔ $\frac{1}{6}$ ۔

تنخواہ :- ماہانہ اوسط تنخواہ سترہ سو روپیہ تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں سے مسلمانوں کو کل تنخواہ ۲۹۵ ماہانہ ملتی ہے۔ مسلم تناسب ————— ۱/۴

لائبریری :- ایک مرہٹی لائبریری ہے اسکو ۷۵ روپیہ سالانہ امداد ملتی ہے۔ امداد :- کمیٹی نے مانگ بورڈنگ ہاؤس کو جس میں ۱۲ لڑکے ہیں پچاس روپیہ سالانہ اور جبار بورڈنگ ہاؤس کو جس میں پندرہ لڑکے ہیں سو روپیہ سالانہ امداد دینا منظور کیا ہے۔ لیکن مسلم بورڈنگ ہاؤس کے لئے جس میں بارہ لڑکے ہیں ایک پیسہ بھی امداد منظور نہیں کیا گیا ہے۔

سندھ و مہنیت (۱) اردو اسکول کی عمارت بہت خراب حالت میں ہے مرمت تعلق کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ نہ اردو اسکولوں کو ضروری سامان چٹائی وغیرہ وقت پر دی جاتی ہیں۔

(۲) کانگریسی اکثریت نے آئے ہی مسلمان ٹیکہ لگانے والے اور مسلمان ڈریسنگ کپڑے کر دیا۔

(۳) ۵ دسمبر ۱۹۳۷ء کے اسپیشل اجلاس میں کمیٹی نے یہ تجویز منظور کی کہ میونسپل کے تمام ملازمین کو گاندھی ٹوپی پہننی چاہیے اور گشتی مراسلہ اسکولوں کے تمام ماسٹروں کے نام بھی بھیجا گیا۔

چند اور مقامات کے متفرق واقعات

لوکل باڈیز میں سراسر ہندو غلبہ ہونے کے سبب اعداد شمار کی فراہمی میں بڑی مشکلات پیش آئیں۔ ہر جگہ عہدیداروں اور ذمہ دار عملے کے تقریباً کل کے کل ہندو ہونے کے باعث دفتروں اور مزاحمتوں کا سامنا ہوا۔ اس لئے اکثر جگہ کے اعداد و شمار دستیاب نہ ہو سکے اور اکثر جگہ کے نامکمل تھے۔ جن مقامات کے اعداد و شمار صحیح اور مکمل دستیاب ہوئے وہ نام

کردہ ترتیب کے مطابق صفحات ماقبل میں درج کردے گئے ہیں۔ متعدد دیگر مقامات کے اعداد و شمار مکمل طور پر تو نہیں ملے لیکن بعض مجمل معلومات مہیا ہو گئیں۔ ان مقامات کے وہ واقعات جنکی مستند ذرائع سے تصدیق کی جا چکی ہر درج ذیل ہیں۔ اسلئے کہ یہ واقعات بھی منہ و اکثریت اور کانگریسی ذہنیت کے اہینہ دار ہیں:-

ساگر (سیونپ کیٹی):-

آبادی:- کل آبادی ۳۹۸۲۲- مسلم آبادی ۷۳۲۷- مسلم تناسب ۱۸

سے زائد:-

تپا بہت:- کل ممبران ۲۱ (منتخب ۱۳- باہمی انتخاب سے ۳- نامزد ۳- عہدیدار ۲)۔ مسلم ممبران ۳ (منتخب ایک- نامزد ایک- عہدیدار ایک- عہدیدار اُس مسلمان کو چنا گیا جسے گذشتہ مسلم حلقہ انتخاب سے کانگریس ٹکٹ پر کھڑے ہونے کے باعث لیگ کے امیدوار کے مقابلہ میں جبری طرح شکست ہوئی تھی)۔ مسلم تناسب ۱۷- تعلیم:- پرائمری اسکول بارہ ہیں (لڑکوں کے نو- لڑکیوں کے تین)۔ ان میں سے دو اردو پرائمری اسکول لڑکوں کا ہی اور ایک لڑکیوں کا۔ ایک ہندی ٹڈل اسکول اور ایک میونسپل ہائی اسکول ہے۔ ہائی اسکول میں بچپن ماسٹر ہیں جن میں سے صرف دو مسلمان ہیں۔ فارسی پڑھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اردو پرائمری گرل اسکول میں اُستانیوں کی بجائے مرد ماسٹر پڑھاتے ہیں۔ سینیوری اور گوپال گنج میں مسلم آبادی کافی ہے۔ ان محلوں کے لوگ دو سال سے پرائمری اسکول کھولے جانے کے متعلق درخواستیں دے رہے ہیں مگر کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ اسکے برخلاف ہندی کے چار پرائمری لڑکیوں کے اسکول ہوتے ہوئے بھی کمیٹی نے لڑکیوں کے دو ہندی پرائمری اسکول ہندو محلوں کے باشندوں کے اشارے پر فوراً کھول دئے۔ کاربینٹری اسکول میں

مسلمان بچوں کا داخلہ بہت ہی پُر قریب طریقہ پر ممنوع قرار دیا گیا۔ بشرط داخلہ یہ ہو کہ لڑکا یا تو ساتویں ہندی پاس ہو یا تیسری انگریزی یعنی ساتویں اردو پاس شدہ لڑکا اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔

بندے ماترم :- میونسپل ہائی اسکول میں بندے ماترم کا گانا لازمی قرار دیا گیا۔ مسلم بچوں کے احتجاج کرنے پر کمیٹی نے یہ تجویز منظور کی کہ جو لڑکے ہیڈ ماسٹر کا کہنا نہ مانیں انہیں سزا دی جائے۔ صدر میونسپل کمیٹی نے مسلمان لڑکوں کو دھمکی دی کہ اگر وہ بندے ماترم نہیں گاسکتے تو انہیں اسکول سے نکال دیا جائے گا۔

فراہمی کو غفلت :- سینک دار جانور کے متعلق کمیٹی نے یہ قید لگا رکھی ہے کہ ایک روز دس جانور سے زیادہ ذبح نہیں کئے جاسکتے۔ اگرچہ ذبح کرنے کی فیس لی جاتی ہے مگر مذبح بہت دور اور خراب حالت میں ہے۔ میونسپل حدود کے اندر مسلمانوں کے محلے میں گوشت کی دوکانیں بنانے کی منظوری دینے سے کمیٹی براہِ برگز کرتی چلی آ رہی ہے۔

دلیسی دواخانے :- ۱۹۳۷ء میں کمیٹی نے یہ تجویز منظور کی کہ یونانی اور ویدک شفا خانے کھولے جائیں۔ ۱۹۳۸ء میں ویدک دواخانہ تو کھول دیا گیا مگر اخیر ۱۹۳۹ء تک یونانی دواخانے کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔

قبرستان :- کمیٹی نے مسلمانوں کے قبرستان کے درمیان سے ایک عام سڑک نکال دی۔ مسلمانوں نے احتجاج کیا مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ مجبوراً حکام بالا کے پاس اپیل کرنی پڑی۔

ملازمین :- کمیٹی کے کسی بڑے یا ذمہ دار عہدے پر کوئی مسلمان ملازم نہیں ہے۔ نہ کلرکوں کے اسٹاف میں کوئی مسلمان ہے۔

اردو دشمنی :- اردو میں لکھی ہوئی درخواستیں اور کاغذات لینے سے صاف

کردیا جاتا ہے۔
ساگر ڈسٹرکٹ کونسل: اس کونسل کے تحت لڑکوں کے ۰۸ پرائمری اسکول ہیں جو سب کے سب ہندی کے ہیں۔ اردو کا ایک بھی نہیں۔ حالانکہ دیوری راحت گڑھ اور گڑھاکوٹا ایسے مقامات ہیں جہاں مسلم آبادی کافی ہے اور مذمت سے اردو اسکول کی ضرورت کے متعلق لکھا جا رہا ہے۔ دیوری کے لئے کونسل نے صرف سو روپیہ سالانہ کی منظوری دی ہے۔

کھرنی میونسپل کمیٹی:-

اس کمیٹی نے سینک دار جانوروں پر ذبح کی فیس فی راس ایک روپیہ مقرر کر دی ہے۔ یہ دیہاتی علاقہ ہے اور مسلمان کم اور بہت غریب ہیں۔

دموہ میونسپل کمیٹی:-

آبادی: کل آبادی ۲۰،۷۲۸۔ مسلم آبادی ۳،۷۵۹۔ مسلم تناسب $\frac{1}{5}$ کے قریب۔

نیابت: کل ممبران ۱۷۔ مسلم ممبر ۲۔ مسلم تناسب $\frac{1}{5}$ کے قریب۔ (دو مسلمان ممبروں سے ایک نامزد شدہ ہیں اور ایک کانگریس ٹکٹ پر ہندو ووٹوں سے منتخب ہوئے)۔

تعلیم: اردو کے دو اسکول ہیں ایک لڑکوں کا اور ایک لڑکیوں کا۔ لڑکوں کے اردو پرائمری اسکول میں ۹ ماسٹر ہیں جن میں سے صرف چار اردو ٹرینڈ ہیں۔ بقیہ پانچ میں سے تین ہندی ٹرینڈ ہیں اور دو ان ٹرینڈ ہیں۔ لڑکیوں کے اردو پرائمری اسکول میں ۸۰ لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ ایک ان ٹرینڈ ماسٹر اور ایک ان ٹرینڈ معلمہ کل

دو آدمیوں کا اسٹاف ہے۔ لڑکیوں کا اسکول ایک مسلمان کی عمارت میں ہے۔ یکم اپریل ۱۹۳۹ء سے اسکا کرایہ دینا بھی کیٹی نے بند کر دیا ہے۔ ڈل اسکول میں ایک اردو ماسٹر ۱۹۳۲ء میں چالیس روپیہ ماہانہ پر مقرر کیا گیا۔ ایک سال کے بعد یہ جگہ اڑادی گئی۔ مسلمانوں کے شور مچانے پر دو ماہ بعد اسی ماسٹر کو تیس روپیہ ماہانہ پر ملازم رکھا گیا۔ ٹریننگ کے بعد ہندو ماسٹروں کو فوراً پانچ روپیہ کی ترقی دی گئی۔ لیکن مسلمان ماسٹر کو ٹریننگ کے ایک سال کے بعد صرف دو روپیہ کی ترقی اور دوسرے مسلمان ماسٹر کو جو ۱۹۳۹ء میں ٹریننگ سے واپس آئے کوئی ترقی نہیں دی گئی۔ ڈل اسکول میں اردو ماسٹر کے تقرر کے متعلق ۱۹۲۹ء سے کوشش کی جا رہی ہے۔ ۱۹۳۸ء میں ۱۵ لڑکوں نے اپنی دستخطوں سے وزیر اعظم کو درخواست دی تاکہ لڑکوں کی قلت کا سوال نہ پیدا ہو جائے۔ مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

فراہمی گوشت :- میونسپل حدود کے اندر گائے کے گوشت کا فروخت کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں فروخت کرنے والوں کو فوراً چالان کو دیا جاتا ہے۔

ملازمت :- میونسپل کیٹی میں ایک بھی مسلمان ملازم نہیں ہے۔

ہندو ذہنیت :- (۱) تین ہندی لائبریریوں کو کیٹی کی طرف سے امداد ملتی ہے۔ لیکن واحد اردو لائبریری غوثیہ لائبریری کو کوئی امداد نہیں دی جاتی۔ (۲) ہندوؤں کے مفاد کے لئے کیٹی کی چیزیں وقف ہیں۔ (الف) جٹا شکر کے میلہ کے لئے کیٹی نے دو فرلانگ تک پائپ لگا دئے۔ (ب) دیوی جی کے مندر تک ٹرک بنوادی گئی اور روشنی فراہم کی گئی۔ (ج) انا تھہ الیہ کو وسیع اراضی زمین معمولی قیمت پر دیدی گئی۔ لیکن ایسی کوئی بھی سہولت کسی مسلم ادارے یا مسلم اجتماع کے لئے روانہ رکھی گئی۔ (۳) ڈسٹرکٹ کونسل کی عمارت پر "ادم" کندہ کیا گیا ہے۔ (۴) اسکول کا

سامان پہلے دو مسلمانوں کی دکان سے خریدا جاتا تھا مگر پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی نے سر پواسٹوا سٹورز کے نام سے اسٹیشنری وغیرہ کی دکان صرف اس لئے کھولی کہ مسلمان دکاندار کو نقصان پہونچا کر خود فائدہ اٹھایا جائے۔ کمیٹی کے صدر ہونے کے اثر کو استعمال کر کے سامان اسی دکان سے خریدنے کا انتظام کر لیا گیا ہے۔ (۵) ایک میونسپل کنگریس ممبر مسٹر نرائن ٹنڈن کے یہاں شادی کی تقریب کے سلسلہ میں تمام میونسپل اسکول بند کر دئے گئے تاکہ بارات اسکولوں کی عمارت میں ٹہرائی جاسکے۔ بہانہ یہ بنایا گیا کہ اس روز وردھا اسکیم سمجھائی جائے گی۔ مگر یہ سب کچھ نہیں ہوا۔ یہ کیا اتفاق ہے کہ جس روز بارات اگر اسکولوں میں ٹہرنیوالی تھی اسی روز وردھا اسکیم کے سمجھانے کی ضرورت پیش آئی۔

جلیپور (میونسپلٹی) :-

آبادی :- کل آبادی ۱۰۴۳۱۷۔ مسلم آبادی ۲۴۶۴۷ — مسلم تناسب ۲۴٪ کے قریب۔

نیابت :- کل ممبران کی تعداد ۳۵ ہے منتخب ۲۳۔ باہمی انتخاب سے ۵۔ نامزد ۶۔ عہدیدار ایک ان میں سے مسلمانوں کی تعداد ۵ ہے (چار منتخب ایک باہمی انتخاب سے) — مسلم تناسب ۱۷٪۔

امداد :- میونسپل کمیٹی جماعتی اور فرقہ دارانہ اداروں کو تقریباً پندرہ ہزار روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ اس میں سے مسلم اداروں کو ۲۳۰۰ روپیہ سالانہ ملتا ہے۔ شکارنی ہائی اسکول کو جو ایک ہندو اسکول ہے ۲۳۰۰ سالانہ امداد دی جاتی ہے۔ بگرنی سنسکرت پاٹشالہ کو ۵۰۰ روپیہ سالانہ امداد دی جاتی ہے۔ کرائسٹ چرچ ہائی اسکول کو جو عیسائیوں کا اسکول ہے ۵۰۰ سالانہ امداد دی جاتی ہے۔ اسکے مقابلہ میں مسلمانوں

کے انجن اسکول کو صرف ۸۰۰ سالانہ امداد ملتی ہے۔
ملازمین:۔ میونسپل کمیٹی کے تحت مسلم ملازمین کی تعداد بہت کم ہے۔ ذمہ دار
 عہدوں پر ایک بھی مسلمان نہیں ہے۔ کسی مسلمان ملازم کی تنخواہ پچاس روپیہ مہینہ سے
 زیادہ نہیں ہے۔

بھڑکارہ:-

اس قصبہ کی کل آبادی تقریباً سولہ ہزار ہے۔ جس میں سے دو ہزار مسلمان ہیں۔ یہاں
 بھی اردو کے ساتھ میونسپل کمیٹی کا وہی روپیہ ہے جو اس صوبہ میں تقریباً ہر جگہ ہندو اکثریت
 نے اختیار کر رکھا ہے۔ اردو پرائمری اسکول میں لڑکوں کی تعداد زیادہ ہونے کے سبب
 مزید ماسٹر کی سخت ضرورت ہے۔ لیکن کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ اگرچہ جبریہ تعلیم رائج ہے۔
 لیکن مسلمان لڑکوں کی طرف حاضری افسر نا تو جہی سے کام لیتا ہے۔ قابل تعلیم مسلمان لڑکوں
 کو داخلہ میں مزاحمت کی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ ایسے لڑکوں کی کافی تعداد کے داخلہ سے
 اس بنا پر انکار کر دیا گیا کہ انکی عمریں کم ہیں۔ جب رجسٹر پیدائش سے انکی عمروں کا ثبوت
 پیش کیا گیا تب مجبوراً انہیں داخل کیا گیا۔ مڈل انگلش اسکول کے اردو پڑھانے والے
 ماسٹر کو جو مستقل ماسٹر کے ٹریننگ کے لئے بھیجے جانے کے سبب عارضی طور پر کام
 کر رہے تھے تحفیف کے نام پر ہٹا دیا گیا۔ مسلمانوں کے احتجاج کرنے پر کچھ دنوں بعد
 پھر انکا تقرر کیا گیا۔ مگر انکی تنخواہ تیس روپیہ ماہانہ سے گھٹنا کر تیس روپیہ ماہانہ کر دی
 گئی۔ میونسپل اسکولوں میں مندرجہ ماترم کا گانا رائج کیا گیا اور جو ایس کے اس میں شریک
 نہوتے تھے یعنی مسلمان لڑکے انہیں دن بھر کے لئے اسکول سے غیر حاضر قرار دیا
 جاتا تھا۔ مسلمانوں کے سخت احتجاج پر تقریباً ۶ ماہ بعد یہ طریقہ ترک کیا گیا۔ واحد اردو
 لائبریری کو سابق میں پچاس روپیہ سالانہ گرانٹ ملتا تھا۔ کمیٹی نے اسے بند کر دیا۔

انجمن طغرا الاسلام نے ۱۹۰۵ء میں لڑکیوں کا اردو پرائمری اسکول قائم کیا جو محکمہ تعلیم سے منظور شدہ بھی ہے۔ اس مدرسہ کو بڑی شکلوں سے ۱۹۳۶-۳۷ء میں کمیٹی نے اپنے انشٹام میں لیا۔ لیکن عمارت انجمن ہی کی ہے۔ اور استانیوں کی ماہانہ تنخواہ ۲۵ روپیہ میں سے کمیٹی صرف پچاس روپیہ ماہانہ دیتی ہے پندرہ روپیہ ماہانہ انجمن کو دینا پڑتا ہے۔

ہندو نوازمی :- ڈسٹرکٹ کونسل بھنڈارہ کے تحت ایک مسلمان مسٹر نذیر احمد اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آف ویکسینیشن کے عہدہ پر کام کر رہے تھے۔ انہیں بلا وجہ اور بلا سبب اس عہدے سے معزول کر کے ویکسینٹر بنادیا گیا اور انکی جگہ مسٹر پونا جی نامی ایک ہندو کو یہ عہدہ دیا گیا۔ مسٹر پونا جی کے متعلق دو سول سرجنوں نے یہ رائے لکھی ہے کہ یہ اس عہدے کے اہل نہیں اور انھوں نے فرضی سفر خرچ بتلا کر کمیٹی سے زائد رقم وصول کر لی ہے۔ خود ڈسٹرکٹ کونسل نے سول سرجن کی رپورٹ پر مسٹر پونا جی کی تنخواہ میں کمی کرنے کی تجویز منظور کی تھی۔ لیکن ہندو ہونے اور کونسل کے ہندو صدر اور سیکریٹری کے منظور نظر ہونے کے سبب یہ تجویز طاق نسیاں پر رکھی رہی۔ بعد میں صدر و سیکریٹری نے کوشش کر کے کونسل سے ایسی تجویز منظور کرائی کہ سابق تجویز بابت تنخواہ سترہ کی جائے اور انہیں اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر بحال کیا جائے۔ دو سول سرجنوں کی مستند رائے ہندو ہونے کی وجہ سے ایک نا اہل اور فریب دہی کے ملزم ملازم کا کچھ نہ لگاؤ سکی۔ اس سلسلہ میں صوبہ کی اسمبلی میں سوالات پیش کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے جنہیں اس بہانہ سے نام منظور کر دیا گیا کہ اس معاملہ کا تعلق خاص طور پر صوبہ کی حکومت سے نہیں ہے۔

رام ٹپک (ضلع ناگپور) میونسپل کمیٹی :-

آبادی و نیابت :- کل آبادی تقریباً ۹ ہزار کی ہے۔ جس میں تقریباً ۵۰۵

مسلمان ہیں۔ کل ممبروں کی تعداد بارہ ہے۔ ان میں صرف ایک نامزد شدہ مسلمان ممبر ہے۔
تعلیم :- میونسپل کمیٹی کے تحت چار پرائمری اسکول اور ایک ہڈل اسکول ہے۔
اُردو کا ایک بھی اسکول نہیں : کسی اسکول میں اُردو کا انتظام ہے۔ کمیٹی تقریباً ۲۸۰۰ روپیہ
سالانہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے اس میں سے ایک پیسہ بھی اُردو کی تعلیم پر خرچ نہیں کیا جاتا۔ کل
ماسٹروں کی تعداد بیس ہے جس میں صرف ایک مسلمان ماسٹر ہے۔ کل ماسٹروں کو چھ سو ستر روپیہ
ماہانہ تنخواہ ملتی ہے جس میں سے مسلمان کا حصہ صرف تینتیس روپیہ ماہانہ ہے۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۱۲۵ ہے جس میں صرف ۶ مسلمان ہیں۔ (ایک ماسٹر
ایک اٹرائی سپرنٹنڈنٹ۔ ایک محرر اور تین چپراسی)۔

فسراہمی کو شست :- سینک دار جانور نہیں ذبح کئے جاتے ہیں۔ چھوٹے جانوروں
پر فیس ذبح ۱۰ روپیہ ہے اس پر چھوٹے جانوروں کے ذبح کرنے اور بیچنے والے سبک سب مند ہیں۔
امداد :- کمیٹی دیوستان گڑھ مندر کو پانچ سو روپیہ سالانہ اور مندی مرہٹی لائبریری کو
بارہ روپیہ سالانہ امداد دیتی ہے۔ کسی مسلم ادارہ کو ایک پیسہ امداد نہیں ملتی۔

پبل گارڈ (ضلع وردھا) میونسپل کمیٹی :-

آبادی و نیابت :- کل آبادی ۴۵۸۷۷۔ مسلم آبادی ۱۷۷۷۷۔ مسلم تناسب ۱/۲
کے قریب کل ممبروں کی تعداد ۱۴ ہے جس میں صرف ایک نامزد شدہ مسلمان ممبر ہے۔ مسلم تناسب ۱/۲۔
تعلیم :- چار پرائمری اور دو ہڈل اسکول ہیں۔ ایک ہڈل اسکول مندی کا اور
ایک مرہٹی کا ہے۔ اُردو پرائمری اسکول صرف ایک ہے۔ کل بچپن ماسٹر ہیں جن میں صرف دو ماسٹر
مسلمان ہیں جو اردو اسکول میں ماسٹر ہیں اُردو اسکول پر کل اخراجات پچیس روپیہ ماہانہ ہیں۔
ملازمین :- کل میونسپل ملازمین میں سے صرف ایک چپراسی جسکو چھ روپیہ ماہانہ
تنخواہ ملتی ہے مسلمان ہے۔ بقیہ سب غیر مسلم ہیں۔

فسراہمی کو شست :- گائے ذبح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ دوسرے سینک دار

جانوروں پر ۸ رنی راس فیس مذبح پر چھوٹے جانوروں پر فیس فی راس ۴ رہے۔ اسکے علاوہ ہر دوکان کے لئے پانچ روپیہ سالانہ لائسنس ہے۔

لاکسیری :- لاکسیری پر ۵۴ روپیہ سالانہ خرچ کیا جاتا ہے۔ نو اخبارات اور متعدد سالوں میں سے صرف ایک اردو کا اخبار آتا ہے۔

وڑو (ضلع امراتٹی) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۱۰۰۰۰۔ مسلم آبادی ۱۲۵۰۔ مسلم تناسب ۱۲٪
نیابت :- کل ممبران ۱۴ (منتخب ۹۔ باہمی انتخاب ۲۔ نامزد ۲۔ عہدیدار ایک)
مسلم ممبر ایک۔ مسلم تناسب ۱۱٪

تعلیم :- کمیٹی تعلیم پر ۵۰۷ روپیہ سالانہ خرچ کرتی ہے جس میں سے اردو پر ۱۱۲۵ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ کل ماسٹروں کی تعداد ۷۱ ہے۔ اس میں چار ماسٹر مسلمان ہیں۔
ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۴۴ ہے۔ اس میں ۹ مسلمان ہیں۔ مسلم تناسب ۱۷٪ قریب۔
تنخواہ :- کل تنخواہ اوسط ایک ہزار روپیہ ماہانہ تقسیم ہوتی ہے جس میں سے دوسرے روپیہ ماہانہ مسلم ملازمین کو ملتا ہے۔ مسلم تناسب ۱۷٪

سینڈورجٹاگھاٹ (ضلع امراتٹی) ٹوٹیفائڈ ایئر یا کمیٹی :-
آبادی و نیابت :- کل آبادی ۴۵۰۰۔ مسلم آبادی ۱۰۰۰۔ کل ممبران ۱۴۔ مسلم ممبر ایک۔

تعلیم :- تین اسکول ہیں جن میں سے ایک اردو اسکول ہے۔ انکھارہ ماسٹر ہیں جن میں سے ۴ ماسٹر مسلمان ہیں۔
فرائضی گوشت :- سینکس دار جانور پر فیس مذبح ۸ رنی راس اور چھوٹے جانوروں پر ۴ رنی راس ہے۔ لائسنس فیس پانچ روپیہ سالانہ ہے۔

موری (ضلع امراتٹی) میونسپل کمیٹی :-

آبادی :- کل آبادی ۹۵۰۰۔ مسلم آبادی ۱۷۰۰۔ مسلم تناسب ۱۷٪ قریب۔
نیابت :- کل ممبران ۱۶ (منتخب ۱۰۔ باہمی انتخاب ۲۔ نامزد ۲۔ عہدیدار ۲)۔

مسلم ممبر ایک (منتخب شدہ) ————— مسلم تناسب ————— ۱۶
 تعلیم :- اردو کا ایک اسکول ہے۔ سالانہ تعلیم پر ۵۲۸۰ روپیہ خرچ ہوتا ہے اس
 میں سے اردو کی تعلیم پر سالانہ ۵۳۸ خرچ ہوتا ہے۔ کل مدرسین کی تعداد ۱۹ ہے اس میں
 ۶ ماسٹر مسلمان ہیں۔

ملازمین :- کل ملازمین کی تعداد ۲۹ ہے اس میں مسلم ملازمین کی کل تعداد ۶ ہے۔
 مسلم تناسب ۱۶۔

تنخواہ :- کل تنخواہ ماہانہ اوسط ۴۵۰ روپیہ تقسیم ہوتی ہے اس میں سے مسلم
 ملازمین کو ۱۳۰ ماہانہ ملتا ہے۔ مسلم تناسب ۱۱۔

فرمایا گوشت :- سینک دار جانوروں پر فیس مذبح ۴ روپیہ چھوٹے
 جانوروں پر ۲ ہے۔ لائسنس فیس فی دوکان سات روپیہ آٹھ آنہ ہے۔ اگرچہ مذبح سے
 کیٹی کوڈ ہائی سو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے مگر مذبح کی حالت خراب ہے اور شہر سے
 تقریباً دو میل پر ہے۔ بڑے کے گوشت کا مارکٹ بہت ہی خراب حالت میں ہے دروازے
 تک نذر دہیں۔ باوجود عرضیاں دینے کے کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔

دریا پور (ضلع امراتہ) میونسپل کمیٹی :-

آبادی و نیابت :- کل آبادی ۵۵۰۰ مسلم آبادی ۵۵۰۔ کل ممبران ۱۶۔ مسلم ممبران ۱۶

دیگر حالات :- کل ماسٹروں کی تعداد ۲۵ ہے اس میں سے مسلمان ماسٹروں کی

تعداد نو ہے۔ کل ملازمین کی تعداد ۷۰ ہے جس میں مسلم ملازمین کی تعداد بارہ ہے۔ اسٹاف کے

۱۶ ملازمین میں سے صرف تین چہرے مسلمان ہیں۔ ماہانہ اوسط تنخواہ ۲۵۰ تقسیم ہوتی ہے

جس میں سے ۲۰۰ روپیہ چھینے مسلم ملازمین کو ملتا ہے۔ دریا پور میونسپل کمیٹی نے گائے کے گوشت

کی فروخت ممنوع قرار دے دی تھی اور تقصایوں پر مقدمہ بھی چلایا تھا مگر عدالت سے تصاب

کا میاب ہو گئے۔ قبرستان اور بستی کے درمیان دریا حائل ہے جسکی وجہ سے برسات

میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بستی سے باہر ایک افتادہ زمین ہر مسلمانوں نے تبرستان کے لئے اس زمین کو دیدئے جانے کی درخواست کی۔ ہندوؤں نے اسکی مخالفت کی۔
چاندور ریلوے (ضلع امراتی) ٹوشقانڈ ایریا کمیٹی:-
آبادی و نیابت:- کل آبادی ۷۰۰۰، مسلم آبادی ۶۰۰، کل ممبران ۱۳۔

مسلم ممبران:-
تعلیم:- کل پرائمری اسکول ۵ (مرتبہ پرائمری اسکول ۳۔ اردو پرائمری اسکول ایک۔ لڑکیوں کا اسکول ایک)۔ تعلیم پر سالانہ ۳۶۶ روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اس میں سے ۵۶۹ روپیہ سالانہ آمدور پر خرچ ہوتا ہے۔ کل ماسٹروں کی تعداد ۲۲ اس میں دو ماسٹر مسلمان ہیں۔
دیگر حالات:- کل ملازمین کی تعداد ۶۴۶ ہے جس میں صرف تین مسلمان ہیں ماسٹروں کو ۳۰ روپیہ سالانہ تنخواہ ملتی ہے۔ اس میں سے مسلمانوں کو ۴۰ روپیہ ملتا ہے۔ بقیہ اسٹاف ۱۳۹ روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی ہے اس میں سے ۳۰ روپیہ ماہانہ مسلمانوں کو ملتا ہے۔ مذبح اور گوشت کے بازار کی حالت بہت خراب ہے۔ چھوٹے جانوروں کا مذبح صرف ٹیٹیوں سے گھیر کر بنا دیا گیا ہے۔ رگائے کے گوشت کا مارکٹ ناسلے کے کنارے ہے جہاں پر بھنگیوں کے مکانات ہیں۔ ایک طرف تین گھیر کر ٹرک سے پردہ کر دیا گیا ہے۔ مذبح اور گوشت مارکیٹ سے گیٹی کو تقریباً پانچ سو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ اسپرہ حال مذبح اور گوشت مارکیٹ کا ہے۔ گاٹس چاندور ریلوے سے دو میل کے فاصلے پر سے ذبح ہو کر آتی ہیں۔ بستی میں ذبح نہیں کیجا سکتی ہیں۔

سرکاری ملازمتیں

سرکاری ملازمتیں

صوبہ متوسط و برار میں سرکاری ملازمتوں میں مسلم نیابت کا صحیح اندازہ ذیل میں درج شدہ تفصیل سے ہوگا۔ جہانک اعلیٰ اور ذمہ دار عہدوں کا تعلق ہی مسلم نیابت بمنزلہ صفر ہے۔ ماتحت اور ادنیٰ ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد چپرا سیوں کو ملا کر اتنی ہو جاتی ہے کہ دنیا کو یہ دھوکا دیا جاسکے کہ مسلمانوں کی کوئی حق تلفی نہیں ہو رہی ہے۔ کانگریس کا یہ دعوئے ہے کہ اُس نے اپنے دور حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف منصفانہ بلکہ نیا ضانہ سلوک کیا ہے۔ ذیل کے اعداد شمار بتائیں گے کہ کانگریسی دور حکومت میں اس نیا ضانہ سلوک کے باوجود سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا کیا حصہ تھا۔

اعلیٰ ملازمتیں

(۱) ہائیکورٹ۔ (۱) ناگپور ہائیکورٹ میں چیف جسٹس کو ملا کر کل سات جج ہیں جنہیں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۲) ایڈوکیٹ جنرل اور رجسٹرار دونوں غیر مسلم ہیں۔
(۲) سکریٹری و انڈر سکریٹری حکومت صوبہ متوسط و برار۔ گورنر کے سکریٹری کو ملا کر (۱۶) سکریٹری اور انڈر سکریٹری ہیں جنہیں صرف ایک اسسٹنٹ سکریٹری مسلمان تھے لیکن اب وہ بھی وظیفہ باب پر چکے ہیں۔
(۳) شعبہ جات کے مہتمم اعلیٰ (ہیڈس آف ڈپارٹمنٹس)۔

HEAD OF DEPARTMENTS.

حکومت صوبہ کے مختلف شعبہ جات کے مہتمم اعلیٰ کی تعداد چودہ ہے جنہیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ پندرہواں شعبہ انکم ٹیکس کی کٹنری کا اس کے لئے یو۔ پی اور سی۔ پی کو

۳۳۱
 ملاکر ایک حلقہ کشنری بنایا گیا ہے۔ اس حلقہ کے کشنر ایک مسلمان ہیں جبکہ تعلقہ۔ پی کے شعبہ انکم ٹیکس سے ہے نہ کہ صوبہ متوسط و برابر سے۔

(۴) ممبران انڈین سول سروس۔ اس صوبہ میں ممبران انڈین سول سروس کے لئے سسٹمز جگہیں ہیں۔ جنہیں سے دو مسلمان ہیں۔ ان دو مسلمانوں میں سے ایک مرکزی حکومت میں منتقل ہو گئے ہیں۔ اسوجہ سے سارے صوبے میں صرف ایک مسلمان آئی۔ سی۔ ایس ہیں۔ (۷۷) میں سے اٹھارہ اصحاب مرکزی حکومت یا صوبہ سے باہر کی خدمات پر منتقل ہیں۔

(۵) کشنر اور اسسٹنٹ کشنر۔ فنانشل کشنر اور سٹنٹ واکسائز کشنر کو ملا کر چھ کشنر ہیں جنہیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ ۲۶۔ اسسٹنٹ کشنروں میں صرف ایک مسلمان تھے جو مرکزی حکومت کو منتقل ہو گئے۔ صوبہ میں ایک بھی مسلمان اس عہدے پر نہیں ہے۔

(۶) ڈپٹی کشنر۔ اس صوبہ میں پراونشل سروس کی اُن چار آسامیوں کو ملا کر جنہیں انڈین سول سروس کے برابر درجہ ملتا ہے ڈپٹی کشنری کی کل ۳۲ جگہیں ہیں۔ انہیں صرف ایک مسلمان ڈپٹی کشنر ہیں۔

(۷) اکسٹرا اسسٹنٹ کشنر۔ اس عہدہ کے لئے اس صوبہ میں ۹ جگہیں ہیں جنہیں سے اٹھارہ مسلمان ہیں۔ انکے علاوہ اٹھارہ عارضی جگہیں ہیں جنہیں صرف ایک مسلمان ہے۔

(۸) شعبہ زراعت۔ (۱) درجہ اول میں کل ۱۹ جگہیں ہیں جنہیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۲) درجہ دوم میں ۱۲ جگہیں ہیں جنہیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۳) عارضی جگہوں پر ۱۱ آدمی کام کر رہے ہیں جن میں صرف ایک مسلمان ہے۔

(۹) شعبہ حساب و محاسبی۔ (۱) سول آفس اکوئینٹ اور آڈٹ کے شعبہ

میں آٹھ اسمایاں ہیں جنہیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۲) پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف کونٹینٹ اور آڈٹ کے شعبہ میں پانچ اسمایاں جنہیں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۱۰) ایکڑ کیوٹیو آفیسر۔ چار ایکڑ کیوٹیو آفیسروں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۱۱) کوآپریٹو سوسائٹیز۔ (۱) سات مستقل اسمایوں میں ایک بھی مسلمان

نہیں۔ (۲) تین عارضی اسمایوں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۱۲) تعلیمات۔ (۱) ڈائریکٹر اور اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی پندرہ اسمایاں ہیں

جنہیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۲) کالیجیٹ برانچ میں ۱۱۔ اسمایاں ہیں جنہیں ایک

بھی مسلمان نہیں۔ (۳) جنرل سر دس میں ۴۔ اسمایاں ہیں جنہیں ایک بھی مسلمان

نہیں۔ (بچنے کل ۳۰۔ اعلیٰ اسمایوں میں ایک بھی مسلمان نہیں)۔ (۴) درجہ

دوم کے انتظامی عہدوں میں ۹ جگہیں اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس اور ایک رجسٹرار

اور تھم ہیڈ ماسٹر اور تین سپرنٹنڈنٹ نارمل اسکول کی بڑے یعنی کل ۱۹۔ اسمایاں

ہیں۔ ان میں دو مسلمان تھے جو ریٹائر ہو چکے۔ اس درجہ میں اب ایک بھی

مسلمان نہیں۔ (۵) تعلیمی عہدوں میں پروفیسر لکچرار وغیرہ ۷۵۔ اسمایاں ہیں جن

میں صرف ۴ مسلمان ہیں۔ (۶) تعلیمات شعبہ نسواں میں ۹۔ اسمایاں ہیں جن میں

ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۱۳) آبکاری۔ (۱) اعلیٰ عہدوں کی ۸۔ اسمایاں ہیں جن میں ایک بھی مسلمان

نہیں۔ (۲) لوئر ڈویژن میں ۵ مستقل اسمایاں ہیں۔ جنہیں صرف ایک مسلمان ہیں۔

اور ۵ عارضی اسمایوں میں ایک ہی مسلمان ہیں۔

(۱۴) جنگلات۔ اعلیٰ عہدوں کی ۳۰ اسمایوں میں چار مسلمان ہیں۔

(۱۵) انکم ٹیکس۔ (۱) یو۔ پی اور سی۔ پی کو ملا کر ایک حلقہ کمشنری بنایا گیا ہے جسے

یو۔ پی۔ اور سی۔ پی کے لئے ایک ہی کمشنر ہوتا ہے۔ یہ کمشنر مسلمان ہیں۔ (۲) صوبہ کی ۱۹۔ اسمایاں

میں سے ۳ مسلمان ہیں جس میں ایک عارضی ہیں۔

(۱۶) صنعت و حرفت۔ اعلیٰ عہدوں کی ۱۵۔ اسامیوں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۱۷) جیل خانہ جات۔ اعلیٰ عہدوں کی ۷۔ اسامیوں میں ایک مسلمان ہیں۔

(۱۸) عدالت۔ (۱) ڈسٹرکٹ و سیشن جج کی ۱۱۔ اسامیوں میں ایک بھی مسلمان

نہیں۔ (۲) سب جج فرسٹ کلاس کی ۳۳۔ اسامیوں میں صرف ۲ مسلمان ہیں۔

(۳) سب جج سکنڈ کلاس کی ۸۲۔ اسامیوں میں ۸ مسلمان ہیں۔

(۱۹) مڈیکل۔ (۱) آئی۔ ایم۔ ایس کی ۸ جگہوں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۲) سول سرجن کی ۸۔ اسامیوں میں صرف ایک مسلمان تھے جو ریٹائر ہو چکے اب

ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۳) اسسٹنٹ سرجن کی ۶۶۔ اسامیوں میں صرف ۳

مسلمان ہیں۔ (۴) عارضی اور قائم مقام ۱۳۔ اسامیوں میں ایک مسلمان ہیں۔

(۵) شعبہ نسواں ۱۲۔ اسامیوں میں ایک مسلمان ہیں۔ (۶) مڈیکل اسکول ناگپور کے

۱۳ عہدوں میں ایک مسلمان ہیں۔

(۲۰) پولیس۔ (۱) ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کی ۲۵۔ اسامیوں میں صرف دو

مسلمان ہیں جن میں سے ایک ریٹائر ہو چکے۔ (۲) اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ

پولیس کی ۲۱۔ اسامیوں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔ (۳) ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی

۲۰۔ اسامیوں میں ۵ مسلمان ہیں۔ (۴) ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی ۱۰ قائم مقام اسامیوں

میں ۵ مسلمان ہیں۔

(۲۱) پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ۔ (۱) اعلیٰ عہدوں کی سترہ اسامیوں میں

دو مسلمان ہیں۔ (۲) انجینئرنگ سروس کی ۳۳۔ اسامیوں میں ایک مسلمان ہیں۔

(۳) بقیہ ۸۔ افسروں میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

(۲۲) وٹیرنی۔ اعلیٰ عہدوں کی ۹۔ اسامیوں میں ایک مسلمان نہیں۔

۳۳۴ ما تحت ملازمتیں

SUBORDINATE SERVICES.

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ماتحت ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد اتنی کم نہیں تھی کہ اعلیٰ ملازمتوں میں ہے۔ ۱۹۳۷ء میں ان ملازمتوں کے اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:-
(۱) ایکڑ کیٹھو (انتظامی):-

کل ملازمین ————— مسلمان

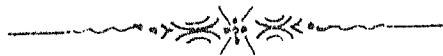
۱۴۱ ————— ۱۴۲۰

(۲) منسٹریل (دفتری):-

کل ملازمین ————— مسلمان

۴۰۳۲ ————— ۵۷۶

لیکن اگر انکی تفصیل کا مطالعہ کیا جائیگا تو یہ معلوم ہو جائیگا کہ ان میں ذمہ داری کی جگہ پر مشل ہیڈ کلرک - سپرنٹنڈنٹ دفتر - ناظر وغیرہ کی جگہوں پر مسلمان خال خالی نظر آئینگے۔ چھوٹی تنخواہوں کی جگہوں پر نسبتاً بڑی تنخواہوں کے مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آئیگی۔ تعداد کے تناسب اور تنخواہ کے تناسب میں بہت بڑا فرق نظر آئیگا۔



جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

اُن کی کہانی خود اُن کی زبانی

کانگریسی حضرات باختیار ہوتے ہی کچھ اس طرح کھل کھیلے اور آپے سے باہر ہو گئے کہ غیر تو غیر اپنے بھی پیچ آٹھے۔ کٹر سے کٹر کانگریسی نے بھی اگر اسکی جرأت کی کہ باختیار ٹولی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لے یا کسی غلط ردی پر ٹوک دے تو پھر اُسکی شامت آگئی۔ مسٹر نریمان مشرپوس اور ڈاکٹر کھرے جیسی ممتاز ہستیوں کے ساتھ صرف اس خطا پر کہ انہوں نے گاندھی۔ اچار یہ پٹیل پرستش نالوث مقدس کے جوازیوں کی آنکھ بند کر کے تقلید کرنے سے انکار کیوں کیا جو شرمناک سلوک برتا گیا وہ کانگریسی ذہنیت اور گاندھی صداقت پرستی کا نمایاں مرقع ہے۔ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں نے کانگریسی حکومت کے جبر و تعدی کے خلاف جو آواز اٹھائی اُسے ممکن ہے ایک فریق متعلق کی آواز قرار دیکر بہت احتیاط کے ساتھ قابل قبول سمجھا جائے۔ لیکن اگر ایسے لوگ بھی جنہیں ہندو ہونے کے ساتھ ساتھ کانگریس سے ہر طرح کی قربت حاصل رہی کانگریسی سقہ شاہی کے متعلق اُسی رائے کا اظہار کریں جو مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کا کہنا ہے تو پھر صحیح نتیجہ پر پہنچنا بالکل آسان ہو جاتا ہے۔ اور اسکے بعد کانگریسی حضرات کے مقاصد۔ اعمال۔ ذہنیت اور کردار کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ ذیل کی سطور کے مطالعہ سے آپ کو اپنوں کی زبانی کانگریسی رنوا اس کا حال معلوم ہو گا۔ دیکھئے یہ گھر کے بھیدی کیا کہتے ہیں۔

ڈاکٹر نرائین بھاسکر کھری۔ ایم۔ ڈی۔ سابق کانگریسی وزیر اعظم سی۔ پی۔ وبار

دسمبر ۱۹۳۹ء میں آنر بیل مولوی فضل الحق وزیر اعظم بنگال نے کانگریسی وزراء کی اقلیت دشمنی

کی ایک مجلسی فہرست بطور بیان شائع کی تھی۔ اسپر اس وقت کے سی۔ پی۔ کے وزیر اعظم پنڈت رومی تنکر

نٹکاس نے مولوی فضل الحق صاحب کا جواب دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ”مولوی فضل الحق نے کانگریسی

وزراء کے خلاف جو فرد جرم شائع کی ہے کم از کم جہاں تک میرے صوبہ (سی۔ پی۔ وبار) کا تعلق ہے

الزامات کو ”جھوٹ کا ہمالیہ“ سے تعبیر کرنا موزوں ہو گا۔ مسٹر شکلا کے اس بیان کا جواب ڈاکٹر کھرے سابق وزیر اعظم سی۔ پی و ہار نے دیا جو ”ہتواد“۔ ناگپور مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

ڈاکٹر کھرے کہتے ہیں :-

”مجھے پنڈت شکلا کا وہ بیان جو جیلپور سے ایسوسی ایٹڈ پریس کے ذریعہ اشاعت پذیر ہوا ہوا اور جس میں مسٹر فضل الحق وزیر اعظم بنگال کے فرد الزامات کو جھوٹ کا ہمالہ کہا گیا ہے دیکھ کر تعجب ہوا۔ اگر پنڈت شکلا کا یہ بیان نہ شائع ہوا ہوتا تو میں اس معاملہ کا تذکرہ پریس کے ذریعہ نہ کرتا۔ اس کے علاوہ یہ مناسب بھی نہیں ہو گا کہ اگر اس موقع پر میں واقعات کو جس طرح کہ مجھے معلوم ہیں بلیک کے سامنے نہ لے آؤں۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے اور اب پھر کہتا ہوں کہ وزارت قبول کرنے کے پندرہ روز کے اندر ہی میرے اس وقت کے رفیق کار مسٹر ڈی۔ پی مصرانے مجھ سے درخواست کی کہ مسٹر نیاز احمد خان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا جو اس وقت جیلپور میں تعینات تھے تبادلہ کر دیا جائے۔ بلا کسی ظاہری سبب کے مسٹر مصرانے اس درخواست کا صرف ایک ہی سبب میں سمجھ سکا وہ یہ تھا کہ مسٹر نیاز احمد خان نے مشہور مقدمہ حسینہ کے اغوا کی تفتیش کی تھی۔ یہ مسلمان افسر کو ایذا پہونچانے کی مثال نمبر ایک ہے۔ میرے بعض ہانگوشی رفیق یہ چاہتے تھے کہ میں مسٹر انعام الرحیم۔ آئی۔ سی۔ ایس کو جو اس وقت بعیدہ ڈپٹی کمنشنریٹ محل میں تعینات تھے اور جو اس صوبہ میں واحد مسلم آئی سی۔ ایس افسر تھے مستقل نہ کروں۔ یہ مسلمان افسر کو ایذا پہونچانے کی دوسری مثال ہے۔ اگرچہ میں نے اپنا رفقائے کار کے ان ارشادات کی تعمیل نہیں کی کیونکہ میں سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کا خواہشمند تھا۔ ایک اور مثال مسٹر شریف کا مشہور معاملہ ہے۔ اس معاملہ میں مسٹر شریف سے جو اس وقت وزیر تھے بعض قیدیوں کو جنہیں چند مسلمان بھی تھے سید سے پہلے رہا کر دینے پر سخت باز پرس کی گئی

۱۵ ایک نابالغ مسلمان لڑکی سماء حسینہ کے اغوا کے سلسلہ میں مسٹر مصرانے ڈرائیور کے خلاف پولیس کو کافی ثبوت مل چکا تھا۔ اس رپورٹ کے ابتدائی صفحات اور ضمیمہ میں ڈرائیور کی نقل اور اس کا ترجمہ ملاحظہ کیا جائے۔ (مرتب)

حقی۔ شریف صاحب کے معافی مانگنے پر کانگریس اسمبلی پارٹی نے اپنے ایک جلسہ میں مسٹر شریف کی اس حرکت سے درگزر کر دیا تھا لیکن ہائی کمان اور کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اسمبلی پارٹی کی تجویز کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک ٹریبونل مقرر کر دیا کہ یہ شریف کے معاملہ کی تحقیقات کرے اور انجام کار شریف صاحب کو نکال باہر کیا۔ ایک بالکل اسی قسم کے معاملہ میں جسکا تعلق مسٹر مہرا سے تھا اسمبلی پارٹی کے بارہ یا پندرہ ممبروں نے مسٹر مہرا کے خلاف تحریری شکایت کی لیکن ہائی کمان نے مسٹر مہرا کے حق میں ایک طرف فیصلہ دیدیا اور شکایت کرنے والوں سے کوئی جواب طلب کئے بغیر ان سے کہا گیا کہ وہ مسٹر مہرا سے معافی مانگیں۔ اپنی ان حرکتوں سے کانگریس ورکنگ کمیٹی اور ہائی کمان نے مسلمانوں کو اسکا موقع دیا کہ وہ ایک ہی قسم کے دو واقعات میں امتیازی سلوک پر معترض ہوں کیونکہ مسٹر شریف مسلمان ہیں اور مسٹر مہرا ہندو۔ اس کے علاوہ مشہور بان والا واقعہ بھی برصغیر میں وزیر قانون نے ایک مسلمان کے ہندو قاتل کو رہا کر دیا۔ لیکن ہائی کمان نے اس واقعہ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی حالانکہ مسٹر شریف کے معاملہ میں بہت شور مچا دیا گیا۔ اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر اس معاملہ میں بھی مسلمانوں نے ہائی کمان پر جانب داری کا الزام لگایا کیونکہ جس وزیر نے یہ حرکت کی وہ ہندو ہے۔

شکا وزارت نے اکثر دوسرے فرقوں نے مفاد کو قربان کیا ہے۔ مسٹر شکلا نے معافی میں گورنر سے امداد طلب کی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بات غیر متعلق ہے کیونکہ گورنر کو اندرونی کارروائیوں کی خبر نہیں ہوتی۔ میں سہ کیٹی یا کمیشن کے سامنے اس سلسلہ میں جو کچھ جاننا ہوں بیان کرنے کے لئے تیار ہوں۔

میں یہاں پر یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ پنڈت جواہر لال نہرو جو کانگریسی وزراء کے خلاف عائد کردہ الزامات کی تحقیقات کے لئے مسٹر فضل الحق کے ساتھ دورہ کرنے کے لئے بیتاب نظر آتے ہیں وہ صرف ناگیور اکران الزامات کی تحقیقات کر لیں سو میں نے عائد کئے ہیں۔ اس میں فائدہ زیادہ ہوگا اور ضرر کم ہوگا۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ یہ معلوم کر کے کسی پی وزارت سے کیا کچھ بھی حیران رہ جائیں گے۔

۱۔ اس قانون کے عنوان کے تحت ہونٹنگ آبار کے واقعات کے سلسلہ میں اور رپورٹ کے ابتدائی صفحات میں مسٹر مہرا کے تذکرے میں یہ واقعہ مفصل درج ہے۔ مرتب۔

ڈاکٹر کے اس بیان کا کوئی جواب کانگریسی زعمائے زمین پڑا۔

مسٹر جی۔ ایس۔ پاگلے۔ ممبئی اسمبلی صوبہ متوسط و برار

(اسٹر پاگلے ذات کے لحاظ سے ہمارا شہر برہمن ہیں۔ لیکن اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں چھوٹے متوسط

دربار میں سب سے زیادہ متعصب اور تنگ نظر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن خدا نے بطور استثنا انہیں انصاف پسند طبیعت

اور درود مند دل عطا کیا ہے۔ نیز اپنی بے لاگ حق گوئی کے باعث یہ انہوں کے محبوب اور غیروں کے

عزیز ہیں۔ ۸ نومبر ۱۹۳۹ء کو سی۔ پی اسمبلی میں جنگ کے متعلق تجویز پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر موصوف

نے اس صوبہ کی کانگریسی وزارت کے سیاہ کار نامے ایک ایک کر کے گنائے۔ اس مدلل اور طویل

تقریر کا مختصر اقتباس درج ذیل ہے۔)

مسٹر پاگلے نے مزدوروں۔ کسانوں۔ باقندوں اور بیڑی کے کام کرنے والوں کے ساتھ سی۔ پی

کی کانگریسی وزارت کے ناروا سلوک کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کرنے کے بعد کہا کہ:-

دو کانگریسی حکومت نے پریس کی آزادی بالکل سلب کر لی ہے۔ کانگریس گذشتہ حکومتوں کے خلاف

پریس پرمختیوں کے سلسلہ میں بہت شور مچا کر تھی لیکن خود اس نے پریس پر تشدد کے سلسلہ میں تمام

گذشتہ حکومتوں کو مات کر کے رکھ دیا ہے۔ جہاں کہیں کسی اخبار نے کانگریسی حکومت پر نکتہ چینی کی

اسکا گلا گھونٹ ڈالا گیا چاہے وہ نکتہ چینی درست ہی کیوں نہ ہو۔ نہ صرف اردو اخبارات کانگریسی تیرتھ کا

نشانہ بنے بلکہ سروٹ آف انڈیا سوسائٹی کا اخبار "ہندو" بھی کانگریس کے غصہ کی آگ سے جلیق سکا۔

اسکے بعد مسٹر پاگلے نے فرداً فرداً ان لوگوں کے نام گناہے ہیں جنہیں مسلمان۔ عیسائی یا متصرفین

کانگریس ہونے کا خیال نہ کانگریسی وزارت کے ہاتھوں جھگڑنا پڑا ہے۔ اس فہرست کو پیش کرنے کے بعد

مسٹر پاگلے کہتے ہیں:-

"اسلئے میں کہتا ہوں کہ اس کانگریس راج میں مسلمانوں۔ سہیحمنوں۔ عیسائیوں اور غیر کانگریسوں

کے لئے امن کی جگہ نہیں۔"

مسٹر سرو باش چندر بوس سابق صدر کانگریس۔

مسٹر بوس جو دومرتبہ متواتر کانگریس کے صدر منتخب ہو چکے ہیں کانگریسی ہائی کمان کے طرز عمل سے نالاں ہو کر ہارجولائی سٹائلڈ کو ایک طویل بیان احمد آباد سے اخبارات کو دیا۔ اسکے مندرجہ ذیل دو اقتباسات قابل غور ہیں۔ مسٹر بوس کہتے ہیں :-

”کانگریس کے بالائی حلقوں میں آجکل عدم رواداری کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ اُنکے کسی طرز عمل کی خفیف سی نکتہ چینی بھی اُنہیں آگ بگولا بنا دیتی ہے اور پروپیگنڈا کی تمام شنیریں جو اُنکے قبضہ میں ہو حرکت میں آ جاتی ہے۔“

اسی بیان میں ایک جگہ مسٹر بوس فرماتے ہیں :-

”مجھ پر بعض لیڈروں نے بڑی سخت نکتہ چینی اس امر کے متعلق کی ہے کہ میں نے ان اقلیتوں کی تحفا میں جن پر پڑی ہیں نشہ بندی کا پروگرام اثر انداز ہوتا ہے چند الفاظ کہے ہیں۔ کانگریسیوں کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا بہت ہی عجیب ہے۔ اب تک میں یہی یقین رکھتا تھا کہ بہ حیثیت کانگریسی ہونے کے ہلوگوں پر اقلیتوں کے متعلق خاص فرائض عائد ہوتے ہیں۔ آج مجھ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ نقطہ نظر غلط ہے اور ہلوگوں کو اقلیتوں کی پروانہ کرنی چاہیے اگر اکثریت والی قوم ہمارے ساتھ ہے۔ یہ ایک ایسا نقطہ نظر ہے کہ غالباً میں اسے قبول نہیں کر سکتا۔“

جب کانگریس کے طرز عمل پر اعتراض کرنے کی سزا اور کانگریسی ہائی کمان کے جذبہ نظام سے مسٹر بوس جیسی ممتاز شخصیت بے بیج سکی تو دوسروں کا کیا ٹھکانا۔ بہر حال جتنے واضح الفاظ میں اور ثبوت کے ساتھ مندرجہ بالا تینوں اصحاب نے کانگریسی ذہنیت کو بے نقاب کیا ہے اُنکے بعد کسی غیر کے لئے پردہ دہری کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ضمیمہ چہارم

ہنڈت دوا کا پرستار میراجن کا کچّا چٹھا پولیس کے خفیہ کاغذات کی روشنی میں درج ذیل ہو۔ کان پور کے رہنے والے ہیں، نہ صرف گریجویٹ بلکہ وکیل بھی ہیں، آپ نے جیلوں کے مشہور مال دار سیٹھ اور کانگریس کے سرگرم کارکن مسٹر گوندہ داس ایم۔ ایل۔ اے کے سایہ عاطفت میں کانگریس کی تحریکات میں حصہ لینا شروع کیا اور غالباً اپنے انھیں کاموں کی بنا پر جن کا کچھ حال پولیس کے مندرجہ ذیل خفیہ روزنامہ سے چلتا ہو، دن و دنی رات بوجھ گئی ترقی کرنی شروع کی، یہاں تک کہ جیل پولیس کیٹی کے پریسیڈنٹ اور کانگریسی عہدہ حکومت میں لوکل سلف گورنمنٹ کی وزارت پر فائز ہوئے۔ پولیس ٹراری میں آپ کے جس کا رخصت کا اشارہ پایا جاتا ہو اس کی مختصر روداد یہ ہو :-

جون ۱۹۳۷ء میں ہنڈت ڈی۔ پی مہرا کے ڈرائیور نے ایک نابالغ مسلمان لڑکی مسماۃ حسینہ کا اس کی ماں کی عدم موجودگی میں یہ جبراً نکالا۔ نانا نیٹو (ڈرائیور) نے اس لڑکی کو سیٹھ گوندہ داس ایم۔ ایل۔ اے کے باغ اور ہنڈت ڈی۔ پی مہرا کی قیام گاہ موسومہ گوال باغ کے ایک کمرہ میں رکھا، جہاں اس نے اور ہنڈت ڈی۔ پی مہرا نے لڑکی کے خلاف مزاحمت کی عصمت دری کی، ایڈ کی آبریزی کرنے کے بعد اسے جیلوں میں مختلف مقامات پر رکھا گیا اور آخر میں یہ طے کیا گیا کہ اسے آدرش چیر الائیٹھ گوندہ داس کی فلم کمپنی کے دفتر بھیج دیا جائے۔ اس غرض کے لئے ہنڈت ڈی۔ پی مہرا نے ہر دیوسنگہ نامی ایک شخص کو ساٹھ روپے بھی بھیجے تھے۔ یہ ہر دیوسنگہ وہی شخص ہو جس کے گھر سے لڑکی برآمد کی گئی، پولیس کے تماشائی لینے پر ہر دیوسنگہ کی حبیب سے پچاس روپے کے قریب تھے مسماۃ حسینہ نے اپنے بیان میں گوال باغ کے اس کمرہ کو پہچانا جہاں وہ کبھی گئی تھی، اسی طرح اس نے مجسٹریٹ کے سامنے ان اشخاص کو بھی شناخت کیا جن کے گھر

میں اُسے رکھا گیا تھا۔

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پنڈت ڈی۔ پی۔ مہرا اور اُن کے گروگوں نے ایک مرتبہ جبکہ مسماۃ حسینہ ایک شخص سے۔ آرمائیڈ کے گھر میں کھئی گئی تھی جبلیڈ کے مشہور مہاسبہائی لیڈر مسٹر دیبی پرشاد سری داسنوا کے ذریعہ ڈاکٹر مس قاضی سے اُس کی بغوت کا جھوٹا ٹریفکٹ حاصل کرنے کی کوشش کی جب ڈاکٹر مس قاضی سے کام چلتا نظر نہ آیا تو جبلیڈ کے ایک مشہور کانگریسی کارکن مسٹر لچھن سنگھ چوپان کی وساطت سے ایک کانگریسی ڈاکٹر جارج۔ ڈی۔ سلوا سے اُس کا ڈاکٹری معائنہ کرایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا جو ڈاکٹر مس قاضی کی تھی، یعنی لڑکی چودہ برس تک کی ہو اور اُس کی عمر بر حال سولہ سال سے کم ہے۔ بعد میں جب پولیس نے اُس کا ڈاکٹری معائنہ کرایا تو سولہ

سرخن اور ایک دوسری لیڈی ڈاکٹر نے بھی مذکورہ بالا رائے سے اتفاق کیا۔

پولیس اس مقدمہ کی تفتیش کر رہی تھی کہ جولائی ۱۹۴۷ء میں صوبہ سندھ سٹو براہ میں کانگریسی وزارت قائم ہو گئی۔ مسٹر ڈی۔ پی۔ مہرا بھی وزیر بن گئے وہی مہرا جی ”نیاں بھئے کو تو ال دے کا ہو کا“ فوراً پولیس کو تفتیش بند کرنے کا نادری حکم ملا۔ اور کاغذات داخل دفتر کردئے گئے۔ لیکن پاپ کا گھر اچھوٹ کر ہی رہا۔ چند لوگوں کی شکایتوں سے پولیس کی خفیہ ڈاکٹری طشت از بام ہوئی اس کتاب میں بعض اکریری ڈاکٹری کا عکس اور اس کا اردو ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

۳۴۳

سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جنرل کے خفیہ انگریزی روزنامہ کا اردو ترجمہ
یا پنڈت دوار کا پرشاد مہاراجن کا انگریزی وزیر سی۔ پی کا سیاہ اعلیٰ نامہ

خفیہ - ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبل پور

متعلق الزام نمبر ۳۱۳ دفعہ ۳۶۶ تقریرات ہند سال ۱۹۳۷ء

بنام نانانا ٹیڈ داور ڈی۔ پی مہاراجن

ہیڈ کانسٹیبل عتیلا لال سیونی سے واپس آیا۔ اور منظر ہوا کہ اسے معلوم ہوا کہ دس دن پہلے
نانانا ٹیڈ داور لڑکی مساتہ حسینہ سیونی گئے تھے اور دو دن رہ کر وہاں سے چلے گئے۔ نانانا نے اس لڑکی
کو اپنے چچے بھائی کے یہاں رکھا تھا لیکن دو دن کے بعد اسے لے گیا۔

ہیڈ کانسٹیبل عبداللطیف بھوپال سے واپس آیا۔ لڑکی کی پیدائش کے اندراجات متعلق
کچھ پتہ نہیں چلا۔ اس سلسلہ میں کوشتشیں کی جا رہی ہیں۔

نانانا ٹیڈ کا باوجود تلاش کچھ پتہ نہیں چلا یہ معلوم ہوا کہ ڈی۔ پی مہاراجن کے ایک بھائی کا پٹو
میں ہیں اور یہ اطلاع ملی ہے کہ لڑکی کا پٹو بھیج دی گئی ہے اور نانانا بھی وہی چلا گیا ہے۔ پولیس کا پتہ نہ ہو
بغرض کاروائی مناسب اطلاع دی گئی ہے ایک شخص اسمی نام مہاراجن سے معلوم ہوا کہ اس نے کل دوپہر کے
قریب نانانا کو ایک ہرے رنگ کی موٹر کار میں سپرنٹنڈنٹ کے دفتر کی طرف جانے دیکھا ہے اور وہ جھاڑوں
کی طرف سے آ رہا تھا۔ اس کی جانچ اور تصدیق کی جا رہی ہے۔ لڑکی کی ماں سے معلوم ہوا کہ یہ شہرت
ہو کہ لڑکی کو آریہ لوگ ہندو کر لیں گے اور نانانا ٹیڈ سے شادی کر کے چل پور لائیں گے۔ اور عدالت میں
پیش کریں گے۔ اس وقت تک اس افواہ کی تصدیق نہیں ہو سکی، ہیڈ کانسٹیبل کو منہ داس اور ڈی

پی۔ مہاراجن اس معاملہ میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نانانا ٹیڈ انھیں دونوں
کے مشورہ سے چھپا ہوا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نانانا ایک دوسرے نانانا کے یہاں جو سپرنٹنڈنٹ کا
ملازم ہوا ڈی۔ پی مہاراجن کی تحریک پر ٹھہرا رہا ہے، لیکن اس کے پتہ لگانے میں کامیابی نہیں ہو سکی۔

کچھ لوگ جن کے ساتھ نانا بھی تھا، مسٹر وٹ بیرسٹر کے یہاں بیٹھ رہے اپنے کے لئے کہ لڑکی عدالت میں پیش کی جائے یا نہیں کئے تھے۔ مگر اس واقعہ کی پوری تصدیق نہیں ہوئی۔ لڑکی اور نانا کے پتہ رسی کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔

دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس

مورخہ ۲۴/۵

نفل بخدمت جناب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب بہادر

خفیہ - ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جیلپور

الزام نمبر ۳۱۳ دفعہ ۳۶۶ تعزیرات ہند بنام نانا نائیڈ وادر ڈی پی مہاراجا
تفتیش مقدمہ ہذا جاری ہے اس وقت تک نانا نائیڈ وادر لڑکی مسماۃ حسینہ کا کچھ پتہ نہیں چل سکا
اس اطلاع پر کہ نانا اور مسماۃ حسینہ کانپور میں ہیں، ہیڈ کانسٹبل مہا بیرج کا پور سے واقف ہے، کانپور
بھیجا گیا۔ اس سلسلہ میں ۲۴ مئی ۱۹۳۷ء کو ایک تحریریںٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کانپور کے پاس بھیجی
جا چکی ہے، کیونکہ راجیشور پر شاہ مہاراجا وادر ڈی۔ پی مہاراجا محلہ پنڈیشوی دیوی کانپور میں رہتی ہیں
لیکن اس کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

لڑکی کی ماں نے ایک درخواست دی ہے کہ چونکہ اس معاملہ میں بڑے آدمیوں کا ہاتھ بہت
مکمل ہے کہ لڑکی جان سے مار دی گئی ہو۔ اس پر بھی نگاہ رکھی جائے گی۔ اُس نے یہ بھی بتایا ہے کہ
تانتیا نائیڈ وادر ایک شخص سہمی میا اُس کے پاس آئے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ وہ حسینہ کے
ساتھ نائیڈ وادر کو شادی کرنے کی تحریری اجازت دے دے۔ یہ تانتیا نانا کا بھائی ہے اور جی سی
فیکٹری میں ملازم ہے، تانتیا اس بات سے منکر ہے مگر اتنا تسلیم کرتا ہے کہ وہ اُس کے مکان پر یہ
دریافت کرنے کے لئے کہ اُس کے بھائی کے خلاف کیا شکایتیں ہیں ضرور گیا تھا۔ وہ یہ بھی کہتا
ہے کہ اُس کے تعلقات اُس کے بھائی کے ساتھ اچھے نہیں ہیں۔

اس مقدمہ کے سلسلہ میں بہت سی فہمائیں ہیں، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ڈی۔ پی۔

مصر اور سیٹھ کو دند واس اس امر کے کو شان ہیں کہ بھانگے والوں کا پولیس کو کچھ پتہ نہ چلے اور
انتہائی کوشش کر رہی ہیں کہ نانا کے جائے قیام کا پتہ نہ چل سکے۔

سورخہ ۸ ۶/۳
دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جیلپور

خفیہ - رپورٹ یہ سلسلہ تفتیش مقدمہ الزام نمبر ۳۱۳ دفعہ ۳۶۶ قعر برات ہند

بنام نانا ٹیڈ واور ڈی - پی مصر اعلیٰ زمان

مقدمہ ہذا میں تفتیش جاری رہی اور گذشتہ پندرہ دن میں کئی مرتبہ کئی اطلاعات نانا لڑکے
اور لڑکی حسینہ کے متعلق ملتی رہیں ان پر عمل کیا گیا۔ مگر کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔

ہیڈ کانسٹیبل سندھ لال نے اطلاع دی کہ ایک نوجوان ہندو لڑکی جو ساڑھی پہنے ہوئے ہندوانہ
لباس میں ہر دو دویم کا عرصہ ہوا محلہ بھانگیا میں آئی تھی، بمبئی لے جانی جا رہی ہے وہ ہر دو سنگہ
بیاس کے مکان پر ہے۔ محلہ کی عورتوں کے ذریعہ سے یہ مشکل تمام اس لڑکی کا حلیہ معلوم کیا گیا تو
اُس کا حلیہ گم شدہ لڑکی حسینہ سے ملتا ہے۔ اس مکان پر دوش کی گئی۔ ادلا ہر دو سنگہ نے بتایا کہ
اُس کے مکان میں کوئی لڑکی موجود نہیں ہے، لیکن جب اُس سے کہا گیا کہ لڑکی ضرور موجود ہے
اور اُس مکان کا دروازہ توڑ دیا جائے گا تو اُس نے تسلیم کیا کہ لڑکی ہے، چنانچہ ایک لڑکی

دستیاب ہوئی، جس کو حسینہ کی ماں نے اپنی بیٹی حسینہ شناخت کیا۔ پہلے ہر دو سنگہ نے یہ بیان
کیا کہ اُسے یہ لڑکی بھیک مانگتی ہوئی ملی تھی، لہذا وہ اپنی حفاظت میں اُسے لے آیا۔ لڑکی کے چہرے
لباس وغیرہ کو دیکھتے ہوئے یہ صریح جھوٹ ہے وہ گرفتار کیا گیا، اور جلد راست کوئی پیرا آئے۔ اس
نے تسلیم کیا کہ اس لڑکی کو اُس کا بھانجا جو مانا کا دوست ہو لایا تھا اور وہ اُس کو بمبئی لے جا رہا
تھا۔ ہر دو سنگہ کی مکان کی تلاشی پر بستر اور صندوق سفر کے لئے بندھے پائے گئے۔ ان کے
کھوٹے پر لڑکی کے کپڑے ہر دو سنگہ کے کپڑوں کے ساتھ تھے۔ ایک پرچہ بھی ملا جو تپا سنگہ ہندو
کے بھانجے کا لکھا ہوا ہے۔ یہی پر تپا سنگہ لڑکی کو لایا تھا، اس پرچہ میں بنرجی اور شچترالائیکہ لکھا ہے

بھئی کا پتہ لکھا ہوا ہے، جہاں لڑکی لے جانی جا رہی تھی۔

یہ پرچہ ہر دیو سنگھ کے کوٹ کی جیب سے برآمد ہوا۔ آدرش چٹالا گو دند داس کی فلم کمپنی کا دفتر ہے اور جس کے انتظام میں ڈی۔ پی مصرا کا پورا ہاتھ ہے۔ ہر دیو سنگھ اور پرتاب سنگھ نے بعد میں یہ بھی بتایا کہ نانا بھئی میں مذکورہ بالا پتہ پر موجود ہے۔ پرتاب سنگھ کنڈو ٹینٹ بورڈ جلیپو میں موٹر سپرنٹنڈنٹ ہے اور سور و پیہ ماہوار تنخواہ پاتا ہے۔ یہ گورکھ پور کا رہنے والا ہے۔ اس کے مکان کی تلاشی لی گئی خطوط وغیرہ برآمد نہیں ہوئے۔ پرتاب سنگھ نے یہ ظاہر کیا کہ ڈی۔ پی۔ مہرا نے مبلغ ساٹھ روپیہ اپنے ڈرائیور نرائن کے ذریعہ سے بھیجے تھے کہ ہر دیو سنگھ اس لڑکی کو بھئی لے جاسکے۔ خرچہ کو منہا کر کے پچاس روپیہ کی رقم برآمد ہوئی ہے۔ سب انسپکٹر درمانا کی گرفتاری کے لئے بھئی بھیجے گئے ہیں۔ بزجی جس کا تذکرہ پتہ میں ہے، وہ ڈی۔ پی مصرا کا خاص آدمی ہوا وہ زیادہ تر وہ ان کے ساتھ گوالیار میں رہتا ہے۔ جب پولیس نے نانا کی تلاش گوالیار میں کی تھی تو یہ شخص وہاں ملا تھا۔ لڑکی حسینہ سے ابھی پورے طور سے دریافت حال نہیں کیا جاسکا۔ دستیابی اور اپنی ماں، بہنوں اور چھوٹے بھائی کے ملنے سے وہ ایک بدحواسی کی سی کیفیت میں ہے اور وہ مثالی اور بددوسر کی شکایت کرتی ہے۔ جو کچھ بھی اس نے بیان کیا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ گوالیار میں جبراً ایک کمرہ میں کئی دن تک بند رکھی گئی اور وہاں نانا کے علاوہ ڈی۔ پی مصرا بھی اس سے ملا۔ افسر تفتیش کنندہ کو بھی بوجہ مصروفیت خانہ تلاشی دہلیہ امور ضروری متعلق مقدمہ لڑکی سے مفصل دریافت حال کا موقع نہیں ملا۔

دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جلیپو

مورخہ ۲۱/۴

رپورٹ بہ سلسلہ تفتیش مقدمہ الزام ۳۱۳ دفعہ ۳۴۶ تعزیرات ہند بنام نانا ٹائیڈ و اور

خفیہ

ڈی۔ پی مصرا ملزمان

مقدمہ ہذا کی تفتیش جاری رہی۔ لڑکی حسینہ نے جو بیان دیا ہے اس کا اختصار ہم رشتہ

ارسال ہو اس نے اپنے بیان میں بہت سی باتیں بتائی ہیں، جن کی تصدیق کی جا رہی ہے۔
 وہ سول سرجن اور لیڈی ڈاکٹر کے معائنہ کے لئے پیش کی گئی۔ معائنہ سے اس کی تصدیق
 ہوتی ہے کہ لڑکی کی عمر قریب سولہ سال ہے۔ صبح کے تین کے لئے سول سرجن سے مزید دریافت
 کیا جا رہا ہے اور اس کی عمر کے سٹرنفلٹ کو بھوپال سے واپس آنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔
 سب انسپکٹر دریا بمبئی سے واپس آئے۔ نائیڈو کا نہ کچھ پتہ چلا اور نہ وہ گرفتار کیا جاسکا
 بمبئی پولیس کو ضروری تفصیلات بتادی گئی ہیں۔

۶۹۳۷
 حسینہ کی طبیعت خراب تھی اور اسے بخار تھا، لیکن کل سے وہ بہتر ہو۔ ۲۷ جون ۱۹۳۷ء
 کو مجسٹریٹ کے روبرو دو اشخاص متعلقہ مقدمہ ہذا کی کارروائی شناخت لڑکی سے کرانے کا انتظام
 کیا گیا ہے۔ مہر کی کارروائی شناخت بعد مشورہ کرائی جائے گی، جبکہ ۲۷ تاریخ کو لڑکی تمام مقامات
 متعلقہ کی نشان دہی کر چکے گی۔ ہر دو سنگہ بیاس جس کے گھر سے لڑکی دستیاب ہوئی ہے اور
 پرتاب سنگہ نانانا نائیڈو کے خلاف پورے بیانات دینے کے لئے تیار ہیں۔ ہر دو سنگہ کی بیوی
 ایک عیسائی عورت ہے، جس کو بمبئی سے لانا بتایا جاتا ہے۔ اس کے متعلق بھی تصدیق کی جائے گی
 دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبلپور

نمبر ۲۹

مختصر بیان مسماۃ حسینہ

حسینہ دختر محمد حنیف ساکن محلہ گڑھا پھاٹک جبلپور
 سٹی کوٹوالی جبلپور

جس روز چری تال میں آگ لگی، نانانا نائیڈو قریب ساڑھے سات یا آٹھ بجے رات کو
 میری ماں کی عدم موجودگی میں میرے مکان پر آیا۔ اس سے قبل نانانا نائیڈو تین چار مرتبہ میری مکان
 پر آچکا تھا اور میری ماں سے بات چیت کی تھی، میں نہیں کہہ سکتی کہ کیا بات ہوتی تھی۔ میں نے
 نہیں دیکھا کہ روپیہ یا نوٹ میری ماں کو پیش کئے گئے ہوں کیونکہ میں بہت دہکرتی تھی اور

گھر چھوٹا ہونے کی وجہ سے جب کوئی بیرونی شخص آتا تھا تو میں بادشاہ مسلمان اپنے پڑوسی کے یہاں چلی جاتی تھی۔ جب نائیڈو آتا تھا تب بھی میں ہی کرتی تھی۔ جس دن چری تال میں آگ لگی میری ماں حسب معمول بازار گئی تھی۔ اس وقت سورج ڈوب رہا تھا یا اندھیرا ہو چکا تھا۔ اُس روز جب میری ماں چلی گئی تو نانا نائیڈو آیا اور مجھ سے کہا کہ تیری ماں نے بلایا ہے، جو گھر کے باہر ہے جب نائیڈو آیا تھا تو میں مکان کے اندر کھانا پکانے اور اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ میں مکان سے باہر آگئی۔ جب میں نے پوچھا کہ میری ماں کہاں ہے تو اُس نے کہا کہ اور تھوڑی دور چلو۔ کچھ دور کے فاصلہ پر ایک موٹر کار کھڑی تھی، جوں ہی کہ ہم موٹر کار کے قریب پہنچے اُس نے مجھے زبردستی موٹر کار کی پچھلی نشست پر بٹھا دیا۔ نانا ہی کہتا رہا کہ ڈر مت، تمہاری ماں وہاں ہے اور وہ تمہیں بلا رہی ہے۔ میں روئے چلائے گئی۔ اُس نے موٹر کار میں بٹھانا شروع کیا جس سے میری آواز دب گئی۔ ایک آدمی اور بھی موٹر کار کی اگلی نشست پر بٹھا تھا میں اُسے نہیں پہچان سکی کیونکہ اندھیرا ہو گیا تھا اور میں بہت پریشان و خوفزدہ ہو گئی تھی میں سیدھی گوبال باغ لے جانی گئی۔ گوبال باغ میں ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس کی میں نشان دہی کر سکتی ہوں۔ مجھے اس میں لگے۔ اس کمرہ میں ایک کھڑکی پشت کی جانب ہے جس میں لکڑی کے جھگے لگے ہیں اور اُس کے دو ڈنڈے غائب ہیں۔ اس رات نانا نائیڈو نے میرے ساتھ کئی بار حرام کاری کی۔ جب وہ باہر جاتا تھا تو سامنے واسے دروازہ کا ٹالا بند کر دیتا تھا۔ میں نے ہر چند کوشش کی اور نائیڈو کی خوشامد کی کہ مجھے چھوڑ دیا جائے مگر وہ نہیں مانا یہ پانچ چھ دن تک ہوتا رہا۔ نانا کھانا لاتا رہا۔ جب مجھے قضا و حاجت کی ضرورت ہوتی تو نانا چار پانی پر ایک کرسی رکھ دیتا اور مجھے کھڑکی کے ڈنڈے پر بٹھے ڈنڈوں کے خلا سے باہر کر دیتا تھا، جہاں کئی خالی اور دیران مکانات اور ان کی دیواریں ہیں۔ میں دباں ضرورت سے فراغت پالیتی تھی۔ ان ایام میں نائیڈو مجھ سے کہتا رہتا تھا کہ مجھے مصراحی (دوسی۔ پی مہرا) کے مکان میں رہنا ہو گا جہاں عیش و آرام سے زندگی کئے گی۔ مصراحی بڑے آدمی ہیں وہ ایک

روز کے بعد ایک رات کو مہراجی میرے کمرہ میں آئے اور انھوں نے مجھ سے اپنے گھر چلنے کو کہا اور مجھ سے اس قسم کی باتیں کہیں جو مجھے ناپسند تھیں۔ میں نے اُن کے ساتھ جاسنے اور جماعت کرنے سے انکار کر دیا لیکن اُسی رات انھوں نے مجھ سے بد فعلی کی مہراجی کے اس واقعہ کے بعد میں نے نائیڈوسے کہا کہ میں خواہ کچھ بھی ہو مہراجی کے ساتھ گود پال باغ میں نہیں رہوں گی۔ میں دن بھر روتی رہی۔ میں گود پال باغ میں ایک ہفتہ کے قریب رہی ان مقامات کی نشان دہی کر سکتی ہوں، اس کے بعد میں کیدار ناتھ کے مکان پر لے جاتی گئی جہاں قریب پندرہ دن تک رہی۔ کیدار ناتھ پیچھے ہیں۔ نانا وہاں روز آتا تھا۔ وہاں سے ایک دن کے لیے مجھے سینٹری انسپکٹر کے مکان پر لے گئے اور پھر گود پال پر تباہ سنگہ کے یہاں لے گئے۔ میں تباہ سنگہ کے ساتھ دنوں دن تک رہی اور پھر وہاں سے ہرنو سنگہ کے مکان پر لائی گئی، جہاں وہ دستیاب ہوئی ہے۔

خفیہ: رپورٹ سلسلہ تفتیش الزام عائد دفعہ ۳۶۶ تعزیرات ہند

بنام نانا نائیڈو اور ڈی۔ بی۔ مہرا ملزمان

تفتیش مقدمہ ہذا جاری رہی لڑکی حبیبہ نے مجسٹریٹ کے روبرو سہی۔ آر۔ نائیڈو سینٹری انسپکٹر کو شناخت کر کے بتایا کہ وہ جن لوگوں کے گھر میں رکھی گئی تھی ان میں سے یہ ایک ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر جارج ڈی۔ سلوانے اُس کا معائنہ اسی رہی۔ آر۔ نائیڈو سینٹری انسپکٹر کے مکان پر کیا اور یہی اُس کو لے کر لیڈی ڈاکٹر مس زڈیاچ تاضی کے مکان پر معائنہ کے لئے لے گیا تھا۔ لڑکی نے جبکہ وہ معائنہ کے لئے اسپتال بھیجی گئی، مس تاضی کو بھی پہچانا۔

سی۔ آر۔ نائیڈو نے تسلیم کیا کہ نانا نائیڈو اس لڑکی کو اُس کے مکان پر لایا تھا پہلی مرتبہ وہی پرشاد سری واستوا بیرسٹر نانا نائیڈو کے ہمراہ اُس کے مکان پر آیا

ٹھا اور انھوں نے کہا تھا کہ اس لڑکی کا ڈاکٹری معائنہ لیڈی ڈاکٹر سے کرایا جائے تب
 وہ اس لڑکی کو مس قاضی کے پاس لے گئے۔ انھوں نے لڑکی کا معائنہ کر کے اپنی
 رائے دی کہ وہ سولہ برس سے کم قریب چودہ برس کی ہو۔ لہذا انھوں نے کوئی سرٹیفکیٹ
 نہیں دیا۔ دوسرے دن لچھمن سنگھ جو ہان ڈاکٹر جارج ڈی سلوا کو نے کر میرے مکان
 پر آئے اور لڑکی کا معائنہ کرایا گیا۔ ڈاکٹر جارج ڈی سلوا کی رائے میں بھی لڑکی نابالغ پائی
 گئی اور اس کی عمر یقیناً سولہ سے کم تھی لہذا ان سے بھی سرٹیفکیٹ نہ حاصل کیا گیا۔
 ڈاکٹر جارج ڈی سلوا سے بھی دریافت کیا گیا۔ کچھ پس و پیش کے بعد انہوں نے کہا
 کہ گو وہ پولیس کو مدد دینے کے لئے قانوناً مجبور ہیں۔ مگر ایسے معاملات میں انھیں بیان
 دیتے ہوئے شرم آتی ہے کیوں کہ ایسے معاملہ میں بدنامی ہوتی ہے انہوں نے بیان کیا
 کہ اسمبلی کی نامزدگی کے دوسرے دن وہ لچھمن سنگھ جو ہان کے یہاں کا غذات وغیرہ دینے
 گئے تھے۔ لچھمن سنگھ نے ان سے ایک لڑکی کی عمر کی تشخیص کرنے کے لئے اس کے ڈاکٹری
 معائنہ کے لئے کہا۔ چنانچہ وہ لچھمن سنگھ جو ہان کے ساتھ سی۔ آہ۔ نائیکڈ وانسپیکٹر کے مکان
 پر گئے اور وہاں ایک مسلمان لڑکی کا معائنہ کیا جو نابالغ تھی کیونکہ اس کے بغل اور شرنگار
 پر بال نہ تھے اور دیگر علامات بھی ایسی تھیں، جن سے وہ لڑکی قریب چودہ سال کی
 معلوم ہوتی تھی۔ لہذا انھوں نے لڑکی کی بلوغت کا سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کر دیا۔
 انھوں نے مزید بیان کیا کہ اگر عدالت ان کو طلب کرے گی تو وہ سچے معاملات کا ظہار
 کریں گے۔

لڑکی نے پرتاب سنگھ کو بھی شناخت کیا۔ پرتاب سنگھ نے پہلے ہی سب باتوں کو
 تسلیم کرتے ہوئے اپنا مفصل بیان دیدیا جو کیدار ناتھ نہیں ملا۔ اس کا مکان منقول ہو
 یہ بھی ان میں سے ایک ہے جس نے لڑکی کو مع ناما کے اپنے گھر رکھا۔ ڈی۔ پی۔ بصر سے
 بھی سوالات کرنے کی کوشش کی گئی۔ جب سب انسپکٹران کے پاس گیا تو انہوں نے

کھلا دیا کہ وہ بہت بیمار ہیں اور چار پانی سے اٹھنے یا باہر نکلنے کے قابل نہیں ہیں بالٹیکٹر کے سوالات سے بچنے کے لئے یہ بیماری بناوٹی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ اس کے بعد تندرست حالت میں گھومتے پھرتے دیکھے گئے ہیں۔ ان سے استفسار حال کیا جائے گا۔

دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبلپور

۶/۲۷

ترجمہ درخواست سد اشپو انگلے مہلوہ روئداد اسمبلی موضع ۲ اپریل ۱۹۳۹ء ص ۱۶۲۷
(سوال جواب حصہ الف سوال ۷)

عرضی دہندہ:- سد اشپو ولد دھندلہ رائے سنگھ۔ سرکل ۵۲۱ گولی بار اسکوا لڑناگیور
عرضی دہندہ مندرجہ بالا بادیب گذارش کرتا ہے:-
(۱) تقریباً پانچ مہینہ پہلے وہ ناگیور میں ہندو مہاسبھا میں کام کر رہا تھا۔ یہ ایک ایسی
جماعت ہے جو بزرگ ایسی ہندو لڑکیوں کو جن کو مسلمان افوا کر کے یا دوسری طرح لاکر رکھ
لیتے ہیں آزاد کرتی ہے۔ چونکہ ہندو مہاسبھا کا کوئی آشرم نہیں ہے لہذا کارکنوں میں سے
بعض شخص ایسی لڑکیوں کو دو تین روز تک اپنے گھر میں رکھنے کے لئے مقرر کر دے گئے تھے
مارچ ۱۹۳۷ء سے مئی ۱۹۳۷ء تک ایسے منتخب آدمیوں کے عرضی دہندہ بھی ان
میں شامل ہے پاس پندرہ لڑکیاں رہیں، ان میں سے ۴ مئی تک صرف تین لڑکیاں
رہیں بقیہ بارہ کے متعلق کچھ نہیں معلوم کیا ہوا۔ نہ تو ان کی شادی کی گئی اور نہ ہی
وہ کسی کے سپرد کی گئیں۔ اس جماعت کا سرغنہ جگناتھ پرشاد درما تھا۔
(۲) لاجپت رائے آشرم اور دہلی کی ایسی دو جماعتوں کے ہندو لیڈر ان لڑکیوں
کو لے جاتے ان کی اصلی ذات کو چھپا کر دوسری ذات ظاہر کر کے۔ ان کی شادیاں
کرتے اور ان کو اچھی خولہ بورت لڑکیاں بتلا کر اخلاق سوز حرکتیں کراتے۔ مندرجہ بالا

جماعتوں کے ناظم اس جرم کے سلسلہ میں اپریل ۱۹۳۳ء میں سزایاب بھی ہوئے۔ اس زمانہ میں مقامی جماعت کے ناظم مسٹر درادو تین مرتبہ دھلی اور لاہور گئے اور اسی زمانہ میں یہ بارہ لڑکیاں غائب ہوئیں جن کا اب تک پتہ نہیں چلا۔ جب عرضی دہندہ کو دہلی واولوں کی سزایابی کا پتہ چلا تو اس نے جگہ نش پرشاد دراسے دریافت کیا کہ انہوں نے ان لڑکیوں کا کیا کیا پس اسی وقت سے سدا شیوا درہند و مہاسہا ناگپور کے دوسرے کارکنوں کے میان تعلقات خراب ہونے شروع ہو گئے۔

(۳) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پندرہ مئی ۱۹۳۴ء کی شب کو مسماۃ درپوپدی عرف چھوٹا کو مہاسہا کے اُن آدمیوں نے دی۔ واگھ اور دراکے ذریعہ سدا شیوا کے مکان سے ٹھاکر اُسی شب کو کسی نامعلوم جگہ پر پہنچا دیا۔ اور سدا شیوا پر زور ڈالا گیا کہ وہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرے لیکن اس نے ان کی ایک نہ سنی اور پولیس میں رپورٹ کر دی اس نے تمام تفصیل کی تحریریں دیں لیکن چونکہ عرضی دہندہ ہند و مہاسہا اور اس کے کارکنوں کے خلاف تھا۔ سرکل انسپکٹر پولیس نے کہا کہ یہ بات ایسی نہیں ہے جو پبلک میں لائی جائے اچھوٹا جبکہ ایک ہندو شکایت پیش کرے۔ اس معاملہ کو دبانے کی غرض سے سدا شیوا پر بارہ مرتبہ حملے کئے گئے اور ایک مرتبہ پانچ چھ آدمیوں نے مل کر اس کو مار مار کر مرتبہ پولیس میں رپورٹ کی گئی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

(۴) بالکل ایسا ہی ایک واقعہ ہندو درانگ کنبی کا ہے۔ اس کی بیوی کو ان مہاسہائی آدمیوں نے اغوا کیا ہے۔ اور پولیس نے اس معاملہ کو بھی دبا دیا۔ اس کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں جن کے ساتھ یہ حرکت کی گئی۔ اور پولیس خاموش رہی :-

۲۔ لمانو کو شٹی سرکل ۱۷

۳۔ مسماۃ کلثوم بی زوجہ محمد موٹر ڈرائیور سرکل ۱۷ وغیرہ
(۵) ۳۰ اگست ۱۹۳۳ء کی شام کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے شب کو مسٹر درادو اس کے

سائیکلوں کے پانچ چھ آدمیوں نے درخواست کنندہ پر حملہ کیا۔ اس کی اطلاع بھی پولیس کو اُسی رات کر دی گئی اور اس ۱۹۳۷ء ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ناگپور کو درخواست بھیجی گئی۔ اس نے ڈاکٹری سٹیفکٹ ڈاکٹر باجورہ اس سے ۳۱ اگست ۱۹۳۷ء کو حاصل کیا۔ درخواست کو تحقیقات کے لئے کوٹوالی شہر کو بھیجا گیا۔ اور یہ جرم دفعہ ۱۲۷ء دہشتہ تعزیرات ہند قابل دست اندازی پولیس سمجھا گیا۔ درخواست کو یہ کہہ کر ڈاکٹر دیا گیا کہ درخواست کنندہ لاپتہ ہو حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ کوٹوالی میں روزانہ چار مرتبہ جاتا رہا لیکن اس سے اس کے متعلق کوئی بات دریافت نہیں کی گئی۔ اس پر نوڈ ڈالا گیا کہ وہ اس معاملہ میں سمجھوتہ کرے۔ ورنہ رپورٹ اس کے خلاف کر دی جائے گی۔ لیکن درخواست کنندہ نے اس کو منظور نہ کیا۔ اور جب پولیس نے اس معاملہ کو اور دوسرے مطلوبوں کی درخواست پر کارروائی کرنے سے انکار کر دیا تو اس کو طرح طرح کی دھمکیاں دی گئیں۔ دو مقدمہ فوجداری صاحب ڈسٹریکٹ جج ناگپور مشرسی۔ ای کلاڈیس کی عدالت میں دائر کئے گئے ہیں :- مقدمہ فوجداری ۶۴/۳۷ زیر دفعہ ۳۹۵ ۳۹۶ الف ۱۳۶۸ در ۳۷۲ تعزیرات ہند - مقدمہ فوجداری ۵۰/۳۷ زیر دفعہ ۳۹۶ و ۳۹۷ الف -

(۷) ان دو درخواستوں سے ہندو مہاسبھا کی سیاہ کاریوں کے بہت سے واقعات ہو گئے اس لئے ہندو مہاسبھا کے ان لوگوں نے جو ان درخواستوں میں شامل نہیں ہیں درخواست کنندہ کے لئے بہت سی مشکلات پیدا کیں پولیس پر تو ان کا قابو چل گیا لیکن عدالت میں کچھ پیش نہ گئی۔ اب ان لوگوں نے درخواست کنندہ پر جھوٹا الزام لگا کر پھانسا چاہا۔ ۸ ستمبر ۱۹۳۷ء کو مسماۃ دھرمین ایک طرف الف کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ درخواست کنندہ اور دیگر لوگوں کے خلاف جھوٹی درخواست دے اس کی تحقیقات مشرچاؤ جی سرکل انسپکٹر پولیس ناگپور نے کی اور جرم ۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو دہم جرم کر دیا

گیا۔ درخواست کنندہ کو سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بلوایا اور چار بجے سرکل انسپکٹر نے گالیاں دیں۔ اور درخواست کنندہ کو یہ دھمکی دی گئی کہ اگر وہ مقدمات فوجداری ۴۲/۳۷ و ۵۰/۳۷ واپس نہیں لے گا تو اس پر الزام لگا کر جیل خانہ میں بھیج دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ سٹی سپرنٹنڈنٹ کے سامنے ہوا اور انہوں نے اس کو بخوبی سنا۔ جرم کے درجہ رجسٹر ہونے سے پہلے درخواست کنندہ ایک درخواست ۱۹۳۷ء کو سارٹھے تین بجے شام کو ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ کی خدمت میں دے چکا تھا۔ اور جب وہ سٹی سپرنٹنڈنٹ کی پیشی سے واپس آیا تو اس نے آرنہیل پریم منسٹری۔ پی۔ انسپکٹر جنرل اور ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس سی پی صاحب ڈپٹی کمشنر اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ناگپور کی خدمت میں درخواستیں روانہ کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس معاملہ میں درخواست کنندہ کا چالان نہیں ہوا اس کا سبب وہی خوب جانتے ہیں جو اس مقدمہ کو درج کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ *

(۷) درخواست کنندہ ہندو مہاسبھا کی سیاہ کاریوں کو طشت ازبام کہہ رہا جس کو وہ اس کو کسی جھوٹے الزام میں ملوث کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کو تین اخبار بھی مدد دی رہے ہیں:- (۱) سادھن۔ ناگپور میں پورا ایک صفحہ جکھیا اور بیتھ (زخم اور تک) کے عنوان سے شائع ہوا ہے تاکہ ہندوؤں کے جذبات اُبھار کر فرقہ وارانہ فساد کی بنیاد ڈالے یہ بھی درخواست کنندہ نے ظاہر کیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ درخواست کنندہ کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنے کی فکر میں ہیں۔ اور اس کو جھوٹا الزام لگا کر جیل میں بھیجنے پر تلے ہوئے ہیں اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ان لوگوں نے جن کے خلاف اس نے پانچ چھ درخواست دی ہیں ایک جھوٹی درخواست، درخواست کنندہ اور دیگر لوگوں کے خلاف دی، سٹی سپرنٹنڈنٹ نے موقعہ پر تحقیقات کئے بغیر فوراً اس پر کارروائی کی اور جن لوگوں کے خلاف درخواست دی گئی تھی ان کو بلائے بغیر اس درخواست کنندہ (سداشیو) کے خلاف فیصلہ کر لیا۔ اس کی اطلاع (موجودہ) درخواست دہندہ کو کوکل سنگہ سب انسپکٹر نے ڈسٹرکٹ کورٹ کے احاطہ میں نومبر ۱۹۳۷ء کو دی

(۸) یکم نومبر ۱۹۳۷ء کو درخواست کنندہ کو شہر کوڈالی میں بلوایا گیا۔ اور مقدمات فوجداری کو واپس لینے کے لئے کہا گیا۔ اس کو بتایا گیا کہ ہندو ہوتے ہوئے وہ مہاسہا کو بدنام کرتا ہے یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس کو اپنی اس حرکت پر شرم آئی چاہیے اس پر یہ بھی الزام لگایا گیا کہ سپہ کچھ مسلم لیگ اور کانگریس کے ابھارنے پر کیا جا رہا ہے۔ اس سے یہ بھی کہا گیا کہ بے وقوف اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ اس معاملہ میں وہ خود کیسی مصیبت میں پھنس جائے گا اور کیا نقصان اٹھائے گا۔ اس وقت نہ تو مسلم لیگ مدد کرے گی اور کانگریس منسٹ اس کو بچائیں گے یہ سب سٹی سپرنٹنڈنٹ اور مسٹر چاوجی نے کہا تھا۔ اس سے کہا گیا کہ معاملہ کو اجمعی طرح سمجھنے سے ورنہ پچھتائے گا۔ یہ واقعہ پانچ چھ مرتبہ ہوا۔ اس سے صاف ظاہر ہو کہ مقامی پولیس ہندو مہاسہا کو پورے طور پر مدد دے رہی ہے۔ یہ بات اور بھی صاف ہو جاتی ہو کہ جگدیش پرشاد دیرا برہمنی کوڈالی میں جاتا رہتا ہے اور اس تنازعہ سے پہلے درخواست کنندہ بھی اس کے ساتھ کئی مرتبہ گیا ہو۔

(۹) درخواست کنندہ ان الزامات کو ثابت کرنے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ تحقیقات سی آئی ڈی کے ایسے افسر سے کرائی جائے جو ہندو ہوا ورنہ سلطان علیا ہو یا انگریز۔

(۱۰) ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء کے بعد جگدیش پرشاد کے بھانجے نے جو ہندو مہاسہا کا سیکرٹری بھی ہو درخواست کنندہ اور دیگر لوگوں کے خلاف سٹی سپرنٹنڈنٹ کی خدمت میں درخواست پیش کی اس سے قبل یہ درخواست کنندہ اس شخص کے خلاف ۷ یا ۸ درخواستیں دے چکا تھا۔ لیکن مقامی پولیس نے اس پر کوئی کارروائی نہیں کی۔ برخلاف اس کے اس کی صرف ایک درخواست پر فوراً کارروائی کر لی اور جو وہ درخواست کنندہ کو بہت پریشان کیا۔ اس سے بالکل صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مقامی پولیس مہاسہائی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔

گزارش

درخواست کنندہ یہ گزارش کرتا ہے کہ ہندو مہاسہا کے خلاف قانون فوجداری

کے ماتحت ایک ایسے سی۔ آئی۔ ڈی۔ آفس کے زیر نگرانی اس معاملہ کی تحقیقات فوراً شروع کر دی جائے جو نہ ہندو ہو اور نہ مسلمان۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اور مقامی کو تو الی پر ایسے افسران کا تقرر کیا جائے کہ یہ سائنس ختم ہو جائے اور مظلوم اپنی داد کو پہنچ سکے انتظام اور عدل کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ سٹی سپرنٹنڈنٹ سرکل انسپکٹر چاؤ جی اور سب انسپکٹر افکار سنگھ کا فوراً تبادلہ کر دیا جائے۔

ناگپور
۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء

عرضی
دستخط۔ ایس۔ دی۔ اینگلے

ترجمہ حکم ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ برہان پور بابت مسجد لوہاری منڈی محرم ۱۴۵۸ھ بمطابق ۲۶ جولائی ۱۹۳۷ء

آڈر

جون ۲۶، ۱۹۳۹ء - جولائی ۱۱، ۱۹۳۹ء

مجھے اطلاع ملی ہے کہ برہان پور قصبہ کے دروازہ لوہاری منڈی کے باہر موضع آگمہ گرد کے علاقہ میں ایک مسجد زیر تعمیر ہے میرے سامنے مسٹر جی۔ آر۔ حیدر کی ایک درخواست موجود ہے مئی ۱۹۳۹ء میں یہ واقعہ میری اطلاع میں لایا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جب ۱۹۳۷ء میں اسی موضع کے ایک دوسرے حصہ میں ایک عمارت موسم بہار ۱۹۳۷ء کی طرف سے بنائی گئی تھی تو کافی فرقہ دارانہ کشیدگی اور مشکلات پیدا ہو گئی تھیں، جس کا سبب اس عمارت کے سامنے جلوس کا باجہ کے ساتھ گزرنے کا مسئلہ تھا تعمیر کا کام میونسپلٹی سے اجازت کے ملنے تک رکا ہوا تھا۔ اب جبکہ اجازت مل گئی ہے میں سمجھتا ہوں کہ کام شروع کیا جا رہا ہے اور اس وجہ سے یہ مسئلہ سامنے آ گیا ہے۔

۲۔ اس حکم میں میرا تعلق مسئلہ کے اس پہلو سے ہے جس کے فرقہ دارانہ ہنگامہ اور نقصان کی طرف رخ کرنے کا امکان ہے۔ یعنی مسجد کے سامنے باجہ کا مسئلہ ہر سال کم از کم ایک

جلوس جو سکھ اپنے گرو کا جنم دن منانے کے سلسلہ گرو دارہ سے شہر کی طرف لے جاتے ہیں اس طرح سے مسجد کے موجودہ جائے وقوع سے ہو کر گزرتا ہے۔ اور دوسرے بھی جلوس ہو سکتے ہیں جو ممکن ہے موجودہ تعمیر کے سامنے سے ہو کر گزریں۔ لیکن ان کا تعین اس موقع پر نہیں کیا جاسکتا۔ ان حالات میں یہ ظاہر ہو کہ اگر اس جگہ پر باجہ بجانے کے متعلق وقت پر احکام نہ صادر کر دیئے گئے اور واضح الفاظ میں اس کی اطلاع پبلک کو نہ دی گئی تو کسی وقت فرقوں کے درمیان باہمی ٹکڑ ہو جاسکتی ہے۔

۳۔ دوسرا مسئلہ سوال زیر بحث کے متعلق صحیح نتیجہ پر پہنچنے کا ہے، اسی موقع کے مسلم پورہ درگاہ کے معاملہ کے سلسلہ میں چیف سیکرٹری حکومت صوبہ متوسط محکمہ جنرل اینڈ منسٹرین نے جو یادداشت ۱۰۹۱-۶۶۶۹ مورخہ ۲۷ جون ۱۹۳۲ء لکھ کر جیلپور ڈویژن کے نام بھیجی تھی اس میں یہ درج ہے :-

دہ پارہ ۲

برہان پور میں جس قاعدہ پر عمل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جلوس کا باجہ مسجد کے سامنے سے گزرتے وقت بند کر دیا جاتا ہے۔ یہ قاعدہ ۱۸۹۹ء میں بناتھا۔ اور چونکہ یہ قاعدہ ایک عوامی حق پر اثر انداز ہوتا ہے اس لئے اس کا اطلاق صرف عبادت گاہوں پر ہونا چاہئے جو اس وقت جبکہ یہ قاعدہ بناتھا موضع وجود استعمال میں تھیں یعنی ۱۸۹۹ء میں۔ نہ کہ آن پر جو بعد میں قائم ہوئیں یا دیر استعمال لائی گئیں۔

اس حکم کے پیش نظر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ صرف اس سوال کو طے کرنا ہے کہ آیا ۱۸۹۹ء میں مقام زیر بحث پر کوئی مسجد تھی یا نہیں۔ اس تحقیقات کا تعلق گزشتہ بیچاس سال کے زمانہ سے ہے اس لئے زبانی شہادتوں کا مبہم اور ساقط الاعتبار ہونا لازمی ہے۔

۴۔ اس لئے میں صرف دستاویزی ثبوت سے مددوں کا ۱۸۶۸ء کی میل بند بست

میں یہ رقبہ ایک زمین بقبضہ رام چند ربا پوجی برہمن دکھائی گئی ہو ۹۶-۸۹۶ھ کی میل بند و بست میں اس کا اندراج یہ نوعیت "معافی خیراتی" قطعہ زمین بقبضہ عرفان علی شاہ ولد چرائ علی شاہ فقیر ہو۔ میل بند و بست ۱۳-۱۹۱۲ھ یہ رقبہ دو عرفان علی شاہ کی معافی خیراتی زمین "بتایا گیا ہے۔ خسرہ بند و بست کے کالم ۱۲ میں اس خسرہ نمبر کے سامنے یہ درج ہو کہ ۲۱۶۰ ایکڑ اس رقبہ کا قبرستان ہو، اور ۲۰۰ ایکڑ آبادی ہو ۳۹-۱۹۳۷ھ کے خسرہ میں یہ نمبر مالگندہ کے نوکر تراب علی شاہ کے قبضہ میں دکھایا گیا ہے۔ تمام رقبہ پرتی دکھایا گیا ہو اور ریمارک کے خانہ میں یہ درج ہو کہ اس قطعہ کے ایک حصہ میں ایک (چھپر) اور قبرستان ہو، سابقہ بند و بست کے کاغذات میں مسجد کے لئے خاص علامت مستقل ہوئی ہو اور تمام سابقہ نقشہ جات بند و بست میں مقام زیر بحث پر مسجد کی علامت نہیں ہو۔ اس سے ظاہر ہو کہ جہاں تک کاغذات بند و بست کا تعلق ہو ۸۶۸ھ سے لے کر اب تک مسجد کی کوئی علامت اس مقام پر نہیں تھی۔

۵۔ لہذا یہ معلوم ہو گا کہ اس مقام پر جہاں ایک نئی مسجد تعمیر کرنے کی تجویز ہو کبھی کوئی مسجد موجود نہ تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گا کہ اب تک جلوس باجہ کے ساتھ نو ہارچا منڈی دروازہ تک جایا کرتے ہیں۔ اس لئے میں یہ حکم دیتا ہوں کہ اگر اور جب یہ عمارت مکمل ہو جائے جلوس باجہ کے ساتھ اس راستہ سے اور اس عمارت کے سامنے سے مسلسل باجہ بجاتے ہوئے گزریں گے اور اس مسجد کے سامنے باجہ نہیں روکا جائے گا۔ میں خاص طور پر کافی وقت پہلے یہ حکم صادر کر رہا ہوں اس لئے کہ اگر کسی کو عذر ہو تو اسے قانونی ذرائع سے باجہ بند کرنے کے حق تسلیم کرنے کے لئے دیوانی عدالت جانے کے واسطے کافی وقت مل جائے۔ اس وقت کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ہو گا کہ جس وقت تعمیر ہو رہی تھی انہیں اس کا گمان نہ تھا کہ اس قسم کا حکم نافذ کیا جائے گا اور چونکہ مسجد بن گئی اس لئے جلوس والوں کو باجہ بند کرنا

چاہیے اور اب اتنا وقت نہیں ہے کہ دیوانی عدالت کی طرف رجوع کیا جائے۔ یکری
 کاغذات میں ۸۶۸ء سے اس مقام پر کسی مسجد کے وجود کا اندراج نہ ہونے کے
 باعث یہ حکم دیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جلوس کا باجہ اس مقام پر بند نہیں کیا
 جائے گا تا وقتیکہ وہ لوگ جو اس عمارت کی تعمیر کے ذمہ دار ہیں کسی مستند قانونی
 عدالت سے اس کے خلاف حکم حاصل نہ کر لیں۔

دستخط وی۔ بی۔ بنگالے

اسے۔ ڈی۔ ایم۔ نمائ

۱۱ رجوالائی ۱۳۹۰ء (برہان پور)

مہر عدالت

۲۴ جون ۱۹۳۹ء

جون ۲۴، ۱۹۳۹ء

بنام مشرعیزہ الدین ولد نصیر الدین - لوہاری منڈی - برہان پور



(10)

D.S.P., Jabalpur

Cr No 312/366 IPC accused Nana Naidu
and D.P. Mishra

Investigation in the case continues. As yet no trace of Nana Naidu or the girl Hasina could be had. On receipt of certain information that Nana and the girl Hasina are at Cawnpur, Head Constable Mahabir who is acquainted with Cawnpur has been sent to Cawnpur. In this connection, I had already written on 24th May 37 to City Supdt Cawnpur, as Rameshwar Prasad Mishra, brother of D.P. Mishra resides at Mohalla Tapeshmi Devi Cawnpur, but nothing was heard from C.S. Cawnpur.

The mother of the girl has put in an application alleging that as big persons are involved, it is possible that her girl might have been killed. This is also being kept in view. She also alleged that Tantiya Naidu and one Amboo had been to her and wanted a document to be executed granting permission to Naidu to marry Hasina. This Tantiya is a brother of Nana and is employed in G.C. Factory. Tantiya denied the allegations and admitted having gone to the house to get the details of allegations against his brother, who he alleges is not on good terms with him.

There are various rumours about this case. The most prevalent is that D.P. Mishra and Seth Govind Das are doing their best to see that no clue of the fugitives is ^{given} to the Police, and are doing their utmost to keep concealed the whereabouts of Nana.

2/6/37

City Supdt of Police
Jabalpur

(9)

First Statement of Mussammat Nazkha

Confidential.

PRY KOTWALA,
Jabalpur Case

Nazina d/o Mohsammad Hanif } On the day Cherital fire
of Mohalla Gori-Patala Jabalpur } took place Nana Naidu
came to my house at about 7-30 or 8 p.m. in the absence of
my mother. Prior to this visit, Nana Naidu had visited my
house three or four times and had talks with my mother.
I do not know what talks they had, nor I had seen any gold
or money being shown to my mother, as I used to observe
Pardah, and the house being small, I used to go out when
any outsiders came and sit at the house of neighbour
Badshah Mussamman. On the visits of Naidu I did the same.
The day when the Cherital fire took place, my mother as is
his her custom went to the Bazar. This may be about the
dusk time, or even when it is dark. That day when my mother
was out Nana Naidu came and told me that I was wanted by
my mother outside the house. When Naidu came I was inside
the house about to start cooking bread and attending to
my small brother and sister. I went out of the house.
He asked me to come little further, when I enquired as to
where was my mother. Some little distance away there was
a car standing. As soon as we neared the car he forcibly
put me in the back seat of the car. All the time Nana
was telling that I should not be afraid as my mother was
there and she wanted me. I began to shout and cry. Nana
began to blow his horn and drowned my voice. There was
one fire man sitting in the front seat of the car.
I could not identify him as it was dark and I got very
much nervous and was afraid. I was immediately taken
to Gopalbagh. There is a small room in Gopal Bagh, which
I can point out. I was taken there. This room had a
window at the back, and there are wooden bars, two of
the wooden bars are missing. I was forcibly raped that
night by Nana Naidu. Nana raped me that night several times.
When ever he used to go out, the front door used to be locked
and I did my best to get away, and requested Naidu that I

was recovered from the coat pocket of Hardewsingh.

Adarsh Chitralo is the film Office of the Film

Company of GovindDass, in whose management L.P. Mishra has a

full hand. Hardewsingh and Pratapsingh since admitted that

Nana is at Bombay at the above address. Pratapsingh is

employed as motor Superintendent in Cantonment Board

Jubbulpore and draws 100/- as pay and resides at Gorakhpur.

* The search of his house failed to recover any correspondence

etc. Pratapsingh had given out that 60/- were brought by

Narayan driver of D.P. Mishra for sending the girl with

Hardewsingh to Bombay. The amount 50/- was minus the expenses

has been recovered. S.I. Verma has been sent to Bombay to effect

the arrest of Nana. The individual mentioned as Bannerji in

the address is the chief lieutenant of D. P. Mishra, and passes

most of his time with him at Gopalbagh. When the Police searched

for Nana at Gopalbagh he was found at Gopalbagh.

* The girl Hasina has not been fully questioned as yet. The discovery, and her meeting with her mother, and sisters and young brother rather unnerved her, and she complained of severe headache, and sickness. What statement she gave shows that she was at Gopalbagh, ^{as usual} was also locked in a room against her will and besides Nana, D. P. Mishra also met her at Gopalbagh. The Investigating Officer also had not much time today to question the girl at length, being busy in searches and other important matters of the case.

as far as
the
1/11/21


City Superintendent of Police

21/11/21

Jubbulpore

may be released but he did not agree. This continued for 5/6 days. Nana used to bring food. Whenever I used to feel call of nature, Nana used to place a chair on the cot, and used to make me pass between the two missing wooden bars of the ~~xxxxxx~~ window at the back. Here there are long rows of empty and deserted houses and ~~xxxxxx~~ wall of the houses. I used to ease myself there. All these days Naidu used to impress on me that I will have to stay within the house of Mishraji (D.P. Mishra) where I will pass a very good and easy life. He is a big man. After ~~xxxxxx~~ day or two of my being in the GopalBagh one night Mishraji came to the room, and explained to me to go ~~xx~~ with him to his house and began to talk in a manner which I did not like. I refused to go and also did not agree to his having sexual intercourse with me, but he had sexual intercourse with me that night. After this incident with Mishraji, she got very disgusted and told Naidu that whatever may happen, she will not stay any longer with Mishraji in the Gopalbagh, and continued crying for the whole day. ~~xxx~~ I stayed for about a week in Gopalbagh and can point out these places. I was then taken to the house of Kedarnath, and stayed with him for 15 days or so. Kedarnath is a teacher and Nana used to visit me regularly. From here, I was taken to the house of Sanitary Inspector for a day and then taken to the house of Pratebsingh in Gorakhpur, and stayed with him for about 10 days, and from here taken to Hardwarsingh's house from where she was recovered.

Progress report of the investigation of

Cr No.313/366 IPC accused D.P.Mishra and Nona Naidu.
 Confidential.

CITY KOTWALI
 JABALPUR

Investigation in the case was continued. The girl Hasina has made a statement, a brief of the same is submitted herewith. She has given out various points in her statement, which are being verified.

She was produced before C.S. and Lady Doctor and ~~they~~ it has been certified that the girl ~~is~~ is aged about 16 years. Her age is being fixed definitely by further asking the C.S. and getting her age certificate from Bhopal

S.I. Verma returned from Bombay and failed to ^{given} trace and arrest Naidu. Bombay Police have been necessary details.

Hasina was not well and had fever, but is well since yesterday. An identification has been arranged which will take place before a Magistrate on 27/6/37, in which important persons concerned in the case will be identified by the girl. Identification of Mishra will be held after necessary consultation, and after the girl points out all the ~~same~~ relevant places on 27th.

Hardeesingh Bais, in whose house the girl was recovered, and Pratebsingh are prepared to make full statements implicating Nona Naidu. Hardeesingh's wife is a Christian woman said to have been brought from Bombay. This is being further verified.

City Superintendent of Police

26/6/37

Jabalpur

Progress Report of the Investigation of
 Cr No. 312/555 IPC against Hansa Walde and
 B. J. Bhatnagar

CONFIDENTIAL

Investigation in the case was continued, and during the last fortnight on more than one occasion several informations were received about the accused Hansa and the girl Hasina, and were worked out without success.

Head Constable Sunderlal brought in an information, that a young Hindu girl, wearing Sari and putting on dress like a Hindu has arrived in Mohalla Baantalsiya nepatanwadi couple of days back and is being taken to Bombay. It was at the house of Harbansingh Bais. This was worked out, and with the help of a neighbouring female, with some difficulty, the descriptive roll of the girl was obtained, which tallied with the missing girl Hasina. The house was raided. Harbansingh first denied that any girl was within the house, but when he was told that the girl was decidedly within the house and the doors will be broken open, he admitted and the girl was found, which has since been identified by the mother as Hasina. Harbansingh first said that he found the girl begging and hence he gave her protection. This was an obvious lie, owing to the nice clothes etc. of the girl. He had to be arrested and soon came round. He admitted that the girl was brought to him by his nephew who is a great friend of Hansa and that he was taking the girl to Bombay. In the search of the house, bedding and box of Harbansingh packed and tied for journey were found. On opening them clothes of the girl with Harbansingh were found. A piece of paper in the handwriting of Pratabsingh, nephew of Harbansingh, who brought the girl was found. On this the note of Bannerji, Alsterah Chandra, Lexington Road Bombay, the address where the girl was being taken

(4)

CONFIDENTIAL

D.S.P. Jabalpur.

Chander

No-Cr No. 313/285 IPC of 1937

Accused Nana Naidu and D.P. Mishra

Head Constable Bhairavai returned from Seoni and reported that it was found that about 10 days ago Nana Naidu and the girl Hasina had been to Seoni but left after a stay of two days. The girl was kept by Nana with a cousin of his, but took her away after two days.

Head Constable Abdul Latif returned from Bhopal, no entries regarding the birth of the girl could be traced. Further efforts are being made in this connection.

Nana Naidu could not be traced in spite of efforts. It is learnt that there is a brother of D.P. Mishra at Cawnpur, and information is that the girl has been sent to Cawnpur and Nana has gone there. Cawnpur Police have been intimated to do the needful.

Information was received from one Hanswaroop that he saw Nana yesterday at about mid day going in a green car towards Municipal Offices, and was coming from Caste side. This is being verified and worked out.

The mother of the girl reported that there is a rumour that the girl will be converted to Hinduism by Aryas and married to Naidu and then brought to Jabalpur and produced in Court. So far no direct support of this rumour can be had.

Seth Govind Das, and D.P. Mishra are trying their best to delay matters, and it is understood that Nana Naidu is hiding at the instance of these two.

(3)

said that if the court calls him he will state the truth.

The girl also identified Pratabsingh, as the other man who sheltered her. Pratabsingh has already admitted every thing and has given a detailed statement.

KedarNath was not found, his house was locked. He is also one of the persons who kept the girl with Nana.

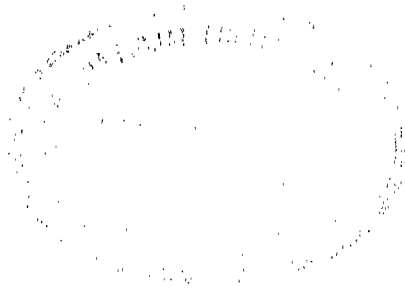
Efforts to question D.P.Mishra were made.

When approached by the S.I. he said that he was very ill
and in bed and not in a fit condition to come out.~~xxxxxx~~
~~xx~~The sickness
it appears was assumed and he wanted to avoid being
questioned by the S.I.as it was found that he was seen
moving about later on,and in a fit condition.He is
being questioned .
(Yes Ahmed Khan)

Yas Ahmed Khan

27/6/27

City and Police.



CONFIDENTIAL

There is further information to hand that another Naldm a Municipal employee was keeping Nana in his house at the instance of D.P. Mishra but efforts to locate him there failed. *Dated 192*

Some persons went to Mr Dutt Barrister and consulted him about the production of the girl in court, and it is said that Nana also accompanied them. This was not fully corroborated.

Every effort is being made to trace the girl and Nana.

[Signature]

City Supdt of Police

Jabalpur

24/5/37

Copy to D.M. also

(1)

Progress report of the investigation of
Cr No. 312/365 1st Accused Nana Naidu and D. Palisara

Investigation in this case was continued.
CONFIDENTIAL. In an identification parade before a Magistrate, the girl Nandina identified Nana C.R. Naidu, Sanitary Inspector, as one of the persons who had given shelter. She also had stated that Dr George D'Silva examined her at the house of C.R. Naidu, Sanitary Inspector, and also accompanied her to the house of Lady Doctor Miss Z.N. Kazi for examination. The girl had also identified Miss Kazi in the Hospital when she was sent for medical examination.
C.R. Naidu admitted that Nana Naidu brought the girl to his house. In the first instance Babubhoshed Sarvaswarao Parriator had to his house with Nana Naidu and asked him to get the girl examined by a lady doctor. They hence took the girl to Miss Kazi, who after seeing the girl opinion that she was below 16 and about 14 and hence she did not give any certificate. Next day Lammingsh Choonan brought Dr George D'Silva to his house and the girl was examined there. Dr George D'Silva also gave an opinion that the girl was minor and below 16 decidedly and hence his certificate was also not taken.
I questioned Dr George D'Silva. After hesitation he said that though he is bound to help the Police and the law, he is very reluctant to make any statement, as this lawyer had made in such matters. He made a statement that on the second day of the nomination to the Assembly, he had been to Lammingsh Choonan to return papers etc. There Lammingsh asked him to examine a girl as regards her age. He accompanied Lammingsh Choonan to the house of Sanitary Inspector C.R. Naidu, and there examined the Nandina girl, and found her minor. He then went to her private parts and saw girl etc, and also there were other definite signs that the girl was about 14 years of age. He said that he cannot give a certificate of age on account of the fact that the girl was about 14 years of age.

